# صراط مستقیم

ناشر

ادارۂ الرشید دیوبند

۷۸۶

# صراط مستقیم

مترجم اردو

از مولانا اسمٰعیل شہید قتیل لعنۃ اللہ علیہ

مولانا اسمٰعیل قتیل لعنت اللہ علیہ

ناشر

ادارہ الرشید دیوبند ضلع سہارنپور

# بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد و ثنا جو بے نیاز مطلق کی بارگاہ کے شایانِ شان ہے۔ وہ اُسی کی ذاتِ پاک کے بیان کے سوا کسی کے بیان میں نہیں آسکتی اور اس دعوے کی دلیل فخرِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے کلام لَاۤ اُحۡصِیۡ ثَنَآءً عَلَیۡکَ اَنۡتَ کَمَاۤ اَثۡنَیۡتَ عَلٰی نَفۡسِکَ[1] سے روشن ہے اور ایسا شکر جو اس کی اَن گنت اور بے شمار نعمتوں کا حق ادا کرے۔ کسی مخلوق سے نہیں ہو سکتا کیونکہ خود شکر ایک ایسی نعمت ہے کہ اور کوئی نعمت اس کے ہم پلہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگر تمام عالم "خلق و امر" جس کا نام دوسرے لفظوں میں "شخص اکبر" ہے اپنے جیسے ہزاروں عالموں کو ہمراہ لے کر شکر کے اس میدان کے درمیان نہایت جد و جہد سے دوڑ دھوپ کرے اور پھر نعمائے الٰہی کا پورا شکر بجا لانے کا خیال تک اس کے دل میں گزرے تو شرمندگی کے پسینے کے سوا اور کوئی اپنی پیشانی کا زیور نہ دیکھے اور ہزاروں زبان سے اپنی بے زبانی کا اقرار و اعتراف کرکے بندگی کے محکمہ میں اپنے عجز و ناتوانی کا اشتہار علیٰ اس فرمانِ واجب الاذعان پیش کرے کہ وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا[2] پس مشتِ خاک سے اس کے حمد و شکر کا کچھ حصہ ادا نہیں ہو سکتا۔ مگر جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنی عام مہربانی سے حکم فرماوے تو ناچار اس بے چارہ کا یہی چارہ ہے کہ اپنی قوت و طاقت سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ[3] کہہ کر کبھی قصور کے گریبان سے سر نکالے اور اس حکمِ حقیقی کی وکالت اور ولایت کے حکم سے جس نے اس ناچیز مخلوق کو خود حمد و شکر کی تعلیم کی "ہمیشہ اس نعمتِ عظمیٰ کی لذت مذاقِ جان میں پہنچاتا رہے" اور کلمۂ شہادت اَشۡہَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشۡہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ[4] اور کلمۂ تمجید سُبۡحَانَ اللّٰہِ

---

[1] یعنی تیری حمد و ثنا کا شمار احصار میں نہیں کر سکتا۔ تیری ذاتِ پاک ایسی ہے جیسے خود تو نے اپنی ذات پر ثنا کہی ہے ۱۲۔ [2] یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو ان کو گن نہ سکو گے ۱۲۔ [3] یعنی سب طرح کی حمد اور تعریف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے خاص ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔ [4] یعنی میں گواہی دیتا ہوں اس امر کی کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بندگی کے لائق نہیں اور اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے بھیجے ہیں ۱۲۔ [5] یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے اور اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اور اللہ برتر بزرگ کے سوا کسی میں کوئی طاقت اور گناہ۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ "- کو اپنا ہمدم و ہم نفس اور اپنی جان کا مونس بنائے رکھے اور درود و نا محدود صاحب مقام محمود پر نازل ہو یعنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ الصلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلیٰ وارثہ واقوابہ الیٰ یوم الدین وعلینا معہم وفیہم برحمتک یا ارحم الراحمین اما بعد عاجز ذلیل خداوند جلیل کی رحمت کا امیدوار بندہ ضعیف محمد اسمٰعیل عرض کرتا ہے۔ کہ اس کمترین پر خدا تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں ہیں۔ اور سب سے بڑی نعمت ہادیٔ زمانہ مرشد یگانہ حضرت سید احمد صاحب کی محفلِ ہدایت منزل میں حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو آپ کے دیر تک زندہ رکھنے سے فائدہ دے۔ اور آپ کے اقوال اور افعال اور احوال کے ساتھ سب طالبانِ قربِ الٰہی کو نفع پہنچا دے اور چونکہ یہ عاجز اس مجلسِ عالی میں حاضر ہونے کے وقت کلماتِ ہدایت آیات کے سننے سے کامیاب ہوا تو عام مسلمانوں کی نصیحت اور طالبانِ قربِ الٰہی کی خیر خواہی کا یہ تقاضا ہوا کہ غائبین بھی ان فیوضِ الٰہیہ میں حاضرین کے ساتھ شریک ہوں اور اس کا طریق بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ ان بلند پرواز مضامین کو تحریر کے پنجرے میں قید کردیا جاوے اگرچہ بحکم

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

حضور اور غیبت میں بڑا فرق ہے اور حدیث اَلشَّاهِدُ يَرٰى مَا لَا يَرَاهُ الْغَائِبُ۔ اس مدعا پر شاہد عدل ہے لیکن تاہم مقولہ مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ کے اس امر کے تمام ہونے میں کمر ہمت کو چست باندھ کر صدق دل بازگشت سے نیت خالص کر کے پوری پوری کوشش کی اور اس کتاب کی ابتدائے تحریر میں چند اوراق جناب افادت مآب قدوۂ فضلائے زمان زبدۂ علمائے دوران مولانا عبد الحی دام اللہ برکاتہٗ جو حضرت سید صاحب بارگاہِ عالی کے ملازموں کے سلک میں منسلک ہیں" کے لکھے ہوئے جن میں چند مضامینِ ہدایت آگئیں حضرت سید صاحب کی زبان سے سن کر مولانا صاحب نے تحریر کئے تھے پس

---

لہ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام نازل ہوں ان پر اور ان کی تمام اولاد اور سب اصحابوں پر اور روز قیامت تک جتنے ان کے وارث ہوں علم اور ایمان و دین میں ان پر اور ان کے ساتھ ہم کو ان کے زمرہ میں داخل رکھ کے ہم پر بھی نازل ہوں تیری رحمت سے اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان۔ ؎ یعنی حاضر ایسے امور کا مشاہدہ کرتا ہے جنھیں غائب نہیں دیکھتا ؎ جو شئے تمام حاصل نہ ہو سکے وہ ساری کی ساری چھوڑ بھی نہیں دینا چاہیئے ؎ اللہ تعالیٰ ان کی برکتیں ہمیشہ رکھے ۱۲۔

اسماعیل دہلوی نے [illegible] شرک [illegible] ہدایت دینا [illegible] اللہ [illegible]

ان اوراق کو حلوای بے دود اور غنیمت بے مشقت سمجھکر اس کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں بعینہ درج کردیا اگرچہ اس کتاب کی تالیف میں مناسب بھی تھا کہ جس طرح اس کتاب کے اکثر مضامین کی تحریر کرنے میں صرف جناب سید صاحب کے فرمائے ہوئے کلمات کے ترجمہ ہی پر اکتفا کیا۔ اسی طرح تمام کتاب کے مضامین میں یہی طریق اختیار کیا جاتا لیکن چونکہ آپ کی ذات والاصفات ابتداء فطرت سے رسالتمآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی کمال مشابہت پر پیدا کی گئی تھی۔ اس لئے آپ کی لوح فطرت علوم رسمیہ کے نقش اور تحریر و تقریر کے دانشمندوں کی راہ و روش سے خالی تھی۔ پس ان گہرے مضامین اور اسرار غامضہ کا سمجھنا تو تمہید مقدمات اور تمثیلات کے وارد کرنے کے سوا اور سلف متقدمین کی اصطلاح سے ان مضامین کے مطابق کئے بغیر اہل زمان کے اذہان پر "جو کہ علوم رسمیہ کے عادی ہوگئے ہیں" محض آپ کی زبان برکت نشان سے صادر ہوئے کلمات کے ترجمہ سے نہایت دشوار معلوم ہوتا تھا۔ لہٰذا سامعین کے سمجھانے کی سہولت کے لئے بعض مقامات میں کسی قدر تقدیم و تاخیر اور بعض جگہ چند مقامات کی تمہید اور تمثیلات کے وارد کرنے اور سلف کی اصطلاحات سے تطبیق دینے کی ضرورت پڑی۔ خاص کر قطب المحققین فخر العرفاء الکملین اعلمہم باللہ حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہٗ کی اصطلاح سے مطابق کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔ معہٰذا اس عاجز نے کتاب کے ہر حصہ کو املاء کے بعد حضرت سید صاحب کے گوش گذار کردیا۔ تاکہ مقصود غیر مقصود سے ممتاز ہوجاوے اور جو نقصان اس ہیچمدان کی مداخلت عقل کے باعث اس کتاب میں آگیا ہو آنجناب کی اصلاح کی وجہ سے اس کا جبر نقصان ہو جاوے اور اس کتاب کا نام صراط مستقیم رکھا۔ اور ایک مقدمہ اور چار باب اور ایک خاتمہ پر اس کو مرتب کیا اور بابوں کو فصلوں پر اور فصلوں کو ہدایات پر اور ہدایات کو تمہیدات اور افادات پر تقسیم کیا۔ اور مبادی کو لفظ تمہید سے اور مقاصد کو لفظ افادہ سے شروع کیا۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔[۵] مقدمہ اور یہ تین افادہ پر مشتمل ہے۔ پہلا افادہ جاننا چاہیے کہ شریعت اور طریقت کا ثمرہ اور حقیقت اور معرفت کی بنیاد حضرت حق جل و علا کی محبت کو حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ فقرہ حدیث مَنْ کَانَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا الخ (یعنی جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور

۵ یعنی مجھے کچھ توفیق نہیں۔ مگر ساتھ اللہ کے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں ۱۲ منہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سب ماسوا کی نسبت زیادہ تر محبوب ہیں (اس نے ایمان کا مزہ چکھا)، اس امر کی تصریح ہے۔ اور آیت وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (یعنی ایمان والے اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ تر مضبوط ہیں) اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ تمام صوفیاء کرام اور جمیع طوائف انام کے نزدیک یہ مسئلہ اجماعی اور متفق علیہ ہے۔ لیکن اس مقام میں ایک نہایت باریک نکتہ ہے۔ جس سے اکثر اہلِ زمان غافل اور چوکے ہوئے ہیں اور وہ نکتہ یہ ہے کہ حبّ نفسانی جس کو دوسرے لفظوں میں لقب عشق سے نامزد کرتے ہیں" اور حبّ ایمانی "جو حبّ عقلی سے مشہور ہے" ان دونوں کے درمیان فرق کیا جاوے، کیونکہ پہلی محبت مبادی سلوک کی واردات سے ہے۔ اور دوسری محبت انبیاء کرام کے کمالات اور اولیاء عظام کے مقامات میں سے ہے۔ اکثر عوام صوفیاء قسم اول کو دوسری کے جا بجا رکھ کر اور اسی کو اشارات شرعیہ کا مشارٌ الیہ سمجھ کر انبیاء اور اولیاء کی سیر کو اہلِ عشق و وجد کے احوال سے تطبیق دینے میں ناحق کی سر دردی اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اُن بزرگواروں کی سیر کو ان سالکوں کی واردات سے کسی طرح کی مطابقت نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عشق اس گھبراہٹ اور بیقراری کا نام ہے جو مقصود کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے انسان کے باطن میں پیدا ہوتی ہے اور وہاں سے تمام قوائے باطنہ میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس کیفیت کا انجام اور اس کی نہایت اُس مقصود کا پالینا اس محبوب کا وصال ہے۔ اوّلاً اس کیفیت کا موقع قلب ہے جو تمام کیفیاتِ نفسانیہ کا محل ہے پھر ثانیاً تمام قوائے باطنہ اور اس کا نہایت درجہ طالب کا مطلوب کے یافت میں اپنے آپ سے غائب اور مضمحل ہو جانا ہے پھر جب یہ غایت مرتب ہو جاتی ہے تو اس بیقراری اور پریشانی کی شورش فرو ہو جاتی ہے اور وہ کیفیت جو عشق سے نامزد ہے زائل ہو جاتی ہے اور محبت عقلی سے یہ مراد ہے کہ طالب کے دل میں اس چیز کی طلب کا ارادہ جوش مارتا ہے۔ جس کے فوائد اور منافع اُس کی طرف اپنے محتاج ہونے پر اُس نے اطلاع پائی ہے اور اس داعیہ نے طریق طلب کی مشقتیں اٹھانا اس پر سہل کر دیا ہے اور اس سبب سے اس کی طلب میں کمر ہمت چُست باندھ کر جو حیلہ اپنی فکر کے کیسہ میں رکھتا تھا سب کچھ اس کی طلب میں خرچ کر ڈالا۔ اور اختیاراً بغیر مجبوری کے اپنا سب سر و سامان چھوڑ دیا اور اس محبت کے واقع ہونے کی جگہ اوّلاً تو عقل ہے جو معلومات کا خزانہ ہے۔ پھر ثانیاً تمام قوائے باطنہ میں بھی یہ ارادہ اثر کر جاتا ہے جیسے پانی درخت کی جڑ سے اُس کے پتوں اور پھول پھل تک

سرایت کر جاتا ہے پس عقل میں کیا کیا فکر اور کیسی کیسی تجویزیں اُس کے حاصل کرنے کے لئے درست کرتا ہے اور دل میں کیا کیا ہمتیں اور کیا کیا ارادے اُس کی طلب کیلئے برانگیختہ کرتا ہے اور جوارح (اور اعضاء) پر کیسی کیسی مشقتوں کا سامنا اور کیسے کیسے مالوفات (اور مرغوبات) کا ترک کرنا اُس مطلوب کے راستہ پر چلنے کے لئے اپنے اوپر گوارا کرتا ہے اور جس طرح کی پہلی حُب (عشقی) کا نتیجہ علم کا فنا ہونا ہے۔ یعنی ماسوا محبوب سے حتیٰ کہ اپنے نفس سے بھی غافل اور بے خبر ہو جانا۔ اسی طرح دوسری محبت (عقلی) کا ثمرہ فنائے ہمت ہے یعنی جو بات کہتا ہے محبوب ہی کہتا ہے اور جو کچھ سنتا ہے اسی طرف سے سنتا ہے اور جس نظر و فکر کا نتیجہ محبوب کے حاصل کرنے اور اس کے راستہ میں چلنے کے سوا کچھ اور ہو وہ اس کے نزدیک اُس قسم کے وساوس میں سے ہے جن کا اعتبار کچھ نہیں ہوتا۔ اور جو محبت اور عداوت اور پسند کرنا اور ناپسندی کہ محبوب اور اُس کے طریق کے مناسب اور مخالف کے ساتھ نہ ہو۔ اُس کے آگے ایسے عوارض کے قبیل سے ہے جن کی طرف کچھ التفات نہیں کی جاتی۔ غرض تحصیل مطلوب اور اُس کے طریق کی تمہید کے خیال نے طالب کے ظاہر اور باطن کو اپنی حکمرانی اور فرمانروائی کے نیچے دبا لیا ہوتا ہے۔ برخلاف پہلی حُب کے کہ اس میں محب کے تمام باطن کا حُب سے پُر ہو جانا اُس کے تحقیق اور بر پائے جانے کے لئے شرط نہیں کیونکہ بسا اوقات ایک چیز کا عشق اُس کے بغض عقلی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے خاصکر جبکہ حب عقلی اور حُبِ عشقی میں تعارض ہو تو اس وقت تو یہ اجتماع ضدین ضرور لازم آجاتا ہے مثلاً ایک نوجوان دیندار والدین سے نیک سلوک کرنے والے کو کسی عورت یا کسی بے ریش لڑکے کا عشق لگ جاتا ہے۔ اور چونکہ شارعؑ یا اُس کے والدین جو اس کے نزدیک حبِ عقلی سے محبوب ہیں۔ اس امر سے روکتے ہیں۔ ناچار وہ سعادت مندوں کی تہ سے اُس معشوق کو بلکہ اُس کے عشق کو مکروہ اور مبغوض رکھتا ہے اگرچہ اپنی طبیعت کی رو سے اُس کا مغلوب ہی ہو جاوے (لیکن دوسری حُب چونکہ اس کا مقر (موضع) اصل عقل ہے۔ اور وہاں سے اُس کے لشکروں نے قوائے طبعیہ پر چڑھائی کی ہے (اس لئے محب کے تمام باطن کو مسخر کر لیا ہے کسی طرح معارضہ کی اس میں گنجائش نہیں اور جس طرح کہ پہلی حُب محبوب کے پالینے کے بعد زائل ہو جاتی ہے اور اس کی سوزش اور دھڑک) فرو ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری حُب محبوب کے وصال سے ترقی میں قدم رکھتی ہے اور اس سے ہزار گنا ہو جاتی ہے۔ اور اس قدر وسعت اور کشادگی پکڑ جاتی ہے کہ ہرگز ایسی وسعت اور قوت ہجر (اور جدائی) میں متصور نہیں۔ کیونکہ پہلی حُب کا

یعنی (اور منشا) محبوب کا نہ پانا تھا اور ہجر (فراق) اُس کی شرط تھی (اور قاعدہ کی بات ہے) کہ
اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ[1]۔ اور حُبِّ ثانی کا منشا محبوب کے منافع اور فوائد کا علم اور اس
کے کمالات کا جاننا اور اس کی طرف اپنی محتاجی کو سمجھنا تھا۔ اور یہ معنی وصال میں واضح تر ہو جاتا ہے کیونکہ
علم الیقین عین الیقین سے بدل جاتا ہے۔ اور تفصیل کے ساتھ اجمالی کی شرح ہو جاتی ہے۔ مثلاً پیاسے
کو جب پیاس لگتی ہے۔ یعنی معدہ میں حرارت جوش مارتی ہے اور سینہ میں سوزش اور لب پر خشکی ظاہر
ہوتی ہے۔ اُس وقت اُس کو پانی کا عشق ہو جاتا ہے۔ یعنی طبیعت کی تہہ سے اسے پانی کی طرف
میلان ہو جاتا ہے۔ اور اس کے نہ پانے کی وجہ سے بیقراری اور گھبراہٹ عارض ہوتی ہے اگرچہ کسی
سے اس نے یہ نہ سنا ہو کہ پانی پیاس بجھا دیتا ہے (تاہم اُس کو پانی کا اشتیاق غالب ہو جاتا ہے)
اور اگرچہ کسی جسمانی یا نفسانی ضرر کے اندیشہ سے عقل پانی کے استعمال سے مانع ہو۔ اور جب عین پیاس
کی شدت میں اسے میٹھا پانی مل جاوے اور پی کر اُس سے سیراب ہو لے اور رونگٹے رونگٹے میں اُس کی
سیرابی سرایت کر جاوے اُس وقت اُس شخص پر ایک ایسی حالت وارد ہوتی ہے کہ اگر اُس سے
تعبیر کریں تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ ماسوائے پانی سے نسیان اور فراموشی حاصل ہو گئی ہے بلکہ بسا اوقات
سکر اور نشہ کی طرح خمار سا طاری ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے تھوڑی سی دیر کے لئے بے خودی میسر
ہو جاتی ہے اور وہ پیاس کی حالت بالکل زائل ہو جاتی ہے اور اہل زراعت اور کسانوں کو پانی کی نسبت
حُبِّ عقلی ہے۔ کیونکہ ان کا میلان پانی کے حاصل کرنے کی طرف اس امر پر مبنی ہے۔ کہ وہ یقیناً جانتے ہیں
کہ ان کی کھیتیاں اور چراگاہ اور باغ بغیچے جان کی آسائش و معاش کا سرمایہ اور زندگی کا مدار ہیں۔ پانی کے
بغیر کسی صورت سرسبز نہیں ہو سکتے غرض کہ پانی کی طرف اپنی کمال حاجت اور پھلوں اور غلوں میں پانی کی
نہایت منفعت سمجھ کر اُس کی طلب کا خیال اُن کی عقل سے اٹھتا ہے اور اُن کی تمام ہمت کو پانی کی
طلب میں مصروف کر دیتا ہے پس کیا کیا دعائیں اور زاریاں پانی کی طلب میں اُن سے صادر ہوتی ہیں۔
اور کیا کیا حیلے اور تدبیریں اور رسوں کے مرتب کرنے میں ان سے ظاہر ہوتی ہیں اور کیا کیا محنتیں
اور مشقتیں کنوؤں اور نہروں کے کھودنے اور حوضوں کے درست کرنے میں رات دن میں کسانوں پر

[1] یعنی جب شرط نا پید ہو۔ تو مشروط بھی نابود ہو جاتا ہے ۱۲

اور فخر سمجھ کر ان امور
اور ان کے چار پایوں پر گذرتی ہیں اور یہ لوگ ان تمام دشواریوں کو اپنا کمال
اور ان جیسی دشواریوں میں ہمہ تن مصروف ہو کر ان کے حاصل کرنے میں ایسی سرگرمی اور چالاکی دکھلاتے
ہیں جس میں کسی طرح سے سستی اور کوتاہی کو دخل نہیں ہوتا اور کبھی کوئی اس قوم کا ان کاموں میں پست
ہمت ہو جاوے تو دوسرے کسان اس پر طعن کرتے ہیں اور اسے کم عقلی اور بے ہمتی کی طرف منسوب
کرتے ہیں اور جتنا پانی انہیں حاصل ہوتا ہے اس کے منافع اور فوائد پر عین الیقین سے اطلاع پاکر
اپنی تمام کوشش اور سعی کو جو جو مشقتیں اس کی طلب میں اٹھائی تھیں سب کو بجا اور برمحل سمجھتے ہیں اور
اس اپنی محنت پر خوش حال اور شکر گذار ہوتے ہیں اور مشقتوں کے اٹھانے میں زیادہ چالاک ہوتے ہیں
جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بعضے اپنے خاص بندوں کو جن کی قسمت میں سعادت
ازلی تھی برگزیدہ کر کے محض اپنی عنایت و مہربانی سے اپنی محبت کی دو قسموں میں سے ایک یا دونوں کی طرف
ہدایت کر کے اس سعادت دوجہانی کے سرمایہ کی توفیق دیتا ہے اور اس کے ثمرات و نتائج کے ساتھ
فخر و امتیاز بخشتا ہے وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ[1] - اور محبت کی ان دونوں قسموں کے لئے
کئی اسباب اور تائید کرنے والے چیزیں اور کئی آثار اور ثمرات ہیں جو اسی نوع کے ساتھ خصوصیت
رکھتے ہیں اور چونکہ طالب راہ حق کی محبت کی دونوں قسموں میں سے ہر ایک کو دوسری قسم سے انھیں امور
کی بدولت پہچانتا ہے اس لئے ان امور اربعہ کا نام رکھا گیا۔ **وجوہ التمایز فیما بین النوعین**[2]

دوسرا افادہ۔ چونکہ حب ایمانی اور اس کے احوال و مقامات اور نتائج و ثمرات نبوت پر جاختم
ہوتے ہیں۔ اس لئے اس طریق کا نام جس کی ابتداء حب ایمانی سے اور انتہا نبوت پر ہے۔ راہ
نبوت اور نسبت نبوت رکھا گیا۔ اور چونکہ حب عشقی اور اس کے احوال و مقامات اور نتائج و
ثمرات معرفت پر جاختم ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وجود حضرت حق (جلا و علا) کے سامنے اور اشیاء
کے حقائق نیست معلوم ہوتے ہیں اور یہ معرفت ولایت کا خلاصہ ہے۔ اس لئے اس طریق کو "جس کی
ابتداء حب عشقی سے اور انتہا معرفت پر ہے" راہ ولایت و نسبت ولایت سے نامزد کیا گیا۔

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیدیتا ہے ۱۲ [2] یعنی ہر دو قسموں کے آپس میں علیحدہ علیحدہ پہچاننے کی وجہیں یعنی اس کتاب میں جہاں وجوہ تمایز فیما بین النوعین کا لفظ آویگا۔ مراد اس سے یہی چار چیزیں ہوں گی ۱۲ منہ

تیسرا افادہ۔ اس امت کے اکابر یعنی ائمۂ طریقت وپیشوایانِ حقیقت اگرچہ طریقِ نبوت کے کمالات کے ساتھ موصوف اور اس کے ثمرات کے مقام میں بڑے راسخ القدم تھے۔ لیکن انھوں نے اس نسبت کے حاصل کرنے کا طریق راہِ ولایت کے حاصل کرنے کے طریق سے ممتاز نہیں فرمایا اور اس راستہ کے مباحث میں باستقلال کچھ کلام نہیں کیا اور اس راہ کے مبادی کی تعیین میں سعی بلیغ نہیں کی اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کتاب کا ایک باب دونوں قسم کی بحث میں امتیاز کے وجوہ میں منعقد کیا جاوے اور چونکہ ہر طریق کا آثار وعلامات کا دریافت کرنا۔ اس طریق میں چلنے اور سلوک کرنے پر مقدم ہے۔ لہٰذا اس باب کو باقی ابواب سے پہلے ذکر کیا جاتا ہے اور چونکہ نفسِ ناطقہ کو اخلاقِ رذیلہ اور صفاتِ کمینہ سے خالی اور پاک کرنا اور اوصافِ جمیلہ اور فضائل حمیدہ سے محلی اور مزین کرنا اور عباداتِ شرعیہ کا اس طریق پر ادا کرنا جس طرح شارع کا مقصود ہے۔ راہِ نبوت کی بنیاد اور راہ ولایت کی رونق وبہار ہے اس لئے ضروری ہوا کہ ایک باب اس کتاب کا جو تخلیہ اور تحلیہ مذکور کو شامل ہو عباداتِ شرعیہ کے ادا کرنے کے طریق پر متضمن ہو۔ ہر دو طریق کے سلوک سے پہلے اور وجوہ تمایز طریقین کے بیان سے پیچھے ہو متعین کیا جاوے۔ تاکہ راہِ نبوت کے طالبین کو اپنے کام کا سر رشتہ ہاتھ میں آجاوے اور راہ ولایت کے سالکین کو اپنی سعی کے ثمرات دکھائی دیجئیں اور نیز اکابر طریقت نے اگرچہ اذکار ومراقبات اور ریاضات ومجاہدات کے تعیین میں جو راہ ولایت کے مبادی ہیں نہایت کوشش کی ہے لیکن بحکم اس مصرعہ کے

ع ہر سخن وقتی وہر نکتہ مقامی دارد ۔ ہر ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ طریق کے پیشواؤں میں سے اہل تحقیق اشغال کی تجدید میں بڑی بڑی کوشش کر گئے ہیں۔ بنا برآں مصلحتِ وقت اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس کتاب کا ایک باب ایسے اشغال جدیدہ کے بیان کے لئے جو اس وقت کے مناسب ہیں معین کیا جاوے اور طریق ثلثہ یعنی قادریہ چشتیہ، نقشبندیہ کے اشغال کی تجدید سے باقی طرق کے اشغال کی تجدید پر اکتفا کی جاوے کیونکہ یہی تینوں طریق سب طرق سے زیادہ تر مشہور ہیں پس ان تین طرق کے اشغال کی تجدید سے باقی طرق کے اشغال کی تجدید کی ضرورت نہیں رہتی اور چونکہ نسبت ولایت کا حاصل کرنا۔ راہِ نبوت کے سلوک کو آسان کر دیتا ہے اور چونکہ نسبت ولایت کا صاحب نسبت نبوت کو تھوڑی سعی سے حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے

حسنِ ترتیب کا تقاضا یہ ہوا کہ یہ باب دھمیں میں سلوک طریق ولایت کا بیان ہے، باب چہارم سے جو سلوک راہِ نبوت پر مشتمل ہے مقدم کیا جاوے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَبِیَدِہٖ اَزِمَّۃُ التَّحْقِیْقِ۔

---

# باب اوّل. تمائزِ طریقین کے وجوہ کے بیان میں

یعنی جن وجوہ سے طریقِ نبوت اور طریقِ ولایت میں امتیاز و فرق ہوتا ہے ان کا بیان اور یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ **فصل اوّل**۔ طریقِ ولایت کے امتیاز کے وجوہ کے بیان میں۔ اور یہ فصل چار ہدایتوں پر شامل ہے۔ **پہلی ہدایت**[1]۔ حبِّ عشقی کے حاصل کرنے کے اسباب میں اور یہ دو افادہ پر مشتمل ہے۔ **پہلا افادہ**[1]۔ جاننا چاہیئے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا سبب عادی ذکر و فکر ہے۔ لیکن جو ذکر و فکر محبت کی دو قسموں میں سے ایک قسم کے حاصل کرنے کا سبب ہوتا ہے اور وہ اس ذکر و فکر سے جُدا ہے جو دوسری قسم کے حاصل کرنیکا سبب ہوسکتا ہے چنانچہ دونوں قسموں کی تفصیل احکام کے ضمن میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا جاوے گا۔ **دوسرا افادہ**[2]۔ مخفی نہ رہے کہ حصولِ عشق کا سبب ایک مثال کے بیان کرنے سے سمجھ میں آسکتا ہے سو اس کی تصویر اس طرح ہے کہ جیسے آگ جو کہ سب عناصر سے بلند مرتبہ رکھتی ہے اور سب سے لطیف تر اور زیادہ صاف ہے، جب زمین کے اجزاء لطیفہ سے جن کو دخان کہتے ہیں مل جاتی ہے۔ اُن اجزاءِ ارضیہ کو اپنے حیز کی طرف "جو سب اجسام عنصریہ سے مافوق اور اوپر ہے" کھینچتی ہے۔ تاکہ اُن کو اپنے آپ میں فانی کرکے آثار احکام میں اپنا ہم رنگ، و ہمشا بنائے ولیکن غبار جو کہ جو میں تودے کے تودے جمع ہو رہا ہے چونکہ اس دخان کو حیز نار کی طرف چڑھنے سے مزاحم اور مانع ہوتا ہے۔ ناچار اقتضائے نار اور اقتضائے غبار کے درمیان کشمکش اور مزاحمت اور مقابلہ واقع ہو جاتا ہے اور اس تمانع اور تزاحم کے سبب سے رعد کی ہولناک آواز آگ کے

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق ملتی ہے اور تحقیق کی مہاریں اس کے ہاتھ میں ہیں ۱۲ [2] ما بین آسمان و زمین کو جو کہتے ہیں۔

برقی شعلے حادث ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اجزاءِ ناریہ اپنی تندی اور تیزی کی وجہ سے بعض غوائق کو پانی سے بدل کر زمین کی طرف بہا دیتی ہے اور بعض ہوائح کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جو زمین کو پراگندہ اور پریشان کر دیتی ہے۔ بعد ازاں اجزائے لطیفہ دخانیہ کو کھینچ کھینچا کر اپنے آپ میں فانی اور نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ اسی طرح لفظ مبارک اللہ کا (یعنی اسم ذات) جو عالم الفاظ میں حضرت بیچون سبحانہ و تعالیٰ کی تجلی ہے "جب ذاکر کے حلق، زبان اور تالو اور کان کو نور اور سکینہ اور لذت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ ذکر خیر جو وساوس کے دور کرنے اور خیالات اور خطرات کی جمعیت و تسکین اور ترقیق و تلطیف ارواح کے لیے موضوع ہے" اس طریق کے مطابق ہو جو صوفیاء کرام کے نزدیک معہود و متعارف ہے علیٰ ہذا القیاس ذاکر کے خیال اور وہم کو گم گشتگی اور گمنامی بخشتا ہے۔ بشرطیکہ ذکر خفی "جو اس لفظ مبارک کی حلاوت اور شیرینی پانے اور تنہائی اور خاموشی کی لذت اور مزہ حاصل کرنے اور لوگوں کے اختلاط اور ہمکلامی سے نفرت حاصل کرنے کے لیے موضوع ہے" اس طریق پر واقع ہو جو صوفیاء میں مشہور و معروف ہے۔ خواہ صرف اسی لفظ مبارک کے ذکر سے یہ معنی حاصل ہو گیا ہو۔ خواہ نفی یا دوسری صفات کے ضم کرنے سے طالب کو اس لفظ کے مفہوم کے تصور کی طرف انتقال ہو جاوے اور یہ علم و ادراک ہیں حضرت جل جلالہ کی تجلی ہے جو سب تجلیات سے الطف اور بلند تر اور حضرت ذات کی طرف سب سے زیادہ قریب ہے اور جب یہ تجلی "یعنی مفہوم اس لفظ کا جو کہ بسیط محض اور مجرد بحت ہے[1] اس کے ذہن میں اس حیثیت سے استقرار پکڑ جاتی ہے کہ اس کی بصیرت کی آنکھ اسی مفہوم کی طرف دائم التوجہ ہو جاوے اور ادراک کی تمام قوتیں آنکھ کی طرح اسی مفہوم کی طرف ٹکٹکی باندھیں اور اسکے ماسوا کی طرف تہہ دل سے ذرہ بھر التفات بھی صادر نہ ہو۔ اور اگر گاہ و بیگاہ ماسوا کا خطرہ اس کے ذہن میں گذر جاوے تو امورِ اتفاقیہ کی طرح ہوتا ہے۔ نہ تہہ دل سے اور قوم (یعنی صوفیہ کرام) کے نزدیک یہ کیفیت فکر کے نام سے نامزد ہے۔ الغرض جب طالب اپنے ادراک اور ہمت سے اس مفہوم میں استغراق قوی حاصل کر لیتا ہے اور یہ تجلی اس کی جان سے پیوند ہو جاتی ہے تو سالک کی لطیف ترین اجزاء کو جس کا نام روحِ الٰہی ہے اپنا آشنا بنا کر اور اس کے ساتھ امتزاج پا کر اس کو اپنی اصل کی طرف کھینچتا ہے۔ اور روحِ ربانی جو کہ عالمِ پاک سے ہے اور قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ[2]۔ اس کی

---

[1] سادہ خالص ۱۲ [2] یعنی کہہ دو روح میرے رب کے امر سے ہے ۱۲ منہ۔

شان میں ہے۔ اور اس مشتِ خاک (یعنی جسم میں محبوس (و مقید) ہونے کے سبب سے اپنی اصل کو بھول گئی تھی۔ اور اس کے ادراک کا آئینہ زنگ پکڑ گیا تھا جب اُس تجلی کے نور سے اُس کا چہرہ مصفا و مصقول ہو گیا اور کمالات حق کا عکس اپنے اندر دیکھا کر (حدیث) اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ[۱] اسی کی طرف اشارہ ہے" اور اپنے فراموش شدہ اصل کو پھر یاد کر کے اصل کی طرف پہنچنے کی خواہش کرتی ہے پس اُس تجلی کا اُس روح کو کھینچنا بسبب اُس آگاہی اور بیداری کے"[۲] جو اُس تجلی کے استقرار کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی اور روح کا کھنچ جانا خطیرۃ القدس کی طرف صعود کرنے کا اقتضاء کرتے ہیں اور رفیق اعلیٰ کے ساتھ مل جانے کی خواہش کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ بشریت کا غبار خطیرۃ القدس میں پہنچنے سے مانع ہو جاتا ہے اس لئے ناچار اقتضائے روحانی اور اقتضائے نفسانی کے درمیان۔ کشمکش اور مزاحمت پیدا ہو جاتی ہے اس سبب سے شورش اور بیقراری اور گرمی قسمہ[۳] کے اندر" جو بروح طبعی سے ملقب ہے" پیدا ہو جاتی ہے جس طرح غصہ کے وقت شورش اور گرمی اور خوشی کے وقت بشاشت اور دل کی کشادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بالجملہ یہ شورش اور تغلغل[۴] جو کہ روح نفسانی میں پیدا ہو گئی ہے۔ طالب کو دیوانوں اور مستانوں کی طرح آوارہ پھراتی ہے اور اس کی عقل و فکر کو درہم برہم کر دیتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قانون شرع اور قواعد ادب سے باہر کھینچ لے جاتا ہے اور اس کیفیت کی شدت اور حدت کی وجہ سے جنگلوں اور ویرانوں سے اُنس اور دلبستگی ہو جاتی ہے اور مجلسوں اور گھروں سے نفرت اور وحشت ہو جاتی ہے اور آہ و فغاں کا سرزد ہونا اور رنگ چہرہ کی زردی اور رونا اور اشکباری حاصل ہو جاتی ہے اور اسی کیفیت کا نام عشق ہے۔ اور چونکہ اس کیفیت کی حامل اور اٹھانے والی روح حیوانی ہے اس لئے اس کو حبّ نفسانی سے نامزد کرتے ہیں اور یہ کیفیت آناً فاناً بڑھتی جاتی ہے تا کہ بشریت اور ناآشنائی کا حجاب پھٹ جاتا ہے اور نفسانیت کا غبار پاش پاش ہو کر اس محبت کا ثمرہ مترتب ہو جاتا ہے۔ دوسری ہدایت۔ حبّ عشقی کے مؤیدات کے بیان میں۔ اور یہ تین افادہ پر مشتمل ہے۔ پہلا افادہ۔ حب عاشقی کے مؤیدات سے ریاضت ہے یعنی کم سونا اور کم بولنا اور لوگوں سے صحبت اور اختلاط کم رکھنا اس لئے کہ حس حیوانی کو ان امور

---

[۱] یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی صفت [۲] قسمہ کے معنی نفس اور جان ۱۲ [۳] تغلغل کے معنی شورش کے ہیں ۱۲

سے رقت اور لطافت حاصل ہو جاتی ہے اور جس قدر روحِ حیوانی رقیق تر ہو اسی قدر تخلخل اور شورش اور گرمی کا پیدا ہونا اس میں جلدی سے ہوتا ہے۔ **دوسرا(۲) افادہ**۔ حُبِ عشقی کے مویدات میں سے الحان خوش اور صورت دلکش اور قصصِ شوق آمیز اور اشعارِ عشق انگیز کا سننا ہے۔ **تیسرا افادہ** منجملہ مویدات حُبِ عشقی کے۔ ایسے امور سے پرہیز کرنا ہے جو روحِ طبعی میں کثافت پیدا ہونے کے باعث ہوتے ہیں۔ مثلاً بہت سونا اور ہمیشہ کثیف غذاؤں کا کھانا اور اسی قسم کی اور چیزیں جو اہلِ تجربہ پر مخفی نہیں۔ **تیسری(۳) ہدایت**۔ آثارِ حبِ عشقی کے بیان میں اور یہ پانچ افادہ پر مشتمل ہے۔

**(۱) پہلا افادہ**۔ منجملہ آثار اس حُب کے ایک یہ ہے کہ اس کا اقتضا ذاتی حجابِ بشری کا پھاڑنا اور روحِ الٰہی کا اپنی اصل کی طرف کھینچنا ہے۔ فقط کسی قانون کی مطابقت اس کے اقتضائے ذاتی میں داخل نہیں خواہ قانونِ شرع ہو خواہ قانونِ ادب اور نہ کسی کی رضا اور خوشنودی کا طلب کرنا اس کے اقتضائے ذاتی میں داخل ہے خواہ محبوب کی رضا ہو یا اس کے غیر کی اور نہ کسی کی متابعت کا التزام اس کے اقتضائے ذاتی میں داخل ہے خواہ اپنے محبوب کی متابعت ہو یا اس کے سوا کسی اور کی یہ مت سمجھنا کہ اس کلام سے یہ مقصود ہے کہ اربابِ عشق و اصحابِ مواجید قیودِ شرعیہ سے مقید نہیں ہوتے یا آدابِ عرفیہ سے متأدب نہیں ہوتے اور رضائے مولیٰ کے طالب اور متابعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملتزم نہیں ہوتے۔ حاشا وکلا یہ بات ہرگز نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ یہ حبِ بالذات ان امور کے مقتضی صرف یہ ہے کہ صاحب اس حال کا حضرت ذوالجلال کے جمال کی مشاہدہ میں مضمحل اور فانی ہو جاوے وبس جس طریق سے یہ کیفیت میسر آوے (فیہا) کسی طریق کے خصوصیت کو اس کے اقتضائے ذاتی میں دخل نہیں مثلاً اگر اس حال کے صاحب کو اپنے مقصود کے حاصل ہونے کا ظن مزامیر کے سننے اور عشقِ مجازی اور تخیلِ برزخ کے ارتکاب) اور اوقات کو اذکار و طاعات سے معطل رکھنے وغیرہ ممنوعات شرعیہ میں ہو تو البتہ تہہ دل سے ان امور کی طرف میلان اور کشش پیدا ہو جاوے گی اگرچہ صاحب حال دینداری و متشرع ہونے کی وجہ سے اس خیال کے آثار کے ظہور سے مانع ہووے بلکہ اس خیال کے دور کرنے میں کوشش کرے۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ عشقِ مجازی میں عاشق کا مطلوب اپنے معشوق کے جمال کا مشاہدہ اور اس کا قرب اور وصال ہوتا ہے اگرچہ معشوق کو اس عاشق کے قرب سے ایذا پہنچے بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ یعنی معشوقانِ مجازی اپنے عاشقوں

کو دیدہ بازی اور اپنی مجلسوں میں آمد و رفت کرنے سے سخت ممانعت کرتے ہیں اور اپنے قرب و جوار بلکہ محلہ و دیار سے نکلوا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ کلام گلوچ اور مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی ہے مگر وہ عشاقِ مجازی کسی طرح نظر بازی اور معشوقوں کی محفلوں اور مجالس میں آمد و رفت سے باز نہیں آتے بلکہ معشوق کے ہاتھ سے مارا جانے اور یار کے کوچہ میں جان دینے کو اپنا بڑا فخر اور کمال عالی ہمتی شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کے اشعار نظمیہ اور کلمات نثریہ اس امر پر دلالت صریحہ رکھتے ہیں کیا تو دیکھتا نہیں کہ کسی کی نسبت کلام شکایات آمیز زبان پر لانا یا گلہ کا حرف کہنا کس قدر اس شخص کی رنجش کا سبب ہوتا ہے اور حبِ عقلی کے مقام میں شاکی اور گلہ کرنے والے کو کس نیچے کے مرتبہ میں جا گراتا ہے۔ تاہم اربابِ عشقِ مجازی ایسی حکایات و شکایات کے بیان کرنے میں کسی طرح صرفہ نہیں رکھتے بلکہ اپنے کلام کو ایسے مضامین سے رنگین اور مزین بناتے ہیں۔ بالجملہ اس کلام سے ہمارا مقصود حبِ عشقی کی مذمت ہرگز ہرگز نہیں بلکہ حبِ عشقی اور حبِ عقلی میں جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔

**دوسرا افادہ۔** اس حب کے بعض آثار میں سے تفرد ہے یعنی سوائے محبوب کے سب علائق منقطع کر دینے اور طرح طرح کے مشاغل اور رنگا رنگ کے علائق کے ہجوم اور عروض سے تنگدل ہونا اور متفرق امور کے نظم و ترتیب سے حوصلہ کا تنگ ہونا مثلاً سیاست منزلی اور سیاست مدنی اور جماعتوں کی امامت و پیشوائی اور عیدوں و جمعوں کے قائم کرنے اہل قرابت وغیرہ ذوی الحقوق کے حق ادا کرنے وغیرہ کی برداشت نہ کرنا اور یہی وجہ ہے کہ تزوج اور خانہ داری سے جو تمام علائق کی اصل ہے عاشق کو نہایت نفرت اور وحشت ہوتی ہے۔ **تیسرا افادہ** منجملہ آثار حبِ عشقیہ کے اپنے مرشد کے ساتھ استقلالاً و اولاً کا تعلق شدید ہو جاتا ہے یعنی نہ اس لحاظ سے کہ یہ شخص حضرت سبحانہ وتعالیٰ کے فیض کا ذریعہ ہے۔ اور اس کے ہدایت کا واسطہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ خود مرشد ہی عشق کا متعلق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس طریق کے بزرگوں میں سے ایک شخص کا مقولہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے مرشد کی صورت کے سوا کسی اور لباس میں تجلی فرماوے تو البتہ میں اس کی طرف التفات تک نہ کروں گا۔ **چوتھا افادہ۔** منجملہ آثار اس حب کے علوم اور طاعات ظاہری سے لاپروائی ہے کیونکہ ان علوم کا شغل پراگندہ امور کے انتظام و ترتیب کی قسم میں سے ہے اور چونکہ اس کا کام بساطت در بساطت ہے اس لئے ایسے امور کا اشتغال اس کے کاروبار کو پریشان کر دیتا ہے۔

**پانچواں افادہ۔** منجملہ آثار حبِ عشقیہ کے نہ سمجھنا اس علاقہ کا ہے جو شریعت کے ظاہر اور باطن میں واقع

ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت کے لئے ایک باطن ہے اور وہ تعلق دل کا ہے حضرت حق جل وعلا سے اور اس تعلق کے مختلف انحاء اور ڈھنگ ہیں۔ اور ان انحاء میں سے ہر ایک کا نام نسبت رکھا جاتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل اپنے محل پر مذکور ہے اور ایک شریعت کا ظاہر ہے اور وہ اوامر شرعیہ کا بجا لانا اور نہیات سے باز رہنا اور ان افعالِ ظاہرہ اور تعلقاتِ قلبیہ کے درمیان ایک نہایت باریک علاقہ ہے کہ حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہ کو شرح تفصیل سے اس کے بیان میں توفیق ملی ہے پس جو شخص اپنے وجدان سے اس علاقہ کو سمجھے اس کی عبادت تو سراسر مغز بے پوست ہو جاتی ہے۔ اور اس کے احوال افعال کے ساتھ مل جاتے ہیں ورنہ وہ شخص قشری محض اور خشک زاہد ہو جاتا ہے۔ اگر ظاہر افعال شرعیہ کے کے ساتھ تمسک رکھتا ہو نہیں تو ایک گونہ الحاد اور (بے دینی) اس کے عقائد میں راہ پا جاتا ہے اگر باطن شرع کے ساتھ تمسک کر کے ظاہر شریعت کو درجہ اعتبار سے ساقط کر جائے اور چونکہ اس علاقہ کا سمجھنا کثرتِ افعال کو وحدتِ احوال میں انتظام دینے کے قبیل سے ہے اس لئے صاحب حُبِ عشقی کو اس میدان میں جولان کرنے کی گنجائش نہیں مگر ارباب حُبِ عقلی کی تقلید سے اور ان آثار سے جو مذکور ہوئے ان آثار کا [illegible] بسبب تنگی مقام کے قلم تحریر میں نہیں آسکے۔ اہل دانش صاحبان فطانت پر چنداں مشکل اور دشوار نہیں۔ اَلْعَاقِلُ[1] تَکْفِیْهِ الْاِشَارَةُ۔ تیسری ہدایت۔ حبِ عشقی کے ثمرات کے بیان میں۔ اور یہ تین افادوں پر مشتمل ہے پہلا افادہ۔ جب کیفیتِ عشقیہ کی شدت اور تیزی اور تجلی علمی کے جذب کی قوت اور کمال منجذب ہونے روح الٰہی کی وجہ سے شہادت و مثال کا غبار کھل جاتا ہے اور ظلمانی اور نورانی پردے پھٹ جاتے ہیں۔ تو بنا بر وعدہ وَالَّذِیْنَ[2] جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ اور مطابق کلمہ فَاذْکُرُوْنِیْ[3] اَذْکُرْکُمْ کے حضور و مشاہدہ جمال لایزال حضرت ذوالجلال کا میسر ہوتا ہے اور قرب اور معیت کا معنی جو کہ مضمون اَنَا[4] عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔ وَاَنَا[5] مَعَهٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَاِحْفَظِ[6] اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ کا ہے (اور جس کو وصال کے ساتھ تعبیر کرتے

---

[1] عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے ۱۲ [2] یعنی جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش و مجاہدہ کرتے ہیں ہم انھیں اپنے راستے دکھا دیا کرتے ہیں ۱۲ [3] یعنی تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا ۱۲ [4] میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں ۱۲ [5] اور میں اس کے ساتھ ہوں جو مجھے یاد کرے ۱۲۔ [6] اور تو اللہ کو یاد رکھ اس کو اپنے سامنے پاوے گا۔

انا الحق

ہیں ظاہر ہو جاتا ہے اور جو تب و تاب اور قلق و اضطراب محرومی اور مہجوری کے وقت میں برداشت کئے جاتے تھے۔ اُن کے بدلے میں سرور و ابتہاج کی خلعتیں اور ہم کلامی اور سرگوشی کے سر و پا ہاتھ آتے ہیں غرض پریشانی الفت سے اور وحشت انست سے بدل جاتی ہے۔ **دوسرا افادہ** - پھر جب توفیق کا راہ بر اس مشاہدہ کی خوشی کے سرمست کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتا ہے تو فنا اور بقا کا مقام پوشیدگی کے پردہ سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور آگ کے شعلے ہر طرف سے اسے احاطہ کر لیتے ہیں بلکہ آگ کے اجزاء لطیفہ اُس لوہے کے ٹکڑے کے نفس جوہر میں داخل کر جاتے ہیں اور اس کی شکل و رنگ کو اپنا جیسا بنا لیتے ہیں اور گرمی اور جلانا جو آگ کی خاصیتوں میں سے ہے اُس لوہے کے ٹکڑے کو بخش دیتے ہیں تو اس وقت ضرور وہ لوہے کا ٹکڑا آگ کے انگاروں کے شمار میں ہو جاتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ وہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خاص آگ کی حقیقت سے بدل گیا ہے کیونکہ یہ امر تو صریح البطلان ہے بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا فی الحقیقت لوہا ہی ہے مگر شعلہائے ناریہ کے لشکروں کے ہجوم کی وجہ سے اس کا لوہاپن اپنے آثار و احکام کے سمیت بھاگ گیا ہے اور جو آثار و احکام آگ پر مترتب ہوتے تھے وہی آثار و احکام سارے کے سارے بے کم و کاست اس لوہے کے ٹکڑے پر مترتب ہو سکتے ہیں یوں نہیں بلکہ وہ آثار و احکام اب بھی آگ ہی پر مترتب ہیں جس نے اس لوہے کے ٹکڑے کو احاطہ کیا ہوا ہے لیکن چونکہ آگ نے اُس لوہے کے ٹکڑے کو اپنی سواری بنا کر اپنی سلطنت کا تخت قرار دے رکھا ہے اس لئے وہ آثار و احکام لوہے کے ٹکڑے کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں چنانچہ آیت وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ[1] اس کیفیت کا بیان ہے اور آیت فَاَرَادَ رَبُّکَ[2] اسی کی طرف اشارہ ہے۔ **الغرض** اگر اس حال میں اس آہن پارہ کو بولنے کی طاقت ہوتی تو سو زبان کے ساتھ اپنی اور آگ کی عینیت اور یگانہ ہونے کا شور اور غل مچاتا اور ضرور خواہ مخواہ ایک ساعت کے لئے اپنی حقیقت سے غافل ہو کر یہ کلمہ بول اٹھتا کہ میں جلانے والی آگ کا انگارہ ہوں اور میں وہ چیز ہوں کہ باورچیوں اور لوہاروں اور سناروں بلکہ پیشہ وروں، کارگیروں کے کاروبار میرے ساتھ وابستہ اور متعلق ہیں اسی طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی کشش اور جذب کی موجیں اور احدیت کے دریا کی گہری تہ میں کھینچ لے جاتی ہیں تو اَنَا الْحَقّ[3] اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی

---

[1] یعنی میں نے اس کام کو اپنے اختیار و ارادہ سے نہیں کیا ۱۲ [2] سو تیرے رب نے ارادہ کیا ۱۲ [3] یعنی میں خدا ہوں ۱۲ [4] کہ میرے جبہ میں بجز اللہ کے کچھ نہیں ۱۲

سے مراد

اشیا کی آواز اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ[1] وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا ۔ اور ایک روایت کی رو سے وَلِسَانَهُ الَّذِيْ يَتَكَلَّمُ بِهٖ[2] اسی مثال کی حکایت ہے۔ اور حدیث اِنَّ اللّٰهَ قَالَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ[3] ۔ اور حدیث يَنْطِقُ اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ مَا شَاءَ ۔ اسی سے کنایت ہے اور یہ نہایت باریک بات اور نہایت نازک مسئلہ ہے۔ چاہیے کہ تو اس میں خوب تامل وغور کرے اور اسکی تفصیل کو دوسرے مقام پر چھوڑ دے فَتَمَّ اَمْرُ ذَالِكَ فَلَا اَقُوْلُ اِلَّا اَنَّهٗ يَعِزُّ تَسَاقُ النُّطْقِ عَنْهُ اٰخِرًا ۔ یعنی اس کے سوا میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ ایسا بھید ہے جس سے بولنے والی زبان گونگی ہے۔ اور زنہار خبردار اس معاملہ پر تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادی مقدس کی آگ سے ندائے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ صادر ہوئی تو پھر اشرف موجودات سے جو حضرت ذات (سبحانہٗ وتعالیٰ) کا نمونہ ہے اگر انا الحق کی آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں اور اس مقام کے لوازم میں سے ہے عجیب عجیب خوارق کا صادر ہونا اور قوی تاثیروں کا ظاہر ہونا اور دعاؤں کا مستجاب اور قبول ہونا اور آفتوں اور بلاؤں کا دور کر دینا اور اس معنی کی تصریح اس حدیث قدسی میں موجود ہے لَئِنْ سَاَلَنِيْ لَاُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَاُعِيْذَنَّهٗ یعنی اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اسے دوں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور اسے پناہ دوں گا۔ اور منجملہ لوازم اس مقام کے ایک یہ ہے کہ اس صاحب حال کے دشمن و بداندیش پر وبال اور مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے چنانچہ حدیث قدسی مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ ۔ اسی مضمون کا فائدہ دیتی ہے۔

**تیسرا افادہ** ۔ پھر جب کوئی اور لطیفہ غیبی اور جذبہ لاریبی اس طالب کو پہنچتا ہے تو اس کے ادراک کو نہایت بڑی وسعت اور بے حساب فراخی حاصل ہو جاتی ہے جس کے سبب سے تمام حقائق کونیہ اور سوداتِ امکانیہ ذات بیچوں کے سامنے نیست و نابود نظر آنے لگتے ہیں اور جو نسبت پہلے مقام میں اس طالب کے اپنے نفس اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات کے درمیان

---

[1] یعنی میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے ۱۲ [2] اور اسکی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے [3] یعنی جب اللہ تعالیٰ نے نبی کی زبان سے کہا اللہ نے اس کی بات کو سن لیا جس نے اس کی تعریف اور حمد کی ۱۲

(باقی برصفحہ)

ظاہر ہوئی تھی۔ اب اس مقام پر جو چیز عرصۂ وجود میں ظہور پذیر ہے اس کے اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کے درمیان ظاہر ہونے لگتی ہے غرض انبساطِ وجود پر حضرت حق کی قومیت کا انبساط اور ان حقائق منکثرہ کا قیام اُس ذاتِ واحد یکتا کے ساتھ اس کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور حدیث لَوْ اَدْلَيْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَى الْاَرْضِ السَّابِعَةِ السُّفْلٰى لَهَبَطَ عَلَى اللّٰهِ کے مضمون کے ساتھ دم مارنے لگتا ہے سبحان اللہ محبت عشق کی کیا عمدہ تاثیر اور تجلی علمی کا کیا خوب جذب ہے کہ ایک مشتِ خاک اس مقدس اور پاک مقام میں کس قدر چالاک ہوجاتی ہے اور اس بے قدر مٹی نے بڑے رب الارباب کے قرب کی مجلس میں کیا عمدہ جائے نشست اور خوبی کا مقام پایا ہے

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| | جسم خاک از عشق بر افلاک شد<br>عشق جان طور آمد عاشقا | | کوہ در رقص آمد و چالاک شد<br>طور مست و خر موسیٰ صاعقا | |

یعنی خاک کا جسم عشق کی بدولت آسمانوں پر چڑھ گیا یہ پہاڑ (عشق کے طفیل) رقص میں آیا اور چالاک ہوگیا۔ اے عاشق عشق طور کی جان ہے۔ طور مست ہے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے ہیں اور اس مقام کے لوازم میں سے ہے وحدت وجود سے دم مارنا اور معارف الٰہیہ کے ساتھ لب کھولنا اور ان ابیات کے مضامین کو پڑھنا ہے

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| | آنچہ نے میگوید اندر زیر و بم<br>جملہ معشوق ست و عاشق پردۂ | | فاش گر گویم جہاں بر ہم زنم<br>زندہ معشوق ست و عاشق مردۂ | |

منجملہ احکام محبت نفسانی کے جس قدر بیان کرنا یہاں ضروری تھا وہ بیان ہوچکا باقی رہی اس مقام کی شرح و بسط خصوصاً مقام فنا اور بقا کی تفصیل پس قوم یعنی صوفیا کی کتابوں سے طلب کرنی

بقیہ صفحہ گذشتہ:۔ ۷ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو حکم چاہے بھیجتا ہے ۱۲ ۸ یعنی بیشک میں خدا ہوں تمام جہان کا پروردگار ۱۲ ۹ یعنی جس نے سینہ زوری سے دشمنی کی تو میں اسے لڑائی کے لئے میدانِ کارزار میں للکارتا اور پکارتا ہوں۔

حاشیہ صفحہ ہذا:۔ ۱ یعنی سب سے پہلے اور پیچھے اور ظاہر اور باطن وہی ہے اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے ۱۲ ۲ یعنی اگر تم سب سے نچلی ساتویں زمین تک ایک رسی لٹکا دو تو وہ اللہ ہی کے علم پر جا گرے گی ۱۲۔

چاہیئے اور قدوۂ اولیا اور زبدۂ اصفیا (یعنی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس کمال کو "قرب النوافل" سے تعبیر فرماتے ہیں۔

دوسری فصل۔ طریقِ نبوت کی امتیازی وجوہ کے بیان میں۔ اور یہ فصل چار ہدایتوں پر مشتمل ہے۔ پہلی ہدایت۔ حُبِ ایمانی کے حاصل کرنے کے بیان میں۔ اور یہ تین تمہید اور چند افادوں پر مشتمل ہے۔ پہلی تمہید۔ جاننا چاہیئے کہ انسان کی اصل پیدائش میں چند چیزیں فطرۃً رکھی ہوئی ہیں اور ان امور کا اچھا جاننا اور ان کی ضدوں کو بُرا سمجھنا اس کی طبیعت میں رکھا ہوا ہے اور نوعِ انسان کا ہر فرد بشرطیکہ اس کی جبلت[1] اہل جہل و عناد جنھوں نے اپنی فطرت کو بگاڑ دیا ہے اور اپنی جبلت کے احکام کو برباد کیا ہے" کی تقلید کے نقش سے صاف و پاک ہو۔ ان امور کو اپنی اور تمام اپنے ہمجنسوں کی خوبیوں اور فخر کی باتوں سے شمار کرتا ہے اور ان امور کی ضدوں کو اپنے و اپنے ہم جنسوں کی خوبیوں اور فخر کی باتوں سے شمار کرتا ہے اور ان امور کی ضدوں اپنے اور اپنے ہم جنسوں کے عیب اور نقص کا سبب جانتا ہے اور ابناءِ نوع میں سے جس کسی کو ان امور سے خالی اور ان کی طلب و تلاش سے بے رغبت پاتا ہے اسے کم فہموں اور بے وقوفوں کی جماعت سے شمار کرتا ہے اور ان فطری امور میں سب سے عمدہ منعم اور احسان کرنے والے کی محبت اور اس کی تعظیم ہے اور اس کی جانب کو اس کے ماسوا پر ترجیح دینا اور اس کی نعمتوں کا شکر کرنا اور اس کی رضاجوئی میں مشقتیں اٹھانا اور مالوفات کو ترک کرنا اور مرغوبات کو اس کی راہ میں خرچ کرنا اور اپنے آپ کو اس کے بندوں زمرہ میں شمار کرنا اور اس کے سامنے اپنے نفس کو ناچیز محض دیکھنا اور اس کی مدح و ثنا کے ساتھ زبان کھولنا اور جوارح اور ہاتھ پاؤں کو اس کی خدمت اور اطاعت میں استعمال کرنا اور اس کے بارِ احسان کے نیچے گردن کو پست کرنا اور اپنے اوپر اس کی منت و احسان کو قول اور فعل سے ظاہر کرنا اور مرغوب اور دل پسند چیزوں کے اُس کی فرمانبرداری اور اطاعت میں ترک کر دینا اور اُس کی رضاجوئی اور احکام کی بجا آوری کے ارادہ پر دل کو محکم اور مضبوط رکھنا اور اس کے سامنے پست ہونے اور نیاز

---

[1] یعنی شریعت اور طبیعت ۱۲ منہ

کرنے سے عار نہ رکھنا۔ گوناگوں امور اور دشوار و ناگوار کام پیش آجاویں اور اموبغہ کو رد پر جن کا خلاصہ منعم کی حق شناسی ہے۔ استقامت رکھنا اور ہمیشگی کرنا۔ خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ اچھی فطرت والے انسان کو اپنے منعم کے ساتھ ایک ایسا علاقہ ہوجاتا ہے کہ کبھی مدت العمر اس کے عہدہ سے کسی خدمت کے ساتھ ہرگز نہیں نکل سکتا اور کسی چیز کو اس کی نعمتوں کا مقابل دموازی نہیں سمجھ سکتا اور اس کی خدمات کی بجاآوری میں محنتوں اور مشقتوں کے اٹھانے کی جزا سوائے رضا کے اور کچھ نہیں جانتا اور اگر تو خوب غور اور تامل کرے گا تو افراد انسان میں سے کسی فرد کو جو فطرت کی خوبی میں اپنے اقران کا سنگر اور مانا ہوا ہو "اس معنی سے خالی نہ پاویگا۔ اور محب منعم کے ساتھ مدح اور تعریف کرنا اور اس کے ساتھ فخر اور بڑائی کرنا اور منعم کی ناشکری اور احسان نہ ماننے سے پرہیز اور نفرت کرنا اور نمک حرامی کو گالی اور دشنام دہی کے مقام میں استعمال کرنا اور اس نوع کے افراد میں جاری ہے۔ مثلاً اگر تو کسی شخص کو والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور اپنے موالی اور مالکوں کی خیرخواہی اور آقا کی نمک حلالی اور استاد کی تعظیم اور بادشاہوں کی فرمانبرداری کے ساتھ یاد کرے تو البتہ وہ شخص اس قول کو منجملہ اپنے مدائح اور تعریفوں کے شمار کرے گا اور اس مدح سے اسے خوشی اور فرحت حاصل ہوگی بلکہ اس قائل کی نسبت نفع رسانی کی کوشش اور محبت کا خیال اس کے دل میں محکم ہوجاوے گا۔ اور اگر والدین کی نافرمانی اور مالکوں سے بھاگنا اور آقا کی نمک حرامی اور استاد کی اہانت اور بادشاہوں کی بغاوت کسی طرف نسبت کیا جاوے تو البتہ وہ شخص اس قول کو اپنی مذمت اور ہجو سمجھ کر اس کے قائل کی نسبت رنجیدہ ہوگا اور غصہ اور بغض بہم پہنچا کر اس کے قائل کی ایذا رسانی میں کوشش کرے اور حب منعم کی فروعات میں سے ہے۔ اس کے شعائر کی تعظیم کرنا یعنی جن امور کو منعم کے ساتھ ایک خاص قسم کی ایسی مناسبت ہے کہ جو شخص اس مناسبت سے واقف ہو ان امور کا خیال کرتے ہی منعم کی طرف انتقال کر جاوے جیسے منعم کے نام اور کلام اور لباس اور ہتھیار کی تعظیم کرنا یہاں تک کہ اس کی سواری اور رہنے کے مکان کا ادب کرنا۔ چنانچہ جس شخص کو ان امور کا تجربہ ہو امراء عظام و مصاحبین کرام وغیرہ حق شناسوں کے ساتھ صحبت و نشست و برخاست رکھتا ہو اور انہیں فرمان

بادشاہی اور تخت سلطانی کی تعظیم کرتے دیکھا ہو اور یہ بات پوشیدہ نہیں اور جب
شئ بزرگی تعظیم کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اس چیز کی تعظیم کا باعث ہو جاتی ہے جو اس کی
محبت کی تائید کرے اور اس کے فخر کا رواج دے۔ مثلاً جو شخص منعم کی شکر گذاری کی
طرف دعوت کرتا ہے یا اس کی خدمت گذاری میں اس محبت کی تائید کرتا ہے یا اس کی
نعمتوں پر اصلاح اور آگاہی دیتا ہے۔ وہ عزیز معلوم ہونے لگتا ہے اور جب یہ
اثر بھی کمال قوت پکڑ جاتا ہے اور حد سے بڑھ جاتا ہے تو امور کی تعظیم کا سبب ہو جاتا ہے
جو اس محبت سے منعم کی تعظیم اور اس کی خدمت گذاری میں ظاہر ہوئے ہوں یعنی ان افعال
اقوال کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو منعم کی نعمتوں کے مقابلہ میں بجا لایا تھا اور جو اموال
اس کی حاجت روائی میں خرچ کئے تھے ان کی تعظیم کرتا ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ یہ خیال اچھے
اقوال اور افعال پر عجب و ناز کے قسم سے اور مال کے خرچ کرنے پر فخر کرنے قسم سے
ہے کیونکہ ان اقوال و افعال و اموال کی دو حیثیتیں ہیں ایک جہت سے تو محبوب کے کمالات میں سے
ہیں اور ان کی تعظیم اور عزت دوسری جہت سے متعلق ہے نہ پہلی جہت سے اور نتیجہ ان امور کی
محبت جود اور فیاضی ہے اور مراد جواد سے وہ شخص ہے کہ امور نافع یعنی فائدہ مند
چیزوں کی بلا غرض بخشش اور فیاضی کیا کرتا ہے کیونکہ ہر انسان سلیم الفطرۃ جس شخص کو اس
صفت سے موصوف جانتا ہے بالطبع اس کو دوست رکھتا ہے۔ مثلاً اہل سخاوت
و مروت اور ارباب کرم و مروت خواہ وہ سلاطین ذوی الاقتدار ہوں یا امرائے نامدار و اہل
لیاقت و استعداد میں سے ہر شخص کو آدمی تہ دل سے دوست رکھتا ہے۔ اور ان بخیلوں
کی عزت و جاہ کی ترقی اور زیادت کی خواہش ان کے دل کے اندر استقرار پکڑ جاتی ہے
خواہ ان بزرگواروں سے کوئی نفع اس آدمی کو نہ پہنچا ہو۔ چنانچہ اہل وجدان پر پوشیدہ نہیں حالانکہ
ان بزرگوں میں سے کسی کو حقیقۃً سخی و جواد نہیں کہا جا سکتا کیونکہ سوا حق جل و علا کے
جو شخص امور نافعہ کی بخشش کے درپے ہوتا ہے اور منفعت رسانی میں کوشش بجا لاتا ہے تو
البتہ نفع یا دنیاوی غرضوں میں سے کوئی نہ کوئی غرض اسے ضرور باقی ہے۔ خواہ
خدا تعالیٰ کی رضا جوئی یا ثواب جزیل کی طلب یا عذاب اخروی سے بچنے یا اپنے

اخلاق کی تہذیب یا اپنے نام ونشان کی خواہش یا سخاوت وکرم سے مشہور ہونے یا اپنے ہم جولیوں کی مدح اور ثنا کی تمنا وغیرہ اسی قسم کے امور اسی سخاوت اور فیاضی اور انعام کے وقت یہ سبھی لوگ۔ اس غرض کو پوشیدہ اور مستور رکھتے ہیں اور محض بے غرضی ظاہر کرتے ہیں اس لیے اوپر اوپر کی نظر میں جواد مطلق کے ساتھ مشابہت پیدا کر لیتے ہیں اسی وجہ سے صاحبانِ فطانت اور دانا لوگوں کی محبت کے مستوجب ہو جاتے ہیں (جب مجازی جوادوں کا یہ حال ہے تو) جوادِ مطلق سبحانہ وتعالیٰ کے کیا کہنے کہ حقیقت میں صفت جود وکرم اسی ذاتِ فیاض میں منحصر ہے اور بس کیا تو دیکھتا نہیں کہ اگر کبھی کسی وقت میں کسی بخشش کرنے والے سے انعام اور فیض رسانی کے وقت اپنی غرض کا حاصل کرنا ظاہر ہو جاوے تو سب سمجھدار لوگ۔ اسے کریم النفسوں اور فیاضوں کی جماعت سے نکال کر کمینوں اور پست ہمتوں کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں اور منجملہ ان امور کے صمد کی تعظیم۔ اور مراد صمد سے وہ شخص ہے کہ خود بے نیاز ہو اور اس کے غیر کو اس کی طرف حاجت پیش آوے اور صمدیت ایسا امر ہے کہ کمال اور نقصان میں متفاوت ہے کیونکہ کھانے اور پینے اور جماع وغیرہ لوازم حیوانیت سے مستغنی ہونا صمدیت کا ایک مرتبہ ہے اور جہت اور شکل اور لون وغیرہ لوازم جسمانیت سے مستغنی ہونا اس سے اوپر کا مرتبہ ہے اور مددگار اور وزیر اور شریک اور مشیر اور آلات اور وسائط وغیرہ لوازم عجز سے مستغنی ہونا اور ایسا ہی جاسوسوں اور سرکاروں اور خفیہ نویسوں اور وقائع نگاروں وغیرہ لوازم جہل سے مستغنی ہونا اس سے اوپر کا مرتبہ ہے اور علت سے مستغنی ہونا خواہ فاعل ہو یا قابل جسے دوسرے لفظوں میں وجوب سے تعبیر کرتے ہیں ایک مرتبہ ہے جو اس سے اوپر ہے اور دوسرے مراتب فوقانیہ کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے اور اسی طرح اس کی طرف غیر کے محتاج ہونے کے مراتب بھی متفاوت ہیں کیونکہ حل مشکلات اور دنیاوی مہمات میں محتاج ہونا ایک مرتبہ ہے اور تربیت اور تغذیہ[1] اور تنمیہ[2] میں محتاج ہونا دوسرا مرتبہ ہے جو اس سے اوپر ہے۔ اور ہاتھ پاؤں

---

[1] غذا دینا کھلانا پلانا ۱۲ [2] تنمیہ۔ بنانا چھوٹے سے بڑا کرنا۔

اور قوتوں کے حاصل ہونے میں اُس کی ایجاد اور عنایت کی طرف محتاج ہونا ایک اور مرتبہ ہے
جو اس سے بھی اوپر ہے اور نفس وجود اور بقائے وجود میں اُس کا محتاج ہونا یعنی کتم عدم اور
منصّہ ظہور پر جلوہ پذیر ہونا ایک اور مرتبہ ہے جو اس سے بھی اوپر ہے اور ان کے
سوائے اور مراتب فوقانیہ کو انہیں پر قیاس کرنا چاہئے اور صمدیت کے ہر مرتبہ کے مقابل
تعظیم کا ایک مرتبہ ہے جو کمال و نقصان میں اُس کی مثل ہوتا ہے یعنی جس قدر صمدیت زیادہ
عالی ہوگی اور احتیاج ذات صمد کی طرف قوی تر ہوگا اُسی قدر تعظیم جو اُس کے مقابل ہے
زیادہ کامل اور جامع ہوگی۔ غرض صمدیت اور تعظیم ترازو کے دو پلّوں کی طرح خیال کرنا چاہئے
جس قدر ایک پلّہ میں علو اور رفعت ہوگی اُسی قدر پلّہ پستی اور تہ نشینی کی طرح جھک
پڑے گا۔ اور اس امر کا ثبوت کہ "تعظیم صمد لوازم انسانیت میں سے ہے" یہ ہے کہ جو
شخص کسی مذہب کا پابند ہے "خواہ وہ مذہب حق ہو یا باطل" عبادت کو جو غایت تعظیم کا
نام ہے کسی کے حق میں جائز نہیں رکھتا تاوقتیکہ اُس کی صمدیت ثابت نہ کر لے یعنی عبادت
اُسی ذات کی جائز رکھتا ہے جو عابد کو ابنائے جنس کے حوائج سے مستغنی اور بے نیاز ہو
اور عابد اپنی حوائج اور مشکلات میں اُس کی طرف محتاج ہو بلکہ ہر مذہب کا آدمی اپنے
معبود کے مستحق عبادت ہونے پر اسی صمدیت کی وجہ سے استدلال کرتا ہے اور شارع نے
بھی معبودانِ باطل کی معبودیت کو صمدیت نہ ہونے سے باطل کیا ہے کہ جا بجا انکی محتاجی کو ثابت
کیا ہے اور اُن کے پوجنے والوں کا کسی حاجت میں ان کی طرف محتاج نہ ہونا ظاہر کیا ہے۔
چنانچہ علم تفسیر میں مہارت رکھنے والوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں اور منجملہ ان امور کے اہل کمال
کی محبت اور ان کی تعظیم ہے اور یہ امر ظہور اور بداہت اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ محتاج
بیان نہیں کیونکہ ہر سلیم الفطرۃ جس شخص کو کسی کمال سے موصوف جانتا ہے۔ "جیسے علم و ذکاوت
اور قوت و قدرت اور حسن صورت و سیرت اور وقار و تمکین وغیرہ ضرورۃً دل سے اس شخص
کو دوست رکھتا ہے اور جس قدر اس کی تعظیم و تکریم کر سکتا ہے بجا لاتا ہے اور اُس کی صحبت و

---

لہ کتم کے معنی پردہ ۱۲ سہ منصّہ چبوترہ نابودگی کی پردہ سے نکل کر وجود خارجی کے چبوترہ پر ظاہر ہونے میں تمام مخلوق اللہ
سبحانہ و تعالیٰ کی محتاج ہے ۱۲۔

ہم نشینی میں کوشش کرتا ہے اور چونکہ صفاتِ کاملہ مراتب کمال و نقصان میں بے حد تفاوت رکھتی ہیں اسی لئے حب و تعظیم جو ان کے مقابلہ میں ہوگی ناچار متفاوت ہوگی۔ مختصر خلاصہ یہ ہے کہ جب ان امور میں سے ہر ایک سلیم الفطرۃ انسان کے باطن میں حب عقلی کے پیدا کرنے کے لئے کافی ہے تو ان سب امور کا جمع ہونا خصوصاً جب نہایت مرتبہ کمال میں ہو تو بیشک ایسی محبت کے زیادہ ہونے اور بے حساب تعظیم کے پیدا ہونے کا باعث ہوگا۔ جس سے زیادہ متصور نہیں۔ دوسری تمہید۔ چونکہ منعم حقیقی اور جوادِ مطلق کے علم میں افراد انسان کے لئے معادِ اُخرویہ سے نجات پانے کا وسیلہ و برترین مناصب سے کامیاب ہونے کا ذریعہ اس کے سوائے اور کوئی نہیں تھا کہ حق جل وعلا کی نہایت قوی محبت جو اس کی نہایت تعظیم سے ملی ہوئی حاصل کریں اسی لئے منعم کی محبت اور اس کی مثل امور جو عین جبلت میں اس کی طبیعت کے اندر ودیعت رکھے ہوئے تھے انہیں امور کو سعادتِ جاودانی اور سرمایۂ دوجہانی کے اضافہ کا طریق مقرر کرکے اشرف اور کامل ترین افراد انسان کی زبان ہدایت نشان پر اس امر کی منادی کرادی کہ اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِّنْ نِعَمِہٖ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس لئے کہ وہ تمہیں کھلا کھلا کر تمہاری پرورش اور تربیت کرتا ہے۔ اور کوہ فطرت سے یہ آوازہ دیدیا قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ الخ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے قدم بقدم چلے چلو اور لطف اور مہربانی سے بھرا ہوا کلام جو حضرت حق کی نعمتوں سے مشحون اور آثارِ صمدیت کی شرح و بسط سے پُر اور صفاتِ کمال کا ثابت کرنے والا اور نقص و زوال کے داغ کو دور کرنے والا تھا اس کے بطن میں ڈالا اور ایسی تسبیحات اور تکبیرات جو کہ اس کی صمدیت کی مشعر ہیں۔ اور ایسی تمہیدات جو کہ اس کے جود و انعامات سے خبر دینے والی اور اس کے اوصاف و کمالات کی مخبر ہیں اور ایسی تہلیلات جو اس کے تفرد بالوہیت کو "جو کہ صمدیت کی اصل ہے" ظاہر کرنے والی ہیں اور تفرد بربوبیت کو آشکار

---

لے یعنی ایک طرف کا ہو کر اپنے چہروں کو دین کے لئے سیدھا رکھ جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اس فطرت کو لازم پکڑو اسے ضائع نہ ہونے دے۔ اللہ کی پیدائش کا بدل جائز نہیں۔ یہی دین سیدھا ہے ۱۲ کلہ یہود و نصاریٰ نے یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دی ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کا حکم دیا کہ ہم ملتِ ابراہیمی کو تھامے رہیں گے جو سب باطل دینوں کو چھوڑ کر ایک طرف ہو گیا تھا ۱۲ عہ پیدائش

کرنے والی ہیں" جو کہ بخشش و انعامات کی اصل اور حامد و کمالات کی بیخ و بنیاد ہے"
اکمل افراد کے واسطہ سے تعمیم فرمادیں اور محض اپنے فضل و کرم افصح العرب و العجم
کے بیان بلاغت نشان سے وہ آیات واضح کردیں جو آفاق و اطراف عالم منبثّ و پراگندہ
تھیں اور ذوات و نفوس مضمر اور پوشیدہ نہیں اور وہ عجائبات آشکارا کردیئے
جو اجرام علویہ اور اجسام عنصریہ خصوصاً نوع انسان کے اندر رکھے ہوئے تھے۔ یعنی اس
کی ایجاد میں بہت سے تغیرات اور تحولات جیسے نطفہ ہونا اور علقہ اور مضغہ بننا جو مادہ
پر گذرتے ہیں۔ اور اس کی تصویر اور نقاشی رنگہائے خوشنما اور صورت ہائے
دل ربا اعضائے متناسبہ اور قوئی متخالفہ کا ایجاد کرنا اور اس کی تربیت میں غذا پہنچانا
اور نشوونما دینا اول تو شکم مادر میں ثانیاً صغر سن اور بچپن میں ثالثاً جوانی اور کلاں
سالی میں اور رابعاً بڑھاپے اور شیخوخت میں پھر دفع بلیات اور حل مشکلات اور
اغاثت ملہوفین اور اجابت دعائے مضطرین اور اس کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کا
بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا تاکہ جو امور خیمۂ فطرت کے اندر مستور تھے منصّۂ
ظہور پر جلوہ گر ہوجائیں اور دین حنیفی اُن کے نصیب ہو" جس کے معنی بجز تصقیل فطرت
کے اور کچھ نہیں" چنانچہ مضمون اس آیت کا فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ
اس امر کا شاہد ہے اور مدلول آیت بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ اس پر دال ہے۔

**تیسری تمہید۔** جاننا چاہئے اگرچہ اقوال و افعال فروع و توابع احوال ہیں لیکن
بعض وجہ کے لحاظ سے ان کو احوال کے تتمہ اور تکمیل بھی شمار کرسکتے ہیں کیونکہ اعمال اور
اقوال قالب اور بدن کے حکم میں ہیں اور احوال بمنزلۂ روح اور جان کے ہیں اور جس طرح
قالب بے جان جمادات کی جنس سے شمار کیا جاتا ہے اسی طرح جان بے قالب

---

۱ منبث کے معنی پھیلی ہوئی۔ ۲ مضمر چھپی ہوئی ۳ علقہ جما ہوا خون ۴ مضغہ۔ گوشت کی چھوٹی
سی بوٹی جو منہ ڈال کر چبا لی جاسکے ۱۲

زیورِ کمالات سے عاطل برہنہ ہے۔ مثلاً گالم گلوچ اور مارپیٹ اگرچہ کیفیتِ غضبیہ کے فروع ہیں اور قوتِ غضبیہ احوالِ قلبیہ سے ہے لیکن ان آثار کو اس کے متممات اور مکملات کے مرتبہ میں رکھنا چاہیئے کیونکہ اگر کسی کو حالتِ غضب یا فرحت عارض ہو اور اس کے آثار جیسے سب و شتم یا نغمہ و سرود سرائی اور ضرب و جلد یا عیش و نشاط کے اسباب کی آرائش و عشرت و انبساط کی محفلوں کا ترتیب دینا اور اس کی مثل اور افعال و اقوال فرحیہ یا غضبیہ کے ظہور سے حیا مانع آئے تو ایسا غضب اور فرحت وساوسِ نفسانیہ کی جنس سے شمار ہو کر فوراً غضب کی آگ میں لپیٹ منطفی ہو جاتی ہے اور فرحت کا انبساط انقباض اور پژمردگی سے بدل کر باطل ہو جائے گا اور اس حالتِ قلبیہ تائید اقوالِ لسانیہ اور افعالِ جسمانیہ کے کرتے ہیں تو البتہ اسے قوت اور تزاید و ترقی میسر آجاتی ہے اور وسعت و احاطہ حاصل ہوتا ہے اسی طرح منعم جواد کی محبت اور صمد کی تعظیم اپنے کمالات میں اضداد و انداز سے منزہ ہے اگرچہ امورِ قلبیہ اور حالاتِ نفسانیہ میں سے ہے لیکن اقوالِ محبت انگیز اور افعالِ تعظیم آمیز اس کو دوبالا کرتے ہیں اور وہ آب و تاب بخشتے ہیں جو اہلِ وجدانِ سلیم پر مخفی نہیں اور ان امور کے سوا وہ حالتِ قلبی ایسی ہو جاتی ہے جیسے ماہر کاتب شہسوار بے اسپ جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

**پہلا افادہ** – واضح ہو کہ مرد سلیم الفطرت جو ازل الآزال سے زمرہ اہلِ سعادت میں لکھا جا چکا ہے اور بارگاہِ الٰہی سے ایک عنایت مخفی اس کے بارہ میں مرعی رکھی گئی ہے۔ جب اپنے گوش ہوش سے اس امر کو سنتا ہے کہ اس کا منعم حقیقی جس نے نعمہائے جسمانیہ و نفسانیہ اس کو بخشی ہیں۔ صمدیت کے برترین مراتب ہیں اور جود و بخشش کے بلند ترین مناصب میں واقع ہے اور کامل ترین اوصاف اور بہترین نعوت سے متصف ہے اور نقص کے سمات سے منزہ اور زوال کی صفات سے مبرا ہے اور یہ شخص قوی ترین

---

۱؎ مصیبت زدوں کی فریاد کو پہنچنا ۱۲ ، ۲؎ صیقل کرنا اور روشن کرنا ۱۲ ، ۳؎ گالی گلوچ ۱۲ ، ۴؎ یعنی مرد سلیم الفطرۃ اپنے آپ کو یوں کہتا ہے
کرین سخت محتاج ہوں ۱۲

مراتب احتیاج میں واقع ہے کیونکہ ہر گھڑی اور ہر ساعت میں ہر ہر چیز کے لئے اُس کا محتاج ہے - یہاں تک کہ اپنے جوارح اور اعضاء میں بھی اس کا محتاج ہے گویا کہ اس کا تمام وجود حاجت اور منعم حقیقی کی نعمتیں باوجود کمالِ صمدیت اور بے پروائی کے ہر ساعت بارش کی طرح برس رہی ہیں اور بصیرت کی آنکھ سے ان آیات اور نشانات کو دیکھتا ہے جو آفاق و انفس میں پراگندہ اور پھیلی ہوئی ہیں اور ان عجائبات پر نظر ڈالتا ہے جو از سمک تا سمک اور از ثریٰ تا ثریا بلکہ از عرش تا فرش خاصکر نوعِ انسان میں خصوصاً اُس ناظر کے اپنے نفس و ذات میں جن کے بعض کی طرف شروعِ کلام میں اشارہ گذر چکا ہے مبسوط اور پھیلائی ہوئی ہیں تو لابد امور مذکورۃ الصدر جو اس کی فطرت میں ودیعت رکھے گئے ہیں ایک جنبش پیدا کرتے ہیں اور اس کے سینے کو پُر کر دیتے ہیں اور اس کی تہہ دل سے منعم حقیقی کی نسبت بڑی حُب اور نہایت درجہ کی تعظیم اُٹھ کھڑی ہوتی ہے ایسے افعال و اقوال کے ظہور کا تقاضا کرتی ہے جو اس کی تعظیم اور اس کے شکر پر دال ہوں اور اس کی صمدیت اور اس کے کمالات کے شایانِ شان دکھلائی دیں اور ایسے اموال کے بذل و خرچ کر ڈالنے کی متقاضی ہوتی ہے جن سے اس کی رضا و خوشنودی حاصل ہو سکے. پس اس کے تسبیحات و تحمیدات و تکبیرات جو افعالِ خضوعیہ اور حرکاتِ تعظیمیہ کے ساتھ ممزوج بلکہ بملاحظہ ان معانی کے جو اول کلام میں مذکور ہوئے ہیں ان سے سرزد ہونے لگتے ہیں خصوصاً تہلیل جو اس کے اعلائے مراتب اور اقوی مقام ربوبیت سے متفرد و یگانہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اس سے ظاہر ہونے لگتی ہے خصوصاً اُس کلام پاک جو امور اربعہ مذکورہ کا ایسی وجہ پر شارح و مفسر ہے جس سے بڑھ کر متصور نہیں باوجودیکہ وہ کلام پاک شعائر منعم کی تعظیم سے مخلوط و ممزوج ہے پس اُس کلام پاک کو وہ مومن پاک کمال تعظیم سے بہیج تدبر معانی کے اُس وجہ سے کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے زبان پر لاتا ہے اور ان اذکار کی

---

عہ ہاتھ پاؤں ۱۲ عہ زمین سے آسمان تک ۱۲ عہ خواہش کرنے والی ۱۲ عہ لا الہ الا اللہ کہنا

لذت خصوصاً اُس کلام کی عظمت اُس کے قلب و عقل کو مالا مال کر دیتی ہے۔ اور الفاظ کی شیرینی اور مضامین کی رنگینی اُس کے دل کو شکار کر لیتی ہے اور اس کے ہوش و عقل کو سر بسر روشن، نورانی کر دیتی ہے اور خیالات منتشرہ اور وساوس پراگندہ اور آمانی باطلہ اور عزائم عصیان اور حب و تعظیم ماسوی اللہ کو پاش پاش کر کے لا شئے اور فانی کر دیتی ہے اور اس کے عقل اور دل کو الواث بہیمیہ سے پاک کر دیتی ہے یہ ہے ذکر اُس قوم کا اور ہم نے اس کا نام ذکرِ ایمانی رکھا ہے اور جو ثمرہ ابتدائے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ اقوال لسانی اور افعال جسمانی سے احوالِ نفسانی کو تائید عظیم بہم پہنچتا ہے اور آب و تاب ضخیم میسر ہوتی ہے پس بنا بر علیہ ذکر مذکور امورِ اربعہ فطریہ کی زیادتی اور ترقی کا باعث ہو جاتا ہے اور ایک الفت اور تعظیم جدید ذاکر کے وجود سے فوارہ کی طرح جوش مار اٹھتی ہے اور حب و تعظیم کا جوش اور اقوال و افعال کے صدور کا متقاضی ہوتا ہے۔ اسی طرح جانبین سے یہ سلسلہ چلتا جائے گا تا کہ تہلیل کا مضمون جس کے معنی حضرت حق سبحانہ کا یگانہ ہونا الوہیت اور ربوبیت اور فضائل ذاتیہ اور فواضل متعدیہ میں اقصائے مراتب استغنا اور اوسع وجود نعما کے ساتھ متصف ہونا اور انعام و تاثیرات کے وسائط کا نظر سے گر جانا اور ان کی طرف التفات کرنے سے اعراض و روگردانی کرنا اور ان کے حال سے بالکل بے اعتنائی اور لا پروائی کرنا اُس کے دل میں قرار پکڑ جاتا ہے اور نہایت مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے حتی کہ تمام کائنات جو عالم کون میں ظہور پذیر ہیں اور آئندہ ظہور پکڑ جاتی ہیں تمام کو بلا واسطہ اُس کی قدرت کاملہ سے متعلق و وابستہ جانتا ہے اور جو انعام کہ اس پر اور اُس کے امثال پر فائض ہوتا ہے۔ سب کو بلا حجاب اُس کی تربیت بالغہ کے آثار شمار کرتا ہے اور جو کمال کہ موجودات کے ذرات میں سے کسی ذرہ میں جھکتا ہے سب کو اس کے جمالِ لایزال کا عکس سمجھتا ہے اور جو نقصان ممکنات میں سے کسی ممکن کے اندر ہوتا ہے سب کو اُس کے بارگاہِ جلال سے دور اعتقاد کرتا ہے پس ساعۃً فساعۃً

---

ف۵ باطل آرزوئیں ۔ ۲ گناہوں کے عزم کرنا ارادے

اُس کی قدرت کے عجائبات کے دریا میں غوطے لگاتا ہے اور بلبلے کی طرح بادِ حیرت کے سوا کچھ ہاتھ میں نہیں لاتا۔ آناً فاناً اُس کے انعامات کی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے اور بجز مضمون عجز و خجالت اور اُس کی نعمتوں کے حقوق کے ساتھ قیام نہ کر سکنے کے سوا کچھ نہیں حاصل کرتا یہ ہے فکر۔ اس قوم کا اور ہم نے اس کا نام رکھا ہے مراقبہ صمدیت

(ساعت بساعت)

**دوسرا (۲) افادہ۔** جب یہ فکر حدِ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور الفتِ شدید مضمحل کر دیتی ہے اور ایک ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ اُس کی تشبیہ بجز گل جانے نمک کے پانی میں یا اضمحلالِ شبنم کے آفتاب کے سامنے اور کسی چیز سے نہیں دی جا سکتی اور اس کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ اگر اوپر دیکھتا ہے تو تمام آیات و عظمت اور انعام کی پاتا ہے اور اگر پاؤں کے نیچے دیکھتا ہے آثارِ عظمت و انعام دیکھتا ہے۔ اور اگر اپنے اندر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے باہر دیکھتا ہے تو یہی دیکھتا ہے اور اگر اپنے آپ کو اُس کی خدمت اور اس کے انعام کے شکر میں خاک سے برابر کر دے بلکہ خاکستر برباد دادہ بنا ڈالے اور پھر اس سعی بلیغ کو اپنے خیال میں اُس کے انعامات سے موازنہ کرتا ہے اور عقل کی ترازو میں اُس کی عظمت کے ساتھ تولتا ہے تو انفعال اور شرمندگی کا دریا اپنے دل کی پیشانی سے بہتا پاتا ہے اور اپنے آپ کو اُس میں مستغرق جانتا ہے بلکہ اپنے جوارح اور اپنی قوتوں کو بھی منجملہ اُس کی نعمتوں کے شمار کر کے اور اُس کی قدرت کے عجائبات کو پہچان کر نہایت درجہ کی محبت اور تعظیم بہم پہنچاتا ہے۔

بیمِنت منازم بجشم خود کہ جمال تو دیدہ است | افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دستِ خویش را | کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اور جس وقت اُس کا مبارک نام زبان پر لاتا ہے تو اس کا تمام باطن اُس عظیم کی عظمت اور حلاوت سے اس طرح لرزے میں آجاتا ہے جس طرح نسیم سحری کی تاثیر سے شاخِ درخت

---

ؔ ضخیم بہت بڑی ؔ نعمتیں جو دوسروں کو پہنچی ہوئی ہیں ؔ نابودگی و گم شدگی

بید اور اس کے ہر بن مو سے اپنے عجز اور احتیاج کی ندا اور اس (ولی النعم) کی بے نیازی اور استغناء کا آوازہ فوارہ کی طرح جوش مار اٹھتا ہے پس اس الفت شدیدہ کو جو کہ نہایت تعظیم سے ملی ہوئی ہوتی ہے اور مومن کے ظاہر و باطن پر مسلط ہو جاتی ہے حبِ ایمانی سے ملقب کرتے ہیں اور چونکہ اس حب کا تخم مومن کے عقل کی خاک پاک میں جو اتباع ہوا اور اختراعِ بدعت سے خالی ہے بویا ہوا ہوتا ہے اس لئے ہم اس کا نام حبِ عقلی رکھتے ہیں اور اس وجہ سے کہ شارع نے اس حب کی طرف دعوت کی ہے اور اپنے بندوں کی مدح کے مقام میں اسی کو ذکر کیا ہے اور دین کے تمام ارکان اور آداب کو اسی حب کے حاصل کرنے کے لیے مقرر فرمایا ہے اس لئے ہم اسے حبِ ایمانی سے بھی نامزد کرتے ہیں۔

**دوسری ہدایت۔** محبتِ ایمانی کے موجدات کے بیان میں —— اور وہ دو تمہید اور تین افادہ پر مشتمل ہے۔

**پہلی تمہید۔** مخفی نہ رہے کہ حبِ ایمانی کے حصول کے اسباب اصل اور اس سعادتِ جاودانی کی موجدات کی بیخ و بنیاد حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا اختیار اور اس جوادِ مطلق تعالیٰ شانہٗ کا اصطناع [مہربانی کرنا ۱۲] اور اصطفاء [چن لینا ۱۲] جو کہ ازل الآزال میں اس ذرہ ناچیز کا نصیب ہو کر اسے زمرہ مقبولان سے شمار کر لیا ہے۔ پس وہی اجتبائے [برگزیدہ کرنا ۱۲] ازلی اس ذرہ ناچیز کو حضیضِ خاک سے اٹھا کر ذروۂ سماک تک کشاں کشاں لے جاتا ہے اور ہر مقام میں ایک لطفِ جدید اور تربیتِ مناسب اس سے ظہور میں آتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ اجتبائے فطری مستور الاثر اور مفقود النتیجہ ہوتا ہے اور بعض امور مناسبہ کی ملاقات سے خفا کا پردہ اس کے چہرہ سے دور ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کے آثار ظہور پذیر ہوتے جاتے ہیں۔ بنا بریں ان امور کا موجد موجدات اور آثار کے شمار کر سکتے ہیں اگرچہ موجد حقیقی اور سبب اصلی وہی نور ازلی ہے کہ جو ابتدائے آفرینش سے اس کی طبیعت کی تہ میں ودیعت رکھا گیا تھا کیونکہ ان امورِ موجدہ کے اضعاف مضاعف [دو چند و سہ چند ۱۲] سے ان آثار کے عشر عشیر [ﻪ] کا حاصل ہونا مستبعد معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ

ﻪ دسویں حصہ کا دسواں حصہ یعنی سوواں حصہ۔

اس قسم کے الطاف اس قسم کے وظائف پر مترتب ہوں۔

**دوسری تمہید۔** جاننا چاہیے کہ اگرچہ اس سرمایہ سوالات کے موئدات کو تقریر اور تحریر میں مقید کرنا نہایت مشکل بلکہ ناممکن امر ہے لیکن مقولہ مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ[1] کے بموجب ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تاکہ صاحبانِ عقل و دانش غیر مذکور پر قیاس کر کے حقیقت کا سراغ لگالیں۔

**پہلا افادہ۔** حبِ ایمانی کے عمدہ موئدات سے ایک امر یہ ہے کہ شریعت کے اتباع پر دلی ارادہ کو پختہ اور مضبوط کریں اور موافقت سنت پر بکمال رغبت کریں۔ اور بدعت سے نہایت درجہ نفرت کریں اور اللہ تعالیٰ کی محکم رسی کی قوت اور زور سے پنجہ مارنا یعنی کتاب مبین اور سنتِ رسول امین کا ظاہر و باطن سے پورا اقتدار کرنا اور حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کمر ہمت کو چست باندھنا اور اس جل جلالہٗ کا اعتقاد اور تعظیم اور اس کے شعائر کا ادب خصوصاً شرع کا ادب جو کہ اعظم شعائر ہے۔ خوبی سے درست کرنا یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے عباداتِ شرعیہ کا کثرت سے بجالانا ہے سوا اس کو بہم پہنچانا جسے عوام الناس تقویٰ کے نام سے ملقب کرتے ہیں بلکہ مقصود اس سے عقائد شرعیہ پر قلب کا اطمینان ہوجانا اور اوامر دینیہ کی نسبت نہ دل سے محبت اور رغبت اور تعظیم کا جوش مارنا اور خالقِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضا جوئی میں خلق کی موافقت اور مخالفت کی کچھ پروا نہ کرنا اور مانع اور علائق (رکاوٹ ۱۲) کے اٹھانے میں ارادہ کا محکم کرنا۔ چنانچہ اپنے منعم کی رضا جوئی میں اپنی جان و مال کو برباد کرنا اور اس کے اوامر کی بجا آوری میں اپنے سر و سامان کو ہار دینا اپنی ہمت عالیہ کے سامنے ایک جو کے برابر بھی شمار نہ کرے۔ جس عائق و مانع کو اپنی ہمت کی ترازو میں اس کی رضا جوئی سے موازنہ کرے ذرہ کے برابر بھی اس کا وزن نہ سمجھے بلکہ اس کی بصیرت کی آنکھ میں ان دونوں کا موازنہ ایسا دکھائی دے جیسے تنکے کو پہاڑ سے تولنا اور اپنے دل میں اس مانع کے اٹھانے

---

[1] یعنی جو چیز ساری کی ساری حاصل نہ ہوسکے اس کو بالکل ہی نہ چھوڑ دینا چاہیے بلکہ کچھ نہ کچھ حاصل کرنا چاہیے جتنا ہوسکے اتنا ہی ۱۲ منہ

اور اس عائق کے ہٹانے پر دلیری پائے اور باعتبار ہمت (مردانہ) اپنے آپ کو اس پر غالب اور زبردست سمجھے اگرچہ وہ عائق نہایت سخت اور دشوار گذار ہو۔ پہلوان آہنیں تن کی طرح کہ نقیبوں کی سرود سرائی کی آوازیں اور ہمسر جوانوں کے میدان میں بگلنے کے نعرے اس کو مست کر کے لڑائی کے میدان میں کھینچ لائیں پس وہ خیر مست بہادری کے اور بردلی کے نشہ کے سبب سے کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں جانتا بلکہ اپنے دل میں یقیناً جانتا ہے کہ جس کی طرف ہمت کا منہ اٹھاؤں گا اور جدھر عزیمت کا رُخ کروں گا فوراً بے حقیقت چیونٹی کی طرح پامال کر ڈالوں گا اگرچہ رستم زماں و افراسیاب وقت ہو اور یہ ایک وجدانی امر ہے کہ تقریر و تحریر کا دائرہ اس کے بیان و تصویر سے تنگی کرتا ہے۔ بجز وجدان صحیح اور قلب سلیم کے کسی کو اس کارخانہ میں دخل نہیں۔ ع لذت مے نشناسی بخدا تانہ چشی

**دوسرا افادہ**۔ منجملہ موثرات محبت ایمانی کے جانب حق جل و علا کو جانب نفس پر ترجیح دیتا ہے۔ ایسی طرح کہ نفس میں اس سے ایک قسم کا انکسار اور شکستگی پیدا ہو جائے اور صفت بہیمیت کی بنیاد میں اس سے انقلاع ظاہر ہو جائے اور جو امور اس انکسار کے باعث اور اس انقلاع کے موجب ہوتے ہیں ان میں بحسب اختلاف اشخاص اور اوقات میں بڑا تفاوت اور فرق ہے۔ مثلاً جو شخص کھانے پینے کا فریفتہ ہے اور مکھی کی طرح نان و حلوہ پر گر پڑتا ہے اور اس کی بہیمیت کے دور کرنے میں ان امور کی خواہش کو ترک کرنا اور غیر کو اپنے اوپر محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ایثار کرنا "حسب جگہ نہ ایسی چیزوں کی حصول کی طمع ہو نہ حق شناسی اور خدمت گذاری کی امید ہو اور نہ رہو ایثار سے مشہور نیک نام ہونے کی توقع ہو" علیٰ ہذا القیاس۔ اس شخص کی تطہیر قلب میں جس کی فطرت میں عورتوں کی عشق بازی اور شہوت رانی رکھی ہوئی ہے اگر اس کو حسن و اتفاق و یاوری بخت و اقبال سے معشوقہ ذات جمال اور محبوبہ صاحب حسن و جمال رقیبوں سے بچا کر آملے تو اس خوشی کے وقت میں خدائے تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے کیلئے

ـه اکھڑ جانا، اُگر جانا ۱۲ عـه صاحب جمال ۱۲

کے لئے اور اس کے عذاب سے ڈر کر زنا سے پرہیز کرنا باوجودیکہ رغبت مصاحبت طرفین کے دامن گیر حال ہے اور شوق وشہوت جوشش زن ہے اور کسی مانع طبعی اور عرفی کا نام ونشان نہیں حالانکہ اس معشوقہ کا وصال حاصل کرنے میں اس نے بڑی بڑی مشقتیں اٹھائی تھیں بہت سے اموال خرچ کئے تھے" دخل عظیم رکھتا ہے۔ اسی طرح بخیل مال پرست ومنان طالب عزت ونام کے لئے محض لوجہ اللہ بے حساب مال خرچ کرنا" اس حیثیت سے نام ونشان کی طلب اور مبتذل خلیہ کی مداحی اور حق شناسی کی امید نہ ہو یا اس کے کسی پہلو احسان کا عوض یا مکافات یا آئندہ اس سے کسی منفعت کے حاصل ہونے کی امید نہ ہو یا سخاوت وجود سے مشہور ہونے کی توقع نہ ہو" ایسا کام کرتا ہے کہ اس کے غیر میں نہیں کرتا اسی طرح مفلس فقیروں اور ذلیل مسکینوں کے ساتھ تواضع کرنا باعزت اغنیا کے حق میں جو اپنے اقران و امثال میں عزت وجاہ سے ممتاز ہوں اور نام ونشان سے زمانہ بھر میں مشہور ہوں۔ اسی طرح ہلاکت کی جگہوں میں پیش قدمی کرنا "جہاں جان ومال کا تلف ہونا اور عیال واطفال کی بربادی نظر آتی ہو" اہل جبن وبزدل لوگوں کے حق میں جنھوں نے میدانِ کارزار اور معرکہ نبرد کا چہرہ آنکھ سے دیکھا اور زمانے کے گرم وسرد کو مطلق نہیں چکھا۔ اور اسی طرح بحث ومناظرہ میں سکوت کرنا اور بیچ بات میں جھگڑا چھوڑ دینا اور اپنی نافہمی اور غلط فہمی کا اقرار کرلینا ان علماء کے حق میں جو ذکاوت وتبحر میں مشہور ہیں اور قوتِ مناظرہ اور خصم (جانب مخالف) کے ساکت کرنے میں نامور ہیں اور توجیہ اور تاویل کے فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور حل اور منع میں کعب علیا رکھتے ہیں اور اسی طرح ابنائے جنس اقران پر حسد نہ کرنا اور نام ونشان کی مطلق پرواہ نہ کرنا اور اہلِ زمان میں امتیاز کا طلب نہ کرنا اور خوارق وکرامات وکشف وقائع

---

[1] یعنی پوری طاقت [2] بڑی دسترس [3] یعنی کنجوس اس اراقہ سے مال خرچ کرنا ایسی تاثیر رکھتا ہے ۱۲

[1] یعنی پوری طاقت ۱۲ [2] یعنی بڑی دسترس ۱۲ [3] مشغول کرنے میں اور صدر سے اعراض کرنے میں ۱۲

آئندہ اور دعاؤں کی قبولیت کے اظہار میں کوشش کرنا ان مشائخ کے حق میں جو قوت تاثیر سے موصوف ہیں اور کشف و وقائع میں مشہور رہیں، پس تو اختلاف اشخاص کے متعلق جو تفاوت تھا اس کا بیان ہوا لیکن بسبب اختلاف اوقات کے جو فرق ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ دیکھو یہ پانی کا پیالہ ہے جیسے سیرابی کے وقت میں خصوصاً آباد شہروں میں اور جاری نہروں کے کنارے پر کوئی کوڑی کے بدلے بھی نہیں خریدتا پھر ناگاہ ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ ایک لق و دق، بے آب و گیاہ میدان میں گرفتار ہو جاتا ہے اور شدت پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہو جاتا ہے پس ہزار جد و جہد سے آب زلال کا ایک پیالہ کہیں سے پیدا کر کے اپنی تمام ہمت سے اسکی طرف متوجہ ہو کر اور اپنی زندگی کو اسی میں منحصر سمجھ کر اس پیالۂ آب کو ہاتھ میں لے کر چاہتا ہے کہ خشکی لب اور سوزشِ سینہ کو اس آبِ زلال سے دور کرے اور اپنی جان کو ہلاکت سے نجات بخشے اس اثنا میں ایک اور شخص جو اسی حال میں گرفتار تھا اس کو اپنے اوپر ایثار کیا اور گویا کہ اپنی جان کا عرق نکال کر اپنے جگر سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اس شخص کو دیدیا اور اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے کہ ہر طالب علم جو مدرسہ میں بیٹھتا ہے اور ہر فقیر جو کسی خانقاہ میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہوتا ہے بلکہ ہر مسلمان جو کسی مسجد میں آمد و رفت رکھتا ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق بجا لاتا ہے پس ناگاہ ایک ایسا وقت آپہنچتا ہے کہ اس میں اظہار کلمۂ حق جانبازی کا موجب اور آبرو ریزی کا سبب ہوتا ہے لیکن اس میں کسی سنت کا زندہ کرنا یا کسی بدعت کا معدوم کرنا آتا ہے ایسے وقت میں کلمۂ حق کہنا بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے) القصہ ان کلمات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہی سہل سہل اور آسان آسان کام ہیں کہ بحکم عادت اکثر یہ کوئی عالی ہمت شخص ان کی پرواہ نہیں کرتا اور ان کاموں کے لئے چنداں پرواہ نہیں کرتا اور یہ کام اپنے کامل کے نفس میں کچھ اثر نہیں بخشتے پھر ایک ایسا وقت آپہنچتا ہے کہ یہی امور افضل عبادات اور مشکل ترین ریاضات ہو جاتے ہیں اور ذاکر کے نفس میں ایسی تاثیر پہنچاتے ہیں کہ ان سے ہزار چند امور سے اتنی تاثیر کے حاصل ہونے کی امید نہیں ہوتی۔ **تیسرا افادہ:-** وہ محبتِ ایمانی کے موجدات کے منجملہ بڑے مواقع عظیمہ میں کسی فعل کا واقع ہونا ہے۔ چنانچہ شریعت کی تائید اور سنت کے زندہ کرنے اور بدعت کے نابود کرنے

---

؎ پوری طاقت ۱۲ ؎ یعنی بڑی دسترس ۱۲

میں کوشش کرنا یا طریق حقہ میں سے کسی طریقت کا رواج دینا یا مقبولانِ بارگاہ حق تعالےٰ
میں سے کسی مقبول کی امداد کرنا یا اہلِ بلا یا مصائب میں سے کسی مظلوم ستم رسیدہ کی فریاد رسی کرنا یا
یا اہلِ حوائج دغریب رسیدگان میں سے کسی عاجز کی اعانت کرنا یا کسی اہلِ قلق و اضطراب کی تسلی کی
کوشش کرنا یا کسی پیچ و تاب کے گرفتار سے حالتِ عسرت ناداری کا دور کرنا اور اسی طرح
ایسی سعی و کوشش جس سے نفعِ عام ظاہر ہو یا اس کی وجہ سے اصلاحِ فیما بین الناس حاصل ہو،
اگرچہ یہ سعی نفس پر چنداں شاق نہ گذری ہو اور چنداں صرفِ اموالِ کثیرہ یا اوقاتِ عزیزہ کا
موجب یا بذلِ[1] مرغوبات[2] اور ترکِ مالوفات[3] کا باعث نہ ہوئی ہو۔ فائدہ :۔ عاقل ماہرِ فن
حدیث پر پوشیدہ نہ رہے کہ احادیثِ رسول امین اور آثارِ سلف صالحین میں جو سہل سہل
اور تھوڑے تھوڑے اعمال پر بڑے بڑے ثمراتِ کثیرہ کا مترتب ہونا ذکر ہوتا ہے۔ اجمالاً
اس کی وجہ یہ سمجھنی چاہیئے یعنی یہ اعمال یا دوسری قسم سے ہوں گے یا تیسری قسم سے اور اگر صحیح
شرائط صادر ہوں تو اپنے فاعل کے نفس میں حُبِ ایمانی کے پیدا ہونے کو واجب کرتے
ہیں اور حبِ ایمانی بحسبِ مراتب خود بخود کمالات و نقصانات بالذات موجبِ نجات اور
سببِ رفعِ درجات ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسری ہدایت :۔ حُبِ ایمانی کے آثار کے بیان میں : یہ ہدایت دو افادوں پر مشتمل ہے
پہلا افادہ :۔ حبِ ایمانی کے عمدہ آثار میں سے تمام ہمت و عزیمت حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ
کی رضا جوئی اور اس کے اوامر کی تعمیل میں فنا ہو جانا اور اس کی رضا جوئی تک پہنچانے والے
مقبولہ طریقت کی اشاعت میں کوشش کرنا اور لوگوں کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی
طرف دعوت کرنے میں جد و جہد کرنا اور ترکِ بدعت و فساد کی طرف اُن کو ہدایت کرنا نہ
مکالمہ و مشاہدہ اور حصولِ مقاماتِ فنا و بقا اور حقائقِ اشیاء کے مکشوف ہونے کی طلب
تمنا کرنا ہے اور ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ مراد اس کلام سے ان کا معدوم ہونا ہے ان مقامات سے
یعنی یہ کہ صاحبانِ حبِ ایمانی ان درجات پر ترقی نہیں پا سکتے حاشا و کلا ایسا ہرگز نہیں، بلکہ
سب لوگوں میں سے یہ بزرگ زیادہ تر سعادتِ مشاہدہ و مکالمہ سے کامیاب ہونے والے

[1] بذل کے معنی خرچ کرنا۔ [2] مرغوبات۔ پسندیدہ چیزیں ۱۲۔ [3] مالوفات۔ دلپسند چیزیں ۱۲

ہیں اور میدانہائے فنا کے شہسوار ہیں زیادہ تر چالاک اور معارف و انکشافِ حقائق اشیاء کے سمندروں میں سب سے بہتر تیراک ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کا مقصودِ اصلی اور مراد دلی بجز رضائے مولیٰ و اطاعت مصطفےٰ اور کوئی چیز نہیں ہوتی اگرچہ وہ مقامات رفیعہ اور درجات عالیہ کسی طریقہ کسبی یا محض عنایات و جذبات وہبی سے ان کے نصیب ہو جاتے ہیں۔ بیت

فراق و وصل رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

الغرض صاحب اس حب کو سوائے طلب رضائے مولیٰ اور بجز اس کی فرمانبرداری کے اور کوئی کام نہیں اور ایسے جبر اور قید سے جو کہ اس کی فرمانبرداری میں خلل انداز اور اس کے غصہ اور غضب کا موجب نہ ہو۔ اسے کچھ عار نہیں اور وہ حالاتِ نفسانیہ اور ملکاتِ قلبیہ جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ترقی اور زیادتی میں کام نہ آئیں اس کے کسی کام کے نہیں اور اسی استغراقِ محبت اور فنائے عبودیت کے نتائج سے ہے کل ماسوی اللہ سے تمام علائق حبیہ اور بغضیہ کا " جن کا منشا رضا جوئی خدا اور رضائے خدا نہ ہو" منقطع ہو جانا اور خوف خدا اور ان تمام امور کی اصل ایک حالت ہے حالات قلبیہ میں سے کہ اس کا نام وثوق اعتماد علیٰ تربیۃ اللہ ہے جیسے ایک غلام فرمانبردار کو اپنے مولائے مشفق کی تربیت پر اعتماد ہو جاتا ہے کہ وہ غلام اسی اعتماد کی وجہ سے اپنے حوائج کے حاصل کرنے میں بلکہ ہر حال میں فارغ البال رہتا ہے اور غم اور فکر کی فوجیں اس کے دل پر ہجوم نہیں کر سکتیں اور اپنے مولا کے سوائے اور کسی کا خوف اور کسی دوسرے کی امید اس کے دل میں راہ نہیں پا سکتے اور اپنے مولیٰ کے مال و ملک میں اس کی اجازت سے بے کھٹکے تصرف کرتا ہے اور اس کے نافرمان غلاموں اور سرکش چاکروں اور بڑی دلیری سے حملہ کرتا ہے اور یہی اعتماد وثوق توکل کی روح ہے اور باقی امور اس کے قالب میں یہ مت سمجھنا کہ توکل کا مقتضا اسباب و عادیہ کا مطلق ترک کر دینا ہے نہ بلکہ اسباب پر اعتماد کا چھوڑ دینا۔

بیت:

گفت پیغمبر بآواز بلند
بر توکل زانوئے اشتر ببند

دوسرا افادہ:- منجملہ آثارِ محبت ایمانی کے بلاؤں اور مصیبتوں پر دلیر ہو جانا ہے اور یہ معنی از قسم صبر کے نہیں بلکہ اس سے اعلیٰ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنے منعم کی رضا جوئی کے لیے مشقتیں اٹھاتا ہے اور ان مشقتوں کی تلخی اس کے دل اور جان کو پہنچتی ہے لیکن چونکہ

اپنے منعم کی رضا اور خوشنودی اُن مشقتوں کے برداشت کرنے میں سمجھتا ہے اس لئے وہ تمام سختی اور تلخی اپنے اوپر روا رکھتا ہے اور اس محنت کشی اور تحمل مشقت کو جو اُس نے محض اپنے مولیٰ کی رضا جوئی کے لئے اختیار کی ہے صبر کی جنس سے شمار کرنا چاہیئے اور ایک دوسرا شخص ہے کہ منعم نے اُس کو اپنی رنگارنگ نعمتوں میں محفوظ رکھا ہے اور طرح طرح کی عنایتوں سے کامیاب کر رکھا ہے۔ مثلاً ایک بڑا عالیشان محل اس کے لئے بنایا گیا ہے اور اس کے لئے محفل شادی ترتیب دے رکھی ہے اور اہل عشرت و نشاط اور خوشی اور دل لگی کے لوگ اس کے لئے حاضر کر رکھے ہیں اور مسند شاہانہ اور حلّہ عروسانہ اُس کے لئے تیار کر رکھا ہے پس وہ بندہ فرمانبردار انقیاد و شعار کمال عزت و افتخار سے اس محفل میں رونق افروز ہے تو ایسی خوشی اور شادمانی اور فرحت اور کامرانی میں اگر مچھر یا پسّو اُسے کاٹے تو فرمانبردار غلام جو سر سے پاؤں تک انعامات و کرامات سے پر ہو رہا ہے خوشی کے موجود اور فرحت کی نہروں اس دکھ کو ذرہ برابر بھی نہ سمجھے گا۔ اور ہرگز اس درد کا کچھ رنج اُس کے دل پر نہ گذریگا اور کسی وقت پریشانی کی کوئی حرکت اُس سے صادر ہو تو پھر اپنے دل میں شرمندگی اور خجالت کھینچے گا اور اس ناشائستہ فعل کے صدور کی وجہ سے اپنے آپ کو طفل طبعوں اور سبک مزاجوں کے گروہ سے شمار کریگا اسی طرح حب ایمانی والا بہ سبب ملاحظہ کثرت نعم خداوندی اور طرح طرح کی تربیت ربانی کے کسی مصیبت کو اصلاً حساب کیونکہ نہ ہو ایک جو کے برابر بھی نہیں شمار کرتا اور اس مصیبت کی کدورت اُس کی خوشی اور سرور میں کسی طرح کا خلل اور فتور نہیں ڈال سکتے پس ان بلاؤں کی پروا نہ کرنے اور شدائد و مشکلات میں خیال بھی نہ لانے اور مصیبتوں کا اثر اس مومن کے دل تک نہ پہنچنے اور منعم کی نعمتوں کے ساتھ اُس کے کمال سرور و ابتہاج کو "رضا و تسلیم" جاننا چاہیئے اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ صاحب حب ایمانی کا کام شکر در شکر ہے اور کبھی اُس کا کام صبر کے درجہ تک نہیں اترتا اور شکر کی وجہ سے رنج بھی سرور بن رہا ہے کہ بے شمار نعمتوں اور بے حد بخششوں کے ملاحظہ کرنے کے سبب سے ظاہر ہوتا ہے اور باقی تمام افعال و اقوال تعظیمیہ اُمور کے آثار ہیں اور شجاعت بر بلایا کی فروعات سے ہے ہمیشہ خوش اور بے غم رہنا کیونکہ شجاعت اصل میں فرحت اور سرور ہے چونکہ منعم حقیقی کی نعمتوں کے ملاحظہ کے سبب سے حاصل ہوتا ہے اور یاد رکھو کہ نعمتیں منعم کا انعام ہے جس کے مقابلہ میں مشقت غبار اور ذرہ بے مقدار ہے۔ وہ ذات والا

صفات مستغنی اور بے پرواہ ہے اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اس ذات کثیر البرکات کا استغنام
یزل ولایزال ہے اور اسی کی نعمتوں کا ہر حال میں فیضان ہو رہا ہے اور اس شجاعت کے فروغ سے
ہے۔ قضاء الٰہی پر راضی رہنا اس لئے کہ وہ مومن حقیقی اور محب تحقیقی جب اپنے آپ کو باوجود
عدم استحقاق کے طرح طرح کی نعمتوں اور رنگا رنگ کی شفقتوں میں مستغرق اور اپنے آپ کو ان سے
مالا مال دیکھتا ہے تو البتہ اس کی عقل خالص جو کہ نور ایمان سے روشن ہے ہر بلا اور مصیبت کو جو اسے
پیش آتی ہے تربیت اور تادیب کے قبیل سے شمار کرتی ہے اور جس سے قطع نظر کر کے جب
اس بات کا خیال کرتا ہے کہ اس کی ذات کسی طرح سے ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کا استحقاق نہیں
رکھتی تو نعمت کے زیادہ نہ ہونے کی شکایت یا بعض نعمتوں میں فتور واقع ہونے کا گلہ اس سے صادر
نہیں ہوتا بلکہ حکایت شکایت اور حرف گلہ کے لئے اپنے ذہن میں کوئی موقع نہیں پاتا۔ بیت

بدرد وصاف ترا حکم نیست دم درکش  کہ ہرچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

اسی لئے صاحب محبت ایمانیہ کو اشعار شوقیہ اور مضامین عشقیہ سے جن کا اکثر دارومدار کلمات
گلہ اور شکایت پر ہوتا ہے کچھ ذوق ولذت نہیں حاصل ہوتی بلکہ اس قسم کے اشعار سننے سے
الٹے ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے۔ تیسرا افادہ: منجملہ آثار محبت ایمانی کے کھانے پینے اور پہننے
وغیرہ حظوظ نفسانیہ مباحہ میں ریاضت شاقہ کی چنداں پروا نہ کرنا ہے یعنی ان دشوار کاموں کو
صاحب محبت ایمانی اپنے کمالات سے نہیں سمجھتا ہے اور قصداً ان مشکلات کا تحمل نہیں کرتا۔ ہاں
اگر کوئی غرض از اغراض صحیحہ سے جو کہ اس کمال کے لوازم اور اس کے حال کے آثار سے ہے مرتب
ہووے تو البتہ ان دشوار کاموں کو سہل بلکہ لذیذ جان کر کمال جرأت دل اور وسعت صدر سے
تحمل کریگا جیسے جہاد اور اسا جیسے اور عبادات دین متین اور حقانیت شرع مبین میں مشقتوں اور
تکلیفوں کو برداشت کرنا اور جیسے اسم غریب ترک میں جس کی رغبت دل کی تہہ میں جا پہونچی
ہے اور اس کا علاقہ سویدائے قلب جانشین ہوگیا ہے مشقت کا اٹھانا اور جیسے بھوک پیاس
برہنگی کی مشقت کو برداشت کرنا بسبب ایثار اہل حوائج کے اپنے نفس پر اور ان جیسے اور بھی
بہتیرے امور ہیں جو محنت کشی کے موجب ہو سکتے ہیں غرضکہ صاحب محبت ایمانی ایسے ریاضات
کو بلا موجب قصداً نہیں اختیار کرتا بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حظوظ نفسانیہ اور ملذذات

جسمانیہ اس کو بڑی ترقی بخشتے ہیں چنانچہ اس آیت سراپا ہدایت میں اس امر کا اشعار ہے
یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ۔ یعنی اے ایمان والو ستھری چیزیں کھاؤ
جو ہم نے تمہیں عنایت کیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس طرح بعضے مہربان مولیٰ اپنے برگزیدہ
غلاموں کو اپنے مال و متاع میں تصرف کرنے کی مطلق اجازت دیدیتے ہیں پس اگر وہ برگزیدہ بندہ محض یگانگی کے
اظہار کے لیے بلکہ اپنی نہایت محتاجی (اور اس امر) کے ظاہر کرنے کے لیے اس کا کوئی دوسرا کارساز
نہیں جو اس کے حوائج کا ذمہ دار ہو یا کوئی دوسرا ممول نہیں جو اسے حظوظ نفسانیہ سے کامیاب کرے
بعض متاع عمدہ بے ضرورت سے زیادہ تصرف کر گذرے تو البتہ یگانگی اور اتحاد کا رابطہ زیادہ تر مستحکم ہوگا
اور اگر اس سے پرہیز و اجتناب کرے تو البتہ دوئی اور بیگانگی کا پردہ اپنے مولیٰ کے درمیان ڈالا ہوگا بلکہ اگر
تم مالکوں اور مخلص غلاموں کے معاملات میں اچھی طرح سے غور اور تامل کرو تو معلوم ہو جائیگا کہ بعض اوقات
میں ایسے غلاموں کا نفسانی لذتوں اور جسمانی مزوں کا درخواست کرنا بلکہ فرمائش سے مانگنا علاقہ عبودیت
کی آب و تاب کو اس قدر زیادہ کر دیتا ہے کہ اس سے ہزار چند خدمتوں سے ایسے علاقوں کا حاصل ہونا متصور
نہیں بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ بندہ برگزیدہ جانتا ہے کہ اس کے مالک نے سب عیش و عشرت
کا سامان اسی بندہ کے واسطے مہیا کر رکھا ہے لیکن صرف واسطے ظاہر کرنے اپنے احسان کے یا واسطے ظاہر
کرنے محتاجی غلام کے یا واسطے کشادگی طبع کے ان کے استعمال کی اجازت کو اس غلام کی درخواست پر موقوف
کر رکھا ہے پس ایسے احوال میں درخواست اور طلب ان لذائذ اور حظوظ جسمانی کی ایسا لطف رکھتی ہے جو
خارج از حد بیان ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب حظوظ نفسانیہ اور لذائذ جسمانیہ کا حاصل کرنا معاملات حب ایمانیہ
میں جو کہ مقصود و مطلب احکام شرعیہ سے یہی ہے اکثر اوقات موجب خلل نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات
میں نفع عظیم بخشتا ہے کہ وہ دروازہ شکر کا جب محبت ایمانی کے اعظم آثار سے ہے اہل ایمان کے
منہ پر کھول دیتا ہے اسی لیے کلام ربانی اور آیات قرآنی ان لذائذ کی اباحت پر ناطق ہیں اور ان لذتوں کے
حاصل کرنے والوں پر اعتراض کرنے سے ساکت ہیں چنانچہ فرمایا یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا
مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ۔ یعنی اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تمہیں بخشیں۔ اور فرمایا
یَا اَیُّہَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ یعنی اے پیغمبرو کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے
اور اعمال صالحہ بجالاؤ۔ اور فرمایا۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰہِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ

الرِّزْقِ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا خَالِصَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔ یعنی کہو کہ کس نے حرام کی
اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی اور ستھرے رزق سے تو کہ وہ ان لوگوں کیلئے
ہیں جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بلا شتراک، خاص انھیں کے لیے ہیں قیامت کے دن۔

چوتھا افادہ منجملہ آثار حب ایمانی کے مناجات کی حلاوت اور طاعات و عبادات کی لذت پانا ہے اور اس امر کی حقیقت شروع کلام میں مذکور ہو چکی کیونکہ حب ایمانی ایسی الفت و محبت کا نام ہے جو نہایت درجہ کی تعظیم سے ملی ہوئی ہے اور یہ امر بحکم ضرورت اقوال و افعال تعظیمیہ کے صدور کا موجب ہوتا ہے بلکہ مدح لسانی اور تعظیم جسمانی کا تا بحد سے متقاضی ہوتا ہے کہ بدون صدور ان امور کے اس حب کے صاحب کے دل کو چین نہیں پڑتا جیسے صاحب غضب کے افعال غضبیہ کا صادر ہونا اور صاحب سرور سے افعال فرحیہ کا صادر ہونا بہ ضرورت ہوتا ہے چنانچہ ابتداء میں اس کا بیان مفصل ہو چکا ہے الغرض صاحب اس حال کے حق میں باطن شرع "جس سے مراد تعلق باللہ ہے" ظاہر شرع کے ساتھ "جس سے مراد افعال جوارح ہیں" ہمیشہ محفوظ رہتا ہے اور اس کے احوال باطنیہ ان افعال ظاہریہ سے ملے جلے رہتے ہیں پس احوال ان افعال کے صدور کا تقاضا کرتے ہیں اور افعال و احوال کی قوت و کمال کو ترقی بخشتے ہیں اور اسی عبادت میں لذت اور طاعت میں خیریت پانے کے سبب سے خشک ملائی سے دور اور الحاد و بیدینی سے پاک ہوتا ہے اور اسی وجہ سے امر تقویٰ و عبادات میں افراط و تفریط سے محفوظ رہتا ہے۔

پانچواں افادہ:۔ منجملہ آثار حب ایمانی کے فوائد متعدیہ کو اپنے نفس کی تکمیل پر ترجیح دینا ہے خواہ اصلاح فیما بین الناس اور انتظام سیاست منزلی اور سیاست مدنی کو اور خلق اللہ کی خدمت میں مشقتوں کے برداشت کرنے اور ان کی تربیت میں تکلیف سہنے کو اور ان جیسے اور لوگوں کے اختلاط والے امور کو عزلت اور تنہائی اور لوگوں سے بھاگ کر جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے اور اپنے اوقات کو اذکار و مراقبات سے معمور رکھنے پر ترجیح دیتا ہے اس لئے کہ پچھلے امور اگرچہ حصول مشاہدہ اور مکالمہ میں تاثیر قوی رکھتے ہیں لیکن قسم اول کو رضائے خداوندی کے کھینچ لانے میں دوسری قسم کے امور سے زیادہ تر دخل ہے اور اس شوق کے صاحب کسی کمال کو اسباب جلب رضائے حضرت حق جل و علا کے ہم وزن اور مساوی نہیں سمجھ سکتا۔

چھٹا افادہ۔ حب ایمانی کے عمدہ ترین آثار اور اس کے افضل ترین لوازم سے تقویٰ کی حقیقت ہے جس کی تعبیر عرف شرع میں صلاح کے ساتھ کی گئی ہے جب جگہ فرمایا وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ

فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ
یعنی جو فرمانبرداری کرے اللہ اور رسول کی پس وہ لوگ ہمراہ ہیں ان لوگوں کے جن پر انعام کیا اللہ نے پیغمبروں میں سے اور صدیقوں میں سے اور نیکوکاروں میں سے۔ اور حدیث شریف میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا التقوی ههنا وہ اسی طرح حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور تفصیل اسکی اس طرح ہے کہ ضرر کرنے والے امور کی نقصان رسانی کا اذعان کمال اور نقصان میں تفاوت رکھتا ہے اور جو شخص نفس اذعان میں عدم تفاوت کا قائل ہے اس کا قول وجدان و برہان کے خلاف ہے اور اس کا کلام نا قبول ہے چنانچہ اس کی تفصیل اپنے مقام میں کی گئی ہے۔ الغرض جو شخص امور ضارہ کی مضرت کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن ان کا نفس ان امور کے ترک پر اس کی اطاعت نہیں کر سکتا اس شخص کو اذعان کا ایسا مرتبہ حاصل ہے جو ضعیف ترین مراتب ہے اور اس کو محض اذعان عقلی سے نامزد کرتے ہیں اور ایک دوسرا شخص ہے جسکو امور ضارہ کی مضرت کا اذعان اس حد تک پہنچا ہے کہ اس کے سبب سے اپنے نفس کو ان امور کے ارتکاب سے روک سکتا ہے اگرچہ ان امور ضارہ کو پہنچنے کی خواہش اور ان کے ارتکاب کا میل اس کی طبیعت میں پوشیدہ ہے لیکن ان کی مضرت کا اعتقاد اس خواہش اور رغبت کا مقابلہ کر کے اسے نہیں چھوڑتی کہ اپنے اعضاء اور جوارح کو پوشیدہ ناپاکی کے آثار سے آلودہ کرے پس اس شخص کو اذعان کا ایسا مرتبہ حاصل ہے جو پہلے شخص کے مرتبہ سے قوی تر ہے اور اس مرتبہ کا نام اذعان اخلاقی رکھنا چاہیے اور ایک شخص اور ہے جسے ان امور ضارہ کی مضرت کا اعتقاد اس حد تک قوی ہو گیا ہے کہ جب وہ امور ضارہ اس کے روبرو حاضر ہوتے ہیں اور اسکے دل میں یہ وہم پڑتا ہے کہ ان امور کا اثر اس کے نفس پر پہنچیگا اسکو کوئی ایسی تقریب پیش آئے جو اسے ان امور کے ارتکاب کا باعث ہو تو ایسے وقت اس شخص کے باطن میں ایسا خوف اور کاوش پیدا ہوتی ہے جو امور طبیعیہ کے انتظام کو درہم برہم کر دیتی ہے مثلاً اس کا رنگ اڑ جاتا ہے اور اسکی آنکھیں بے رونق ہو جاتی ہیں اور اس کے اعصاب میں ارتعاد اور اسکے اعضاء میں تشنج ظاہر ہو پڑتا ہے اور اس مرتبہ کا نام اذعان طبعی رکھنا چاہیے پس انھیں مراتب ثلثہ اذعانیہ کو ترک گناہوں اور واجبات کو چھوڑنے اور ان جیسے اور امور ممنوعہ شرعیہ کی نسبت پر قیاس کرنا چاہیے جیسے کفار کے ساتھ نرمی اور لباس میں تشبہ کرنا اور ان کی عیدوں اور میلوں پر خوشی منانا اور اہل بدعات و اہوا کے ساتھ میل جول کرنا اور ان کی بدعتوں کے رواج دینے میں شامل ہونا پس اذعان کا پہلا مرتبہ علم الیقین ہے

کہ بدون اس اذعان کے دوزخ کے درکات سے نجات محال ہے اور دوسرے مرتبہ کو ظاہری تقویٰ کا روح شمار کرنا چاہیے کیونکہ ظاہری تقویٰ اور امور ممنوعہ شرعیہ سے بچنے اور نفس بہیمی کے ساتھ لڑائی کرنے کا نام ہے اور اس کی روح مراتب اذعان سے یہی مرتبہ ہے جس کے سبب نفس و شیطان سے مقابلہ کر سکیں اور تیسرے مرتبہ کو تقویٰ حقیقی کی روح شمار کرنا چاہیے کیونکہ حقیقی تقویٰ ممنوعات شرعیہ کی نسبت طبعی کراہت ہونے کا نام ہے اور اس کی روح یہی اذعان ہے جو ایمان کی حلاوت ہے اور مراتب احسان بے حد و د ہے یہ صاحب اس مقام کے آثار کا ایک نمونہ ہے اور ہر صاحب وجدان سلیم و ذہن مستقیم جو کہ دل کی آنکھ سے ان امور مذکورہ میں تامل کریگا البتہ ان امور یسیرہ سے امور کثیرہ کا استنباط کرے گا۔

## چوتھی ہدایت حُبِّ ایمانی کے بیان میں

### اسمیں پانچ افادے اور دو فائدے ہیں

پہلا افادہ:- ایمانی محبت: "جو اصل میں نہایت درجہ کا پیار ہے" جب زیادہ تعظیم کے ساتھ مل کر اپنے کمال کو پہنچتی ہے اور سچے منعم کی رضا جوئی پاک مومن کے اندر اور باہر اعضاء اور قویٰ کو اپنے اثروں اور نوروں سے روشن اور خوبصورت بنا دیتی ہے اور شکر و توکل اور شیفتگی اس کے تہ دل میں جاگیر ہو جاتے ہیں اور تمام موجودات کے پیدا کرنے اور ان میں طرح طرح کے تصرفات سے رنگا رنگ نعمتوں کے ساتھ اس بے قدر ذرہ اور مشت بھر کی پرورش اور ہر قسم کی بلا اور مصیبت سے اس کا نگاہ رکھنا بھی انہی میں سے ہے" تاثیر کرنے میں اس ذات بابرکات کی یکتائی کا ملاحظہ اس کے ذہن میں مضبوط ہو جاتا ہے اور افعال توحید جو کہ ایمان بالقدر کا خلاصہ ہے اس کے دل میں یہاں تک بیٹھ جاتی ہے کہ اپنے تمام مال و اسباب کو اپنی ملکیت میں نہیں جانتا بلکہ اپنے آپ کو اس چوپائے کی مانند جو اپنے مالک کے ہرے بھرے کھیت چر رہا ہے "خیال کرکے دنیاوی زمینوں اور زندگانی کے سامانوں سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور اپنے اعضاء اور قویٰ کو اور اپنی عبادت کو بھی اپنا نہ جانکر اپنے آپکو اس لاٹھی یا پتھر کی مانند جسکو اپنے مالک کے کاموں کے صادر ہونے میں واسطہ اور ہتھیار ہونے سے زیادہ کچھ حصہ نہیں" سمجھتا ہے اور رب الارباب کی ربوبیت کے ساتھ اسکا سینہ یہاں تک کھل جاتا ہے کہ رضیتُ باللّٰہ ربّاً[1] اسی مقام کی ایک

[1] یعنی ہم اپنے پروردگار کے رب ہونے پر راضی اور خوشنود ہیں ۱۲

ہوتی ہے اور تکالیف شرعیہ کے اٹھانے پر اس کے سینے میں اسقدر وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ حق با[illegible]
دینیا اور ایسا ہی اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ - اسی کلام کی طرف اشارہ ہے اور سنت
کی پیروی میں وہ لذت پاتا ہے [illegible] ایسے ہی بزرگوں کے احوال کا بیان ہے پس خواہ
خواہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور وَاَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ - اور
وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اور وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ اور وَهُوَ يَتَوَلَّى
الصّٰلِحِيْنَ - اور ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خدائے بزرگ اور بلند محبت کے نشان
ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی رضامندی کے نور کہ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ
عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ - اسی کی طرف اشارہ ہے روشن ہو جاتے ہیں اور اسکو اپنی ولایت کی پناہ میں لیکر
اور اپنی ......... تربیت کے سایہ میں لاکر اپنی بیچارگی اور قانونی تدبیر کا ہاتھ بٹا دیتا ہے
حاصل کلام جناب پاک سے اسکو بہت سارا انعام اور ایجادات اور احکامات کے سرچشمہ سے فائدہ اٹھانے
کا بڑا حصہ حاصل ہو جاتا ہے برابر ہے کہ وہ علوم نقلیہ میں ہو یا عوارض قلبیہ میں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے
کہ روحانی شریعت والوں نے انسان کے باطن میں دو طاقتیں معلوم کی ہیں - اول جاننے والی جو کہ سمجھنے کا کام
دیتی ہے یعنی اس طاقت کے ساتھ ظاہر یا پوشیدہ چیزیں معلوم کر سکتے ہیں اور جس کا نام عقل ہے - دوم
ارادہ کرنیوالی طاقت جو کہ علوم اور ادراکات کے سوا خوشی اور غصہ اور بہادری اور ڈر اور پیار
اور دشمنی اور رضا اور کراہت اور ارادے اور شوق اور انہی جیسی اور باقی نفسانی کیفیتوں کے
اٹھانے والی ہے اور جس چیز کا لقب قلب ہے اور ان دونوں طاقتوں کا فرق ظاہر ہے
اسواسطے کہ شجاعت کے معنی کا جاننا اور اس کی حقیقت معلوم کرنا اور چیز ہے اور خود شجاعت اور چیز ہے
کیونکہ بہت سے شجاعت کے معنی کو جاننے والے اس کے تمام اور اس کے حاصل کرنیکے اسباب بحث میں تحقیقات
کرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی راہزن کا مقابلہ کسی چور کا سامنا اُن سے نہیں ہو سکتا اور بہت سی خونریزی میں

---

۱؎ اور اسلام کے دین ہونے پر ہم خوش ہیں ۱۲ ۲؎ اور کیا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے تو وہ اپنے رب
کی طرف سے روشنی پر ہے ۳؎ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ہم راضی ہیں ۱۲ ۴؎ اور جنہوں نے ہمارے
واسطے محنت کی بیشک ہم انکو اپنی راہیں سوجھا دینگے ۱۲ ۵؎ یعنی اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں جس طرح کا گمان وہ میرے
ساتھ رکھے گا ویسا ہی پائیگا ۱۲ ۶؎ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے پس وہ اسکو کافی ہے ۱۲ ۷؎ اور اگر تم شکر کروگے
تو وہ اسکو تمہارے واسطے پسند کریگا ۱۲ ۸؎ اور وہ نیکوکاروں کا والی ہے ۱۲ ۹؎ اور یہ اسوجہ سے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا مولیٰ ہے جنہوں نے

میں یکتا اور جنگ آزمائی میں طاق، بہادر اور دلیر ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ بہادری کے معنی سمجھنا اور اس کو باقی نفسانی کیفیتوں سے جدا کرنا ان سے مشکل بلکہ محال معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی مست ہاتھی یا گرجنے والا شیر جیسے کسی خوفناک امر کا معلوم کرنا اور معاش یا معاد میں نقصان پہنچانے والی کسی چیز کے خطرہ کا یقین کرنا اور بات ہے اور خود خوف والی کسی ایسی کیفیت کا عارض ہونا کہ رنگ کی زردی اور آنکھوں کا بے رونقی اور ہونٹوں کا خشک ہونا اور پٹھوں کا سست ہوجانا اور اعضاء کا بیکار ہو جانا اس کے آثار میں سے ہے۔ اور بات ہے اس لئے کہ خوفناک امر کو تو بہادر اور بزدل دونوں پہنچانتے ہیں لیکن بزدل پر ایسی حالت گذرتی ہے کہ بہادر پر اس کا عشر عشیر بھی نہیں آتا اسی طرح کسی خوبصورت آدمی کو خوبصورتی کے جاننے اور اس کے خط و خال معلوم کرنے میں عاشق اور غیر عاشق برابر ہیں لیکن جو پیچ و تاب اور قلق و اضطراب عاشق کے دل پر گذرتا ہے غیر کے دل پر ہرگز نہیں گذرتا۔ جب یہ تمہید ہو چکی اور عقل اور قلب کا فرق ذہن میں بیٹھ گیا تو جاننا چاہئے کہ بعض لوگ ابتدائے پیدائش ہی میں عقل کے تیز اور قلب کے کند ہوتے ہیں اور بعض اس کے برعکس چنانچہ آزمودہ کاروں پر یہ بات پوشیدہ نہیں۔ پس جو لوگ ابتدائے فطرت میں تیز عقل پیدا ہوئے ہیں جب ان کو ازلی عنایت اس مقام پر پہنچاتی ہے اور بیعت شریف سے ان کو مشرف کر دیتی ہے تو اس کو ادراک کی طرف سے امور غیبیہ میں خادم بناتے ہیں اور عالم کی جانب سے اللہ جل شانہٗ کی رضامندی اور اس کی ولایت کے نشان اس پر ظاہر کرتے ہیں مثلاً وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے یا فرشتوں یا پیغمبروں یا ولیوں کی طرف سے کسی چیز کے سر انجام دینے کا حکم ہوتا ہے یا معاملہ میں کہ اس کے ذریعے اس کام کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے یا کشف کے طور پر اول سے آخر تک اس واقعہ کا تمام حال اس کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے یا امور کی سوچ بچار کے وقت اس امر کے کرنے پر انگیختہ کرنے والے (خیالات) اور اس کے چھوڑ دینے پر اس کی بجا آوری کی ترجیح دینے والے (دلائل) اس کے ذہن میں کھٹکنے لگ جاتے ہیں اور ایسے ہی ان واقعات کے ظاہر ہو جانے کو "جو تدبیر جہاں کے ساتھ متعلق ہیں" یا ان امور کے روشن ہو جانے کو "جو مریدوں کی اصلاح سے تعلق رکھتے ہیں" یا اجتہادی مسائل یا گھر یا شہر کے انتظامی امور کے انکشاف کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے اور اسی طرح اپنے ان بھلے برے کاموں کو جن کو پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں اشتباہ ہے۔ نور اور تاریکی کے لباس میں دیکھتا ہے اور خفا یا شرح صدر

کو خوبصورت اور بدصورت رنگوں اور خوشنما اور بدنما شکلوں میں معلوم کرتا ہے اور اس قسم کے لوگوں کو اصطلاح اور شریعت میں محدث کہا کرتے ہیں اور جو لوگ ابتداءً پیدائش میں پاک دل والے پیدا ہوئے ہیں امور مذکورہ اُن کے دل سے نکلتے ہیں۔ ان کی عقل ان امور کی حقیقت پر آگاہ ہو یا نہ ہو مثلاً جن چیزوں کا وقوع عالم غیب میں اس شخص کی وساطت سے مقرر ہو چکا ہے اُن پر اپنے دل میں ایسی دلیری اور جرات معلوم کرتا ہے اور برانگیختہ کرنے والا ارادہ اسکے دل میں پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اسکو مجبور کر کے اس کام کے کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے اور خود یہ شخص اس ارادے اور باعث کے پیدا ہونے کے سبب میں حیران رہتا ہے اور اس کی وجہ کو کچھ نہیں سمجھ سکتا اور جن چیزوں کو وقوع غیب میں اس کی وساطت سے مقرر نہیں ہوا اُن کی نسبت اپنے آپ میں تنزلی اور ان چیزوں کے وقوع میں رکاوٹ اور استبعاد معلوم کرتا ہے اور ان کے واقع ہو جانے کی کوشش میں سستی اور کاہلی اور ان کے طلب کی خستگی کی برداشت میں تکلیف اور تھکاوٹ اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے غضب نزول پر لوگوں کی مانند پُر غضب دریا اسکے دل میں جوش مارتا ہے اور اس کے مرحوم بندوں پر بارش کی مانند رحمت اور مہربانی کا دریا اس کے اندر برستا ہے۔ خواہ ان امور پر اسکو اطلاع نہ ہو جو غضب نزول کے مغضوب ہونے اور مرحوم لوگوں کے مرحوم ہونے کا باعث ہوتے ہیں اور خواہ اچھے اور برے کاموں کے جواز اور عدم جواز کو نہ جانتا ہو۔ ان کے صادر ہونے کے بعد اپنے آپ میں خوشی یا دلگیری کو پاتا ہے اور اسی حلال اور پاک طعام کی طرف جو غیب میں اس کے کھانے کے واسطے تیار کیا گیا ہے اس کو خواہش پیدا ہوتی ہے اور اسی حرام اور اوہام یا اس کے کھانے سے جو اس کے لئے تیار نہیں کیا گیا اس کو نفرت ہو جاتی ہے خواہ ظاہر میں اس کے حلال یا حرام ہونے کا حال بالعکس معلوم ہوتا ہے اور بسا اوقات ان بزرگوں کی عقل ان امور کی اصلیت سے بے خبر ہوتی ہے اور ان امور کے دل میں پیدا ہونے کے سبب سے حیران رہتی ہے اور ایسے لوگوں کو شریعت میں مفہم اور حواریین کے نام سے پکارتے ہیں اور ان امور کے طلب کرنے میں صرف دعا کرنا اور غیب کی طرف متوجہ ہونا محدثین اور حواریین کی عادت ہے۔ یہ نہیں کہ وہ اجابت قرب نوافل کی مانند اس امر کے واقع ہونے پر اپنی ہمت کو لگا دیں یا کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کے قصد در پے ہو جائیں پس دشمنوں سے بدلہ لینے یا دوستوں سے غمخواری کرنے میں ان بزرگوں سے دعا کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا اور اقطاب اور اوتاد

ہوتے ہیں ۔ اور اس مقام کے لوازم سے یہ ہے کہ خود اس مقام میں سے بعض امور دونوں قسم سے ہوتے ہیں وہ محدث ہو خواہ شہید کہ جو دعا وحوالہ کے ظاہر ہو جانے یا اس کے حاصل ہونے کے پیچھے اور اس کے پورا ہونے کے بعد صادر ہوتی ہو اس کا قبول ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ دعا بھی تقدیر کے ظاہر ہونے کے لباسوں اور فیض غیبی کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے پھر جو شخص اس پیدا ہونے والے امر کے باطل کرنے (یعنی جس امر کے لئے دعا کی گئی ہے) کی کوشش کرتے ہوئے ان بزرگوں کے مقابلہ میں قائم ہوگا بیشک ناکام اور خوار ہوگا اور جو شخص اس امر کے حاصل کرنے اور رواج دینے میں کوشش کریگا ضرور کامیاب اور فتحمند ہوگا اور اس مقام کی تحقیق اور اس مقصود کی تفصیل صحابۂ کرام اور تابعین عظام وغیرہم بزرگوں کے حالات سے طلب کرنا چاہیے حاصل کلام اس رستے کے امام اور اس گروہ کے بزرگ۔ ان فرشتوں کے زمرہ میں شمار کئے ہوئے ہیں جن کو حق تعالیٰ کی طرف سے تدبیر امور کے بارہ میں الہام ہوتا ہے اور وہ اس کے جاری کرنے میں کوشش کرتے ہیں پس ان بزرگوں کے حالات کو فرشتوں کے احوال پر قیاس کرنا چاہیے۔

دوسرا افادہ:۔ اور اس مقام سے برتر اور اعلیٰ مقام ایمان حقیقی کا مقام ہے اور بعض وجود اس کمال پر پیدا ہوتے ہیں اور ایمانی محبت اس دلکشا مقام کے چہرے سے پوشیدگی کا پردہ دور کرکے اس کے نور کو سورج کی روشنی اور رونق کے ساتھ ظاہر کرتا ہے اور اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ جس طرح نفسانی یا قوتوں کے لحاظ سے آدمیوں کے مختلف درجے اور تفاوت دیتے ہیں یعنی بعض بد لیاقت اور بعض عمدہ لیاقت والے ہوتے ہیں اور بعض میں وہ ملکات جبلی طور پر پائے جاتے ہیں مثلاً اگر تم شجاعت کے بارے میں غور کرو تو معلوم کرو گے بعض آدمی ابتدائے پیدائش میں ہی ایسے دلاور اور بہادر ہوتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے ہمجولیوں سے لڑائی کرنے کے خواہاں اور بہادروں کی ہمنشینی کے طالب رہتے ہیں اگرچہ انہوں نے کبھی لڑائی کا منہ تک نہ دیکھا ہو اور رستم اور اسفندیار کی کہانی نہ سنی ہو اور جنگ کے اسباب اور ہتھیاروں کی مشق اور سواری اور شمشیر کا تجربہ نہ کیا ہو لیکن بہادری اور دلاوری کا دریا ان کے دل میں جوش مارتا رہتا ہے اور وہ لڑائی بھڑائی سے واقف کاروں کی ہمنشینی کے واسطے کوشش کرتے ہیں اور حرب آزمودہ لوگوں کی مجلس میں ان کی چال ڈھال کو تکتے رہتے ہیں اور رکھنے اور سیکھنے اور زرہوں کے ہتھیاروں کو پسند کرتے ہیں اور سپاہیوں کی پوشاک کو اور دوسری طرح کا بول چال اور لباس اور سواری ہیں انہی کے طریق کو دل سے پسند کرتے ہیں اور جنگ کے مناسبات میں سے ہر چیز کو محبت اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

اور لڑائی لڑنے والوں کے حکایت کی داستان کو قبولیت کے کانوں سے سنتے ہیں ۔ القصہ وہ امور جو
لڑائی سے متعلق ہیں اُن کے دل کی تہ میں تخمیر سے ہوتے ہیں اور اہلِ حرب کے ساتھ وہ لوگ طبعی دلچسپی رکھتے
ہیں اور اُن کے خلاف سے ان کو پیدائشی بیگانگی ہوتی ہے پس ان کی عورتوں اور ہیجڑوں اور انہی جیسے نازک
اور بزدلوں اور ان کی چال ڈھال اور ان کے لباس وغیرہ سے نفرت ہوتی ہے اور جس کام کو جنگ سے کچھ
تعلق ہو تھوڑی سی توجہ کے ساتھ اس کو کمال تک پہنچا دیتے ہیں اور جو کام اس امر سے برکنار ہو اُس کے
حاصل کرنے میں زیادہ مشقتیں اٹھائیں ان کے دل میں نہیں ٹھہرتا اور ان کے دل کو اس سے رکاوٹ حاصل
ہوتی ہے اور جب تک اُن کو سامانِ جنگ میسر نہ ہو اور شفیق استاد لڑائی کے قانون ان کو نہ سکھائے
اور لڑائی کے میدانوں میں حاضر نہ ہوں تنگدل اور پریشان رہ کر اپنی زندگی کو سو طرح کے پیچ و تاب
میں گزارتے ہیں اور جونہی یہ امور ان کو حاصل ہو جائیں ان کی تمام دلگیری اور پریشانی اور غم جاتے
رہتے ہیں پس اس قسم کا آدمی بہادری کی حقیقت کو طبیعت کے خزانے میں چھپائے ہوئے ہے اور اس کو لڑائی
کے ہتھیاروں کی مشق اور اس کے فن کے استادوں کی تعلیم اور جنگ کے میدانوں میں حاضر ہونے کی ضرورت
صرف بہادری کے حاصل کرنے کے واسطے ہے پھر سوچنا چاہیئے کہ بہادری کے قابلیوں کے حاصل کرنے کی رغبت
بھی اس کے دل میں کسی کے سکھانے یا کسی کی مصاحبت سے پیدا نہ ہوگی بلکہ اس کا پیدا ہونا بھی ایسے امروں
کے پیدا ہونے کی مانند ہے جو بے اختیار صادر ہو جاتے ہیں کیونکہ بہادری کا جو جوش اس کے دل میں موجود
ہے اس کا پورا کرنا اُس کے فنون کے حاصل کرنے کے بغیر ہو نہیں سکتا اور اُس کے فنون کا حاصل کرنا جنگ
کے ہتھیاروں کی استعمال اور استادوں کی ہم نشینی اور لڑائیوں کے میدانوں میں حاضر ہونے کے بغیر ممکن
نہیں پس لاچار مجبور ہو کر ہتھیاروں کے ڈھونڈنے اور استادوں کے تلاش کرنے اور معرکوں کی جستجو میں
لگ جائیگا اور ان چیزوں کے حاصل ہو جانے کے بعد اُس کے دل کی قابلیت سو طرح کی چمک دمک کے ساتھ
ظاہر ہوگی اور کوئی ہم عمر اور ہم جنس لڑائی کے امر میں اس کے ساتھ برابری نہ کر سکے گا اور دوسرے بعض ایسے
پیدا ہوتے ہیں کہ ان کی سرشت کی تختی صاف اور شجاعت کے مخالف امور سے پاک ہوتی ہے پس اگر
ایسے لوگوں کو مہربان استاد ہاتھ آ جائے تو طاقت اور استاد کے سکھانے اور زمانے کی موافقت کے اندازے
پر لڑائی کے متعلق امور سے اپنا حصہ حاصل کر لیں گے اور استاد کا کمال عکس کے طور پر ان میں جلوہ گر
ہو جائے گا اور دوسرا آدمی جو ابتدا سے پیدائش میں عورتوں کی طبیعت اور ہیجڑے کے مزاج والا بنایا گیا

اگر فنِ حرب کے ہزار استاد طرح طرح کی تربیت اور تادیب اُس کو فنِ جنگ کی تعلیم کرنا چاہیں وہ ہرگز مردانگی اور سپہ گری کے لائق نہ ہوسکے گا اور سارے شاہنامہ سے اس شعر کے سوا کچھ بھی یاد نہ کرسکے گا ؎

منیژہ منم دختِ افراسیاب برہنہ تنم را ندیدہ آفتاب

یعنی میں افراسیاب کی بیٹی منیژہ ہوں۔ میرے بدن کو آفتاب نے کبھی برہنہ نہیں دیکھا۔

اسی طرح فیضِ ربانی کی طرف نسبت کرنے سے انسانوں کے تین طبقے ہیں پس ہم پہلے طبقے والے لوگوں کے طبعی اجمالی کمال کا نام حقیقی ایمان مقرر کرتے ہیں اور جب وہ پیدائشی اجمالی کمال اپنے وقت کے نبی کی پیروی کے سبب سے تفصیلی قوانین کے ساتھ کھل جاتا ہے اور شریعت کے سانچوں میں سے ایک سانچے میں ڈھل جاتا ہے تو اس کے طبعی چراغ پر جو ازل الآزال میں عنایتِ خداوندی کے تیل سے روشن ہو چکا تھا یہ شریعتِ حقہ شیشے کی مانند احاطہ کر لیتی ہے اور اس کے بسیط نور کو بیرنگ کرکے نہایت ہی عجیب اور غریب رونق بخشتی ہے پھر جبلی نور کے منجھ جانے سے وہ ملتِ حقہ جس نے اس صاحبِ کمال کے باطن سے دوبالا رونق حاصل کی ہے چمکنے والے ستاروں کی مانند عالمِ ملک اور ملکوت کے اختر شناسوں کی عقل کی آنکھ کو حیران کر دیتی ہے اور کمالات کے میدانوں اور شہسواروں اور احوال اور مقامات کے دریاؤں کے تیراکوں کے وجود سے ھو شئی ساق العشق مسکینا - کی ندا نکل آتی ہے اور اس قسم کے صاحبانِ کمال کو شریعت کی زبان میں صدیقین کہا کرتے ہیں ان داناؤں اور عقلمندوں پر جن کو ذہن کی لطافت اور طبیعت کی صفائی کے باعث اس کلام کے مغز اور اس مقام کے خلاصہ تک رسائی ہے پوشیدہ نہ ہوگا کہ صدیق من وجہٍ انبیاء کا پیرو اور من وجہٍ شریعت کا محقق ہوتا ہے۔ پس اگر صدیق زکی القلب ہوگا تو مخصوص اقوال اور افعال میں خدائے تعالیٰ کی خوشنودی اور نارضامندی کو مخصوص عقائد کے صحیح اور غلط ہونے اور خاص لوگوں کے عادات اور استعدادوں کے بھلا برا ہونے

عہ فیض ربانی۔ اصطلاح اہل طریقت میں فیض ربانی کو شریعت ربانی کہا کرتے ہیں اور اس کی حقیقت یہی ہے کہ جملہ افراد انسانی اس درجے کی ہدایت کرنا جس میں حضرت حق جل وعلا کا قرب اور انکی رضامندی حاصل ہو۔ اور ایسے عقائد اور افعال اور اخلاق سے پرہیز کرنا کہ جو معاش اور معاد میں نقصان دہ ہوں اور تدبیر منزل اور مدینہ کے عمدہ انتظام پر قادر ہو جائے ۱۲

ل اسی میں اس کلام کی طرف اشارہ ہے جو امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا کہ ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا۔ ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کو انہوں نے آزاد کیا۔ عہ سیدنا سے مراد بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہیں ۱۲

اور جزئی معاملات اور واقعات کے بگڑنے اور سدھرنے اور ان کے ضروری انتظام کو اپنی طبیعت کے نور سے معلوم کر لیتا ہے مثلاً وہ اپنے دل کی شہادت سے جان لیتا ہے کہ فلاں بات یا فلاں کام اللہ جل شانہٗ کو پسند یا ناپسند ہے اور فلاں عقیدہ درست یا غلط ہے اور فلاں خلق اچھا ہے یا بُرا اور فلاں معاملہ جو کہ فلاں گھر والوں یا شہر والوں کے درمیان منعقد ہوا ہے یا فلاں رسم جو فلاں قوم کے لوگوں میں مروج ہے انتظام کے موافق ہے یا مخالف پس ان امورِ مذکورہ کے احکام اس کو دو وجہ سے معلوم ہوتے ہیں ایک تو دل کی شہادت سے جو خاص کر ان امور سے متعلق ہے۔ دوم عام طور پر کلیاتِ شرع میں ان کے مندرج ہونے کے سبب سے اور جو علم کہ پہلے طریقہ سے اس کو حاصل ہوا ہے وہ تحقیقی ہوا ہے اور جو علم کہ دوسرے طریقہ سے حاصل ہوا ہے وہ تقلیدی ہے اور اگر وہ صدیق زکی العقل ہو تو اسکے طبعی نور کی ان کلیاتِ حقہ کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے جو حظیرۃ القدس میں عام طور پر نوعِ انسانی کے پرورش کے واسطے مقرر ہوئے ہیں اور وہ کلیات اس کے ذہن میں ہمیشہ محفوظ رہتی ہیں وہ انہی کلیات سے تمام جزئیات کو استنباط کر سکتا ہے پس شرعی علوم اسکو دو طریق سے حاصل ہوتے ہیں ایک تو جبلی نور کے ذریعہ سے دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے مثلاً وہ اپنے دل کی شہادت سے جانتا ہے کہ جو کام ایسا ہو اور فلاں چیز پر مرتب ہو اور اس سے فلاں ثمرہ حاصل ہو تو وہ کام اللہ تعالیٰ کو پسند یا ناپسند ہے اور جو عقیدہ فلاں حقیقتوں سے تعلق رکھتا ہو یا فلاں صفات اور اسماء الٰہی کو بیان کرے یا فلاں واقعات پر دلالت کرتا ہے اور فلاں طریقہ سے حاصل ہوا ہے وہ عقیدہ درست ہے، اور معاش یا معاد میں نوعِ انسانی فلاں طریقہ سے ماخوذ ہو وہ عقیدہ باطل ہے یا معاش یا معاد میں نوعِ انسانی کی تربیت میں کسی کام نہیں آتا اور اس کا پڑھنا پڑھانا فضول معلوم ہوتا ہے اور جو خلق اور ملکہ فلاں نتیجہ دے یا اس کے حاصل کرنے میں فلاں فلاں امور کی حاجت پڑے وہ اچھا ہے ورنہ بُرا اور جس معاملہ اور رسم سے فلاں مصالح حاصل ہوں وہ مقبول اور ضروری انتظام کے موافق ہے۔ ورنہ اس کا رد کرنا واجب ہے اور وہ انتظام کے مخالف ہے پس کلیاتِ شریعت اور احکامِ دین میں اس کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شاگرد بھی کہہ سکتے ہیں اور ان کا ہم استاد بھی کہہ سکتے ہیں اور نیز ان کے اخذ کا طریق بھی وحی کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں نفث فی الروع کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور بعض اہلِ کمال اسکو باطنی وحی کہتے ہیں پس ان بزرگوں اور انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام

امتوں کی طرف مبعوث ہوتے اور بزرگ سلطان حکم کو قائم کرتے ہیں اور ان کو انبیاء کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے اور بڑے بیٹوں کو اپنے باپ سے نسبت ہوا کرتی ہے کیونکہ ان کے درمیان بھی من وجہ نبوت کا علاقہ ہے اور من وجہ اخوت کا اور یہ لوگ تمام آدمیوں سے انبیاء کی خلافت کے زیادہ حقدار رہتے ہیں اگرچہ ظاہری تسلط ان کو نصیب نہ ہو اور اگرچہ جہلاء ان کی رعایت کو نہ مانیں اور اسی معنی کو امامت اور وصایت کے ساتھ تعبیر کیا کرتے ہیں اور ان کے علم کو جو بعینہ پیغمبروں کا علم ہے لیکن ظاہری وحی سے حاصل نہیں ہوا حکمت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو مخصوص عنایت اور ولایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہوئی ہے اور ان کی اسی مخصوص عنایت کی وجہ سے اپنے امثال میں امتیاز حاصل ہوا ہے۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ[۱]۔ اور اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ[۲]۔ اور وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَیْنٰهُمْ وَهَدَیْنٰهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ[۳] اور وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِکْرَی الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ۝[۴] اسی حالت کا بیان ہے اور اسی برگزیدگی کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کی رضامندی ان کی رضامندی میں داخل کی گئی اور اللہ عزوجل کی خوشنودی ان کی فرمانبرداری پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ کے غصے نے ان کے غصے کے ساتھ اتصال پیدا کیا ہے۔ اسی عنایت اور ولایت کے نمونہ اور اسی بزرگی اور عزت کے عکس سے ان ربانی حکیموں اور انبیاء مرسلین کے وارثوں کو حصہ ملا کرتا ہے جسکو قوم[۵] کی اصطلاح میں وجاہت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور سید الحکماء رئیس العلماء شیخ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے اپنے عقل کے ساتھ ملی ہوئی صدیقیت کو جو اس حکمت اور وجاہت کے لوازم میں سے ہے قرب الوجود سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ قرب الوجود محض عطایا الٰہیہ اور صرف وہبی چیز

---

۱ یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے چھانٹ لیتا ہے اور آدمیوں میں سے ۱۲ ۲ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں کو اور عمران کے گھر والوں کو جہان والوں پر چن لیا ہے ۱۲ ۳ اور ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی اور ان کے باپ دادوں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو ہم نے ہدایت کی اور ان کو پسند کر لیا ہے اور سیدھے رستہ پر چلایا ہے ۱۲

۴ اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب ہاتھوں اور آنکھوں والوں کو یاد کرو ہم نے ان کو ایک چیز یعنی آخرت کی یاد سے امتیاز دیا ہے اور بیشک وہ سب ہمارے ہاں چنے ہوئے نیک لوگوں میں ہیں ۱۲ ۵ اس قوم سے صوفیہ مراد ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین ۱۲

ہے۔ کسب اور اکتساب اور حدوث اور وقت تدریج ثابت ہوتا ہے جیسے انسان کی انسانیت محض پیدائشی چیز ہے لیکن جو چیز کہ اس کو باقی حیوانات سے جدا کرتی ہے وہ قوتِ عاقلہ ہے جو ابتدا پیدائش میں پوشیدہ ہوتی ہے کیونکہ داسوقت، چھوٹے بچے اور چوپائے میں کچھ فرق نہیں ہوتا بلکہ چھوٹا لڑکا سمجھنے اور بوجھنے میں چوپائے سے بہت کمزور ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اسی چھپی ہوئی قوت کا اثر علوم کے ملنے کی وجہ سے معلومات میں ظاہر ہونے لگتا ہے، اور جیسا کہ ابتدا ِکلام میں مذکور ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی مہربانی جو ازل الآزال میں اس صاحب کمال کے بارے میں عنایت ہوئی ہے ہر وقت اور ہر مرتبہ میں اس کو نئی مہربانی اور تازہ تربیت کے ساتھ پسندیدہ افعال اور صحیح عقائد اور عمدہ اخلاق اور اچھی رسموں اور معاملوں کی طرف کشاں کشاں لے آتی ہے ناپسندیدہ کاموں اور غلط عقیدوں اور بُرے کاموں اور خراب معاملوں اور رسموں سے طرح طرح کے واقعات اور تصرفات کے ساتھ بچا رکھتی ہے۔ پس وہ ضرور انبیاء کی اس محافظت جیسی نگہبانی کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے جس کو عصمت کہا جاتا ہے۔ اس کا بیان یوں ہے کہ جس طرح بعض لوگوں کو کسی خوبصورت آدمی کے عشق یا ہنر اور کمال کی طلب یا مال اور جاہ کے حاصل کرنے وغیرہ کسی قلبی عارضہ میں استغراق ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے قوی ہمیشہ میں خلل پڑ جاتا ہے اور اس فتور کے باعث ایسے کاموں کی طرف ان کے دل میں کچھ التفات ظاہر نہیں ہوتی جو عرف یا شریعت میں صحیح ہیں۔ اور ان امور کے ارتکاب کا ارادہ ان کے دل میں پکا نہیں ہوتا اور بعض دوسرے آدمی جو عقل کی تیزی اور طبیعت کی نزاکت اور سرشت کی پاکیزگی پر پیدا ہوئے ہیں اور شفیق آباء اور سکھانے والے استادوں کی تربیت اُن کے حق میں نتیجہ خیز ہوتی ہے ان کا قبائح مذکورہ سے پرہیز کرنا عقل کی تیزی اور طبیعت کی وجہ سے ہوگا اور ان کی عقل کی تنبیہ سے ان قبائح کی نسبت وہ تنفر پیدا ہوگا جو جبلی طہارت والے شخص کو نجاست اور ناپاک چیزوں سے ہوا کرتا ہے اور اگر کسی وقت ان سے خطا اور نسیان کے طور پر قبائح مذکورہ کی طرف رغبت اور میلان ہو جائے تو بیشک وہ شفیق بزرگ حیلہ سے اس کو ان ناپاک چیزوں کے ساتھ آلودہ ہونے سے ہٹا رکھے گا اسی طرح بعض اہلِ کمال پاک عشق کے غلبہ اور حضرت ذوالجلال کے مشاہدہ کے استغراق اور فنا اور بقاء اور چیزوں کے حقائق کے منکشف ہونے کے مقام میں کوشش کرنے کے باعث مختلف ارادوں کے فنا ہو جانے سے کامیاب ہو جاتے ہیں اور اسی فنا کے سبب ناپسندیدہ فعلوں اور باطل عقیدوں اور بُری عادتوں اور خراب

معاملوں سے بچے رہتے ہیں اور یہ بچنا اربابِ قربِ النوافل کا حصّہ ہے اور بعض اہلِ کمال نورِ جبلی اور عنایتِ ازلی کے باعث بھلے کو بُرے سے تمیز کر کے اپنے آپ کو قبائحِ مذکورہ سے پاک رکھتے ہیں اور اگر کبھی ان سے امورِ مذکورہ کی طرف کچھ رغبت اور توجہ ہو جائے تو ان کے ارادے کے دامن کو ازلی عنایت پکڑ کر عجب و غریب معاملات سے ان گندگیوں کے ساتھ آلودہ ہونے سے باز رکھتی ہے کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَاۗءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۔ اسی معاملہ کی حکایت ہے، اور یہ حفظ انبیاء اور حکماء کا نصیب ہے اور اسی کو عصمت کہتے ہیں۔ یہ سمجھنا کہ باطنی وحی اور حکمت اور وجاہت اور عصمت کو غیر انبیاء کے واسطے ثابت کرنا خلافِ سنت اور اختراعِ بدعت کی جنس سے ہے اس واسطے کہ ان امور میں بہت سے امور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں صحابہ کبار کے مناقب میں وارد ہوئے ہیں چنانچہ اہلِ حدیث میں سے واقف کاروں پر پوشیدہ نہیں اگر کلام کے طویل ہو جانے سے ملال اور دلگیری کا خوف نہ ہوتا تو ان حدیثوں میں سے کچھ حدیثیں اس جگہ ذکر کی جاتیں اور یہ مت سمجھنا کہ اس کمال والے لوگ جہان سے منقطع ہو چکے ہیں اور قربُ الوجود روئے زمین سے محو ہو گیا ہے بلکہ جب تک روشنی اور اندھیرے کا خوش رفتار دورنگ گھوڑا دوڑنے میں ہے وجود کا میدان حال اور مقام کے شاہسواروں کے گھوڑے دوڑنے کی جگہ ہے۔ ہاں صاحبِ کمال کے کمال پر یقینی علم حاصل ہونے کا طریق جو کہ خبرِ صادق کی خبروں میں منحصر ہے خیر کے زمانے کے گذرنے کی وجہ سے منقطع ہو چکا ہے جیسے کہ اس زمانے کے گذر جانے کے بعد غیر منصوص مسئلوں میں شریعت کے حکموں میں سے کسی حکم پر قطعی علم کا حاصل ہونا ممکن نہیں حالانکہ مجتہدین کے اجتہاد کا امر تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں اس قدر جلوہ گر ہوا کہ اس کا عشرِ عشیر بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں واقع نہیں ہوا تھا اور اس کمال والے پر خدائے تعالیٰ کی غیرت اسی قسم کے لوازمات سے ہے اس کی تفصیل اس طور پر ہے کہ جب اس ازلی عنایت نے ابتدائے فطرت میں استحقاق اور اکتساب کے بغیر اور واسطہ اور حجاب کے سوا ہی اس صاحبِ کمال کو مقبولوں کے زمرے میں مقرر کیا ہے اور ہمیشہ بلا واسطہ اس مقبول کی تربیت میں کوشش ہوتی ہے پس اگر کسی وقت لوازمِ بشریت کے تقاضے کے ساتھ اس مقبول کے دل سے خدا تعالیٰ کے ماسوا کسی کی طرف کچھ توجہ ہو جاتی ہے اور اس چیز کے ساتھ علاقہ حاصل ہو جاتا ہے یا کسی امر کو اس امر

ؔ بیشک زلیخا نے یوسف کا قصد کیا اور یوسف نے اس کا قصد کیا اگر اپنے پروردگار کا برہان نہ دیکھتے تو ہوتا جو ہوتا ۱۲

میں سے جن کے پائے جانے کے باعث ان کا جبلی نور ظاہر ہوا ہے اپنی تربیت کا واسطہ جان لے تو وہی ازلی عنایت اسواسطے کو کسی تدبیر کے ساتھ توڑ دیتی ہے اور اس خیال کو دور کر دیتی ہے اور بنی آدم کے نیک بندوں کے دل میں قبولیت کا نازل ہونا بھی اس مقام کے آثار میں سے ہے کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا[1] نَادٰی جِبْرِیْلَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّہٗ فَیُحِبُّہٗ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰی اَنْ قَالَ حَتّٰی یُوْضَعَ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ۔ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور اس قبولیت کی حقیقت اس صاحب کمال کی وجاہت کا ان کے دلوں سے آئینوں میں منعکس ہوتا ہے جو صاف اور سلیم ہیں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آدمیوں کے اعضا اس اعتبار سے کہ جو عارضہ محبت یا غصے یا خوشی کی مانند دل پر عارض ہوتا ہے تو اس کے آثار ظاہری اعضاء پر بھی ظاہر ہو جاتے ہیں ان کے دلوں کے لئے آئینے کی طرح ہیں اسی طرح بنی آدم میں سے نیک بندوں کے دل جو کہ غفلت اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے کے زنگ سے صاف ہیں حظیرۃ القدس کی طرف نسبت کرنے میں آئینہ کا حکم رکھتے ہیں مثلاً جس چیز کا واقع ہونا حظیرۃ القدس یعنی دربار خداوندی میں مقدر ہو چکا ہے اکثر نیک بخت لوگ اسکو قبل از وقوع خواب یا معاملہ میں دیکھ لیتے ہیں اور کم سے کم اس کے واقع ہو جانے کی رغبت یا اس کے اسباب کی بجا آوری کی ہمت اپنے آپ میں معلوم کرتے ہیں۔ پس جب اس صاحب کمال نے اپنے منعم کے پاس عزت حاصل کر لی ہے اور دربار الٰہی میں راستے کا قدم پکا کر لیا ہے اور رفیق اعلیٰ میں مقام صدق پا لیا ہے تو خواہ مخواہ اس کی عزت کا پرتو نیک بندوں کے دلوں میں پڑ جاتا ہے پس جو نیک آدمی اس کو دیکھتا ہے یا اس کے پاس بیٹھتا ہے یا اس کے حال اور کمال پر مطلع ہوتا ہے تو ضرور اس کو تہ دل سے دوست رکھتا ہے اور اس کے علموں اور خبروں کو صمیم قلب سے مانتا ہے بلکہ اس کی چال ڈھال پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہی اوضاع اور اطوار اس کے غیر میں پائے جائیں کہ اس کی طرف کوئی صالح آدمی ادنیٰ توجہ بھی نہیں کرتا۔ غرضکہ مقصود اس کلام کا یہ ہے کہ اس مقام والے کے ساتھ تمام لوگ محبت کرتے ہیں اسواسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اَنْتُمْ شُہَدَآءُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ[2] اور یہ بات تو نہایت ہی واضح ہے کہ دانا اور عقلمند اور جوانمرد اور عادل ہی شاہد ہوا کرتے ہیں غافل نادان بدکار لوگوں کو شاہد نہیں بنایا جاتا بلکہ اگر اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بزرگ لوگوں کی محبت

[1] جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست بناتا ہے تو جبرئیلؑ کو بلاتا ہے کہ میں فلاں آدمی کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو پس جبرئیل اسے دوست رکھتے ہیں پھر آسمان میں ندا کرتے ہیں یہاں تک کہ فرمایا حتی کہ زمین میں اسکے واسطے قبول رکھی جاتی ہے۔

[2] یعنی لوگ زمین پر اللہ کے شاہد ہیں ۱۲

پیار کرنے والے کے ایمان اور پرہیزگاری کی علامت ہے ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ۔ اور ایسے بزرگواروں کا بغض اور کینہ کرنے والے کے نفاق اور بدبختی کا نشان ہے کہ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَلَا يُبْغِضُهُ إِلَّا مُنَافِقٌ شَقِيٌّ۔ اسی معنی کی طرف اشارہ

تیسرا افادہ:۔ اور شرعی حدود اور مظالم کو اور ان کے اشباح کو خود ان کی جگہ قائم کرنا اور عموماً نوعِ انسانی کی پرورش کے رکنوں اور ادبوں اور شرطوں اور مفسدوں کو مقرر کرنے میں نیابت عن اللہ کا مقام اس مقام سے بڑھ کر ہے اور یہ مقام مستقل طور پر تو انبیاء و مرسلین میں سے اصحابِ شریعت کا مقام ہے اور ان کی متابعت سے ظلّی طور پر انبیاء کرام کی فرمانبرداروں میں سے بعض ان بزرگوں کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ ملتا ہے جن کو قوم کی اصطلاح میں مفہمین کہتے ہیں اور صاحب جلیل کے پیشوا اور صاحبانِ تفہیم امام حضرت شیخ ولی اللہ قدس اللہ سرہ کی اصطلاح میں اس مقام کا نام قرب الفرائض تھا۔

چوتھا افادہ:۔ غافلوں کو جگانے اور جاہلوں کے عذر کو دور کرنے اور مخالفین اور منکرین پر دلیل یا تلوار اور نیزے کے ساتھ حجت پورا کرتے ہیں نیابت عن اللہ کا مقام سے برتر و بلند ہے کیونکہ ایسے لوگوں کی برکت سے بھرے ہوئے وجود سے فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ کا مضمون ثابت ہوتا ہے اور یہ مقام مستقل طور پر انبیائے اولوالعزم کا مقام ہے اور ان کی فرمانبرداری سے بعض بڑے باعمل عالم اس مقام کے ظل اور اس کے فخر کے عکس سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں جن کو قوم کی اصطلاح میں حجۃ اللہ کہتے ہیں اور آپ (حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کی اصطلاح میں اس مقام کا نام قرب ملکوت ہے۔

پانچواں افادہ:۔ اور اس مقام سے اعلیٰ اور بلند مقام ریاست اور ادوار و اطوار ہے اس کا بیان یہ ہے کہ جس طرح زمانہ کے کسی حصہ میں اللہ تعالیٰ کے فیض سے معاش کے امر میں نوعِ انسان کی پرورش ایک خاص طور پر واقع ہوتی ہے اور اللہ عز و جل کی وہ عنایت جو عام انسانوں کی طرف متوجہ ہو رہی ہے اسی لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور جو صاحبِ کمال نوعِ انسانی کے تربیت کے واسطے نیابت عن اللہ کے مقام میں قائم مقام ہو چکا ہو۔ اسی وجہ سے تکمیل میں بڑی کوشش کرتا ہے اور جب وہ وجہ اپنے کمال پر پہنچ جاتی ہے

لہ یہ سن چکے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کی نام کی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری سے ہے موضح القرآن ۱۲

سلہ یہ حدیث حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمائی ہے یعنی پرہیزگار ایماندار کے سوا کوئی شخص اس کو دوست نہیں رکھتا اور بدبخت منافق کے سوا کوئی آدمی اس سے دشمنی نہیں رکھتا ۱۲ سلہ یعنی حکم اللہ کے لئے مخصوص ہے ۱۲

نئی مہربانی اور تازہ عنایت، رحمتِ ازلیہ کے دریا سے نکل کر تربیتِ معاشیہ کے وجوہات سے ایک اور وجہ پیدا کرتی ہے اور اسی وجہ کے ایجاد میں بنی آدم کے کامل نفوس کو متوجہ کرتا ہے۔ آیۂ کریمہ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ[1] اسی بھید کا بیان ہے مثلاً حضرت آدم صلی اللہ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے لے کر حضرت ادریس کے زمانہ تک خدائی فیض انسانی افراد کو کھیتی باڑی کرنے اور پیسنے اور آٹا گوندھنے اور روٹی بنانے اور باقی طعاموں کے پکانے اور لباس بنانے اور رہنے کے مکانوں کی تعمیر کرنے کی ہدایت کی طرف متوجہ ہوتی رہی اور جب یہ تربیت اپنے کمال کو پہنچ گئی تو حضرت ادریس کے زمانے سے درزی گری اور لکھنے اور آہنگری اور زرگری جیسے لطیف و دقیق پیشے اور زمینی اور آسمانی جسموں کے خواص کی واقفیت کے گہرے علم جو کہ علم طب اور نجوم کا خلاصہ ہیں ظاہر ہوئے اور ذوالقرنین اول کے زمانے سے بادشاہت اور ریاست کے بناؤں کی مضبوطی اور حکومت اور عدالت اور قانونوں کی تیاری اور لشکروں کا جمع کرنا شروع ہوا اسی طرح نوع انسانی کے امر معاد کی تربیت میں بھی زمانے اور طریق بدلا کرتے ہیں اور جس دورہ میں جو اہل کمال اپنے کمال کو پہنچتے ہیں جو علم کہ ان کے دورے کے مناسب ہیں اُن کے دلوں میں ڈال دیے جاتے ہیں اور ان کو انہی علموں کی تکمیل میں خادم بنایا جاتا ہے پھر جب وہ تربیت اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو ایک اور تربیت کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور ایک نئی ہدایت کی بنیاد کو مضبوط کیا جاتا ہے مثلاً اس امت کے دوروں میں کا پہلا دورہ فقہاء کا دورہ تھا پھر متکلمین کا دورہ ظاہر ہوا اور اس کے بعد صوفیہ کرام کا دورہ آگیا یہ تمثیل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ ادوار انہی میں منحصر نہیں حاصل کلام جب ایک دورہ ختم ہوجاتا ہے۔ دوسرے دورے کی ابتداء شروع ہوجاتی ہے ایسے شخص کے وجود سے پہلے دورے کی ہدایت کو کمال کی نہایت تک پہنچایا جاتا ہے اور اس کے ترجمان مقرر کر کے اس کی برکت والی زبان سے اللہ تعالیٰ کی تازہ مہربانیوں کی طرف آدمیوں کی دعوت کی جاتی ہے اور اس کے دورہ کی امامت اُس کو بخشی جاتی ہے جو اُس زمانے میں آدمیوں میں سے زیادہ باکمال اور اللہ تعالیٰ کے فیض سے زیادہ لائق ہوتا ہے اور یہ مقام مستقل طور پر تو حضرت خاتم نبوت اور فاتح الولایت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے اور آپ کی پیروی کی برکت سے اس مقام کا نمونہ بعض بزرگوں کو بھی عطا کیا جاتا ہے اور اصطلاح میں ان کو

[1] تدبیر سے اتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے اُس کی طرف ایک دن میں جس کا مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں موضح القرآن

خاتمین اور فاتحین کا لقب دیا جاتا ہے۔ یعنی ان لوگوں کے وجود سے گذشتہ دورہ کی نتیجہ کی نہایت اور آئندہ دورہ کے کمال کا آغاز ہوتا ہے اور حضرت شیخ ولی اللہ کی اصطلاح میں اس مقام کا نام مقام فردانیت ہے اور اس دورہ میں جتنے اہل کمال پائے جاتے ہیں حقیقت میں وہ اسی امام رہ رو کے پیرو ہیں خواہ اسکو جانیں یا نہ جانیں اور ان کی پیروی کے یہ معنی نہیں کہ وہ قصداً اس امام کی تقلید کرتے ہیں یا ان کی تربیت کا سلسلہ اس امام تک پہنچ جاتا ہے بلکہ اس مقام میں اتباع کے یہ معنی ہیں کہ جو شانِ الٰہی اس دورہ میں ظاہر ہوتا ہے یہ لوگ بھی اس کی خدمت میں جان و دل سے کوشش کرتے ہیں اور اس شان کے مناسب جتنے علم پہلے پہل اس امام کے دل میں ڈالے گئے تھے دوسری دفعہ غیب کے خزانے سے ان بزرگوں کے دلوں میں ڈالے جاتے ہیں اور جس طرح ان علوم کی اشاعت کا عزم اول اول اس امام کے دل میں پیدا ہوا تھا اسی طرح وہی عزم ان بزرگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے — **پہلا افادہ:** چونکہ تینوں مقام مستقل طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے مانے گئے ہیں اور ان کے ماسوا اور لوگوں کو ان کمالات کے ظل اور ان مقامات کے نمونے کے سوا اور کسی چیز تک رسائی نہیں باوجودیکہ ایسے بزرگ ان مفاخر کے اشباح کے ساتھ کامیاب ہوتے ہیں تاہم کبریت احمر اور اکسیر اعظم کی طرح نادر الوقوع اور کمیاب ہیں اور اسی واسطے ان تینوں مقاموں کے بحث میں اجمالی اشارات پر اکتفا کر کے انکی تفصیل کو دوسرے مقام کے حوالہ کیا گیا ہے اور نیز ان مقامات کی کنہ کو بلکہ تمام کمالوں کی تحقیق ان خوبیوں کے حاصل ہونے اور ان مفاخر تک پہنچے بغیر ہو ہی نہیں سکتی تب ان مخفی بھیدوں کے ظاہر کرنے میں کوشش کرنا اور تکلیف اٹھانا لاحاصل اور بیجا معلوم ہوا

فرد۔ داغ غلامیت کرد پایۂ خسرو بلند    صدرِ ولایت سود بندہ کہ سلطان خرید

**فائدہ:** یہ نہ جاننا کہ راہِ ولایت اور راہِ نبوت آپس میں متباین ہیں کہ ولایت کے رستے کے چلنے والے راہِ نبوت کے مقامات پر ہرگز کامیاب نہیں ہو پاتے یا راہِ نبوت کے طالب حالات ولایت کا مورد نہیں بنتے یا حبِ عشقی والے حب ایمانی سے خالی ہوتے ہیں اور حب ایمانی والے حالات عشقیہ سے غافل رہا کرتے ہیں ایسا ہرگز نہیں کیونکہ تم نے کتاب "فتوح الغیب کو" جو دینوں کے پیشوا اور صاحبانِ فنا و بقا کے امام فضیلتوں اور بزرگیوں والے حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے؛ دیکھا ہوگا جو ساری کی ساری فنائے ارادہ کے مضمون سے جو حب ایمانی کا خلاصہ ہے بھری ہوئی ہے اور وحی کے بند ہونے کے زمانے میں اس پیچ و تاب اور قلق و اضطراب کی حکایتیں تم نے سنی ہوں گی جو حضرت

سید الانبیاء والمرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے مبارک دل پر گذرا کرتی تھیں کہ اس عجز اور نیاز اور بے پروائی اور ناز کے معاملے جو درمیان میں گذر رہے تھے لیلیٰ اور مجنوں کی داستانوں کے رشک افزا ہیں بلکہ حب ایمانی کا بیج اور اس ہمیشہ کی سعادت کا نور ایمان کے رنگین اور ایمان کی شرطوں سے ہے پس مقبول طریقوں کے چلنے میں حب ایمانی کو شاہ گام گھوڑے کی طرح جاننا چاہیے اور حب عشقی کو اس طریق کے ایک جنگل یا اس راہ کی سڑک میں سے ایک سرائے کے جا بجا سمجھنا چاہیے پس حب ایمانی طریق رحمانی کے سالک کی جان کا پیوند ہے اور حب عشقی حالات اور واردات کی تحصیل سے بہرحال بعض لوگوں کے دلوں میں طبعی مناسبت کی وجہ سے حب عشقی زیادہ قوت دیتی ہے اور کشاں کشاں ولایت کے رستے لے جاتی ہے اور حب عشقی کی صورت میں حب ایمانی ظاہر ہوتی ہے اور بعض نفوس میں عشق کے جوش کے فرو ہو جانے کے بعد صرف حب ایمانی ہی باقی رہ جاتی ہے اور طریق نبوت کے مقامات کا راستہ دکھاتی ہے۔ الغرض حب ایمانی کو بنائے سلوک کے لئے بنیاد کی مانند بلکہ لکڑی اور پتھر اور تیر کی طرح جو عمارت کا مادہ ہے۔ سمجھنا چاہیے اور حب عشقی اور اس کے ثمرات کو ان سریع الزوال علاوہ رنگوں اور دلکش نقشوں کی طرح جاننا چاہیے جو اصل عمارت کے بعد ہوا کرتے ہیں اور اس بنا پر چونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہدایت کی عمارت کی مضبوطی اور عموماً انسان کی ترتیب کے مکان کی پختگی کے واسطے مبعوث ہوئے ہیں تو بہ چار اسی حب اور اس کے ثمرات کی طرف انہوں نے دعوت کی ہے اور اس رستے کے حاصل کرنے کے طریق ہی کو مضبوط اور واضح کر دیا اور حب ایمانی کے طریقوں کے کھول دینے پر اکتفا کیا اور حب عشقی کے بیان اور اس کے ثمرات کے واضح کرنے اور اس کی تحصیل کے طریقوں کے تعین کی طرف باریک اور لطیف اشارات کے سوا کچھ توجہ نہیں فرمائی اور جب اصحاب طریقت میں سے اولیائے کبار نے جو فن شریعت میں باطنی امامت اور دل کے سنوارنے کے قواعد میں جو دین متین کا خلاصہ ہے، درجہ اجتہاد کا حاصل کر چکے تھے حب ایمانی کو متواترات وغیرہ سے جان لیا اور اس کی تحصیل کے طریقوں کو اکثر اہل مذہب میں مضبوط دیکھا حتیٰ کہ اہل ملت کے عوام میں سے ہر کوئی جو ان کے زمانہ میں تھا البتہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکموں کی تعمیل اور شرع نبوی اور دین مصطفوی کے اختیار کرنے کو اپنے پر فرض جانتا تھا اور منعم کے شکر اور اس کی محبت کی خوبی اور منعم کی ناشکری

اور اس کی مخالفت کی بڑائی کی اجلی بدیہیات سے سمجھتا تھا تو حب ایمانی اور اس کے لوازم کو کامل سمجھ کر اور اسے اپنے پیروں کے دلوں میں مسلم الثبوت جا کر حب عشق کے احکام کی تفصیل اور اس کے ثمرات کی ایضاح اور اس کے حاصل کرنے کے طریقوں کے مضبوط کرنے کی طرف اپنی ہمت کے منہ کو متوجہ کر کے اس امر میں نہایت کوشش کی اور اہل اسلام میں سے ایک بھاری جماعت کو بہت نفع پہنچایا اور اس سبب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انہوں نے بڑی عزت حاصل کی فشکر اللہ مساعیہم ورفع درجاتہم فی اعلیٰ علیین[1]۔ پھر ان کے زمانے کے گذرنے سے کچھ مدت پیچھے جنیوں کی ایک جماعت ظاہر ہوئی اور کمینوں کا ایک ایسا طائفہ پیدا ہوا کہ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ[2] ان کے بدانجام حال پر منطبق ہو گیا اور وہ حب ایمانی حاصل کرنے کے طریقوں کو برباد کر کے حب عشق اور اس کے ثمرات کو حاصل کرنے کے پیچھے پڑ گئے حالانکہ یہ محض باطل خیال اور محال کا طلب کرنا ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اِنَّ تَمَّ حاجتی[3] اور مثل مشہور ہے ثَبِّتِ الْعَرْشَ ثُمَّ انْقُشْ[4] عارف بلند پیر شیخ ابو سعید ابو الخیر اس بدحال گروہ کے حال سے خبر دیتے ہیں۔ بیت

تقلید دو سہ مقلد بے معنی بدنام کند رہ جواں مرداں را

یعنی دو تین بے خبر مقلدوں کی تقلید جواں مردوں کی راہ کو بدنام کر دیتی ہے ——— اور اس کے مطلب کو واضح مثال کے ساتھ سامعین کے ذہن کے قریب کرنا چاہیئے مثلاً اللہ تعالیٰ کی اس عنایت نے جو ازل الآزال میں انسانی افراد کے حق میں مبذول تھی ایک وقت میں یوں تقاضا کیا کہ کچھ ایسے عقائد اور احکام اور معاملات " جن کو افراد انسانی کی ہدایت اور معاش معاد میں بڑے دخل والی چیزوں سے انکی نجات اور برزخ اور قیامت کے آفات سے خلاصی دینے میں قوی دخل اور عظیم تاثیر تھی " عاجز کرنے والی عربی زبان میں ان کو سکھلائے جائیں اور ان کی شرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان سے کی جائے پس جناب رسالتمآب صلوات اللہ علیہ

[1] یعنی اللہ وتبارک تعالیٰ انکی کوششوں کی قدر شناسی کر کے اعلیٰ علیین میں ان کے درجوں کو بلند کرے ۱۲
[2] یعنی پھر ایسے نالائق انکے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور شہوتوں کے پیچھے پڑ گئے ۱۲ [3] یعنی پہلے ایمان کا عیسیٰ کا بدکردار ۱۲ [4] یعنی پہلے تخت تیار کرے پھر اس کے نقش کے درپے ہو ۱۲ منہ

نے اس عاجز کرنے والے کلام کو نہایت واضح طور پر کھولکر تمام حاضرین کو پہنچا دیا پس اس قدسی فیض
کی تکمیل "جو غیب الغیب سے نازل ہوا ہے" دو وجہ سے ہو سکتی ہے اول آنکہ جن امور کو معاش اور معاد کی اصلاح
میں تاثیر ہے اور نجات اور درجوں کے بلند کرنے میں دخل ہے انہی امور کے سیکھنے کو اپنی ہمت کا قبلہ نما بنا کر
قرآن اور حدیث کی طرف متوجہ ہو اور مذکورہ عقائد کی تصحیح اور ماثورہ احکام کی تعیین اور پسندیدہ
اخلاق کی تحصیل اور سیاسیات اور معاملات مقصودہ کے قائم کرنے میں نہایت کوشش کرے اور کتاب اور
سنت سے شارع کا مقصود اور ہدایت اور سعادت کی بنیاد یہی ہے اور شارع علیہ السلام نے واضح بیان
کے ساتھ اسکی تفصیل فرمائی ہے اور اس کے مبادی حاصل کرنے کے طریقوں کو کمال قصد سے مخصوص کیا ہے
دوم آنکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے بلاغت کے طریقوں اور عقائد حقہ کی دلیلوں اور احکام منصوصہ کی حکمتوں
اور اخلاق محمودہ کے پیدا ہونے کی وجوں اور معاملات اور قوانین حدیثیہ کے نفعوں پر واقفیت کو اپنے دھیان میں
رکھ کر اور ان کو اپنے ارادہ کا قبلہ بنا کر قرآن مجید اور حدیث شریف میں غور کرے۔ اور اس طرح سے غور
کرنا شارع علیہ السلام کا بالذات مقصود نہیں اسی واسطے اس کی تصریح نہیں فرمائی اور اس کے حاصل
کرنے کے مبادی اور اس کی تکمیل کے طریقوں کو بیان نہیں کیا مثلاً علوم صرف نحو و معانی و بدیع وغیرہ
فنون عربیہ کی تفصیل اور منطق اور فلسفہ اولیٰ و مناظرہ کے استدلالیہ مسائل کی بنیاد اور قوانین اجتہادیہ
کے مباحث قیاس اور تعیین علل اور مسائل ترجیح اور قواعد جدل اور انسان کی باطنی قوتوں کی تشریح اور حکمت
عملیہ کے اصول کی تنقیح کے بارے میں شارع سے کچھ بھی منقول نہیں بلکہ جو کچھ جناب سے منقول ہے وہ
فقط قرآن اور حدیث ہے اور حجت اور دلیل اور تلوار نیزے کی ساتھ آپ کی دعوت انہی دو
چیزوں کی طرف تھی اور ان دونوں چیزوں کی اشاعت میں آپنے کس قدر مشقتیں اور تکلیفیں اٹھائی
ہیں ہاں علم قرآن مجید اور حدیث شریف کی تحصیل کے بعد یہ نازک اور باریک علم بعض لوگوں کے واسطے
اکسیر اعظم کا حکم رکھتے ہیں کہ ان کے نفسوں کو امامت اور وراثت اور نبوت کا منصب بخشتے ہیں اور اسی
واسطے جب یہ قرآن عظیم و حدیث نبی کریم حد تواتر اور شہرت کو پہنچ گئے اور ہر خاص و عام نے
اپنے حصے کے موافق اس سے کامیابی حاصل کر لی اور دونوں کی تسلیم نے تمام اہل اسلام کے دلوں
میں اولیات کی تسلیم کا رنگ چڑھا لیا تو فنون عربیہ کے استادوں اور اجتہاد کے اماموں اور علم
کلام کے داناؤں اور تہذیب و اخلاق اور حکمت ایمانیہ والوں کی کوشش سے وہ باریک علم

ظاہر ہوئے اور ان بزرگوں کو اسی کوشش کی وجہ سے علمائے امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے
درجے میں جگہ ملی ہے اور اس کے پیرو ان بحثوں کی تطویل میں نیک کوشش بجا لائے یہاں تک کہ ایسے
لمبے چوڑے باریک علم پیدا ہو گئے اور ان بزرگوں کے اس برکت والے زمانے کے گذرنے کے بعد بیہودہ
عقیدوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس میں حب جاہ اور طلب ریاست طبعی طور پر بھری ہوئی تھی
انہوں نے اسی گفتگو اور جھگڑے کو بزرگی اور کمال سمجھ کر قرآن مجید اور حدیث شریف کو پس پشت
ڈال کر اپنی تمام عمر کو ایسے ہی فضول امور کو حاصل کرنے میں ضائع کر دیا اور فلسفہ اور اعتزال کا رستہ اختیار
کر کے اس فانی جہان سے افسوس اور پشیمانی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ کیا اور آخر کار انہوں نے اپنی
تنگ قبر میں ناکامی اور ٹوٹے کے سوا اپنا غمخوار کسی کو نہ پایا۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ
اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝۔ اَعَاذَنَا
اللّٰهُ وَجَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ حَالِ اُولٰئِكَ الْجَاهِلِيْنَ

## دوسرا باب

بدعتوں سے بچنے اور عبادات کے ادا کرنے کے طریقے اور بری خصلتوں کو چھوڑنے
اور عمدہ خصلتوں کی زینت حاصل کرنے کے بیان میں۔ اور اس میں ایک مقدمہ چار فصل اور ایک خاتمہ ہے

**مقدمہ:-** اور اس میں ایک افادہ ہے کہ جو اذکار اور شغل اور مقام اور مراتب
کہ اولیائے کرام نے خلاصہ کر کے لکھتے ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سالکوں کو وہی امور پیش آتے
ہیں اور انہی اذکار اور اشغال سے ان مقامات پر پہنچتے ہیں مگر جو عنایتیں اور برکتیں کہ بارگاہ الٰہی
سے دوستوں اور اولیائے عظام کے بارے میں ہوا کرتی ہیں۔ سالکوں کے دماغ میں ان کی بو بھی نہیں پہنچتی
اور ہرگز وہ آثار مترتب نہیں ہوتے ہر چند عنایات اور برکات اور خدائے تعالیٰ کے دربار
میں قبولیت کے ظہور میں تمام اہل کمال کا برابر ہونا ممکن نہیں لیکن ہر ایک کے حسب حال اس کا ظہور
ہونا چاہیے اور ان آثار کے عدم موجودگی کی صورت میں اس امر کی جستجو اور تلاش کرنی ضروری ہے۔ جو
اس سے مانع ہو تاکہ اس کے دور کرنے کی تدبیر کی جاوے اور حقیقی مطلب حاصل ہو جائے اور اکثر

---

لہ آگاہ ہو ہم بتا دیں ہم بتا دیں تم کو کن سے زیادہ سخت ہے اکارت جن کی دوڑ بھٹک رہی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں خوب بنا
رہے ہیں کام ۱۲ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو ان جاہلوں کے حال سے پناہ دے ۱۲ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند

لوگوں میں بدعتوں کا اختیار کرنا اور بُرے اخلاق سے آلودہ ہو جانا اور شارع کے مقصود کے موافق تو طاعات سے بے پروائی کرنا اور ان کے شرعی طوروں میں عبادات کی شکل چیزوں کا آجانا عبادتوں کے ان آثار کے ظہور کا مانع ہے لہٰذا اس باب کو چار فصلوں پر بانٹنا ضروری ہوا۔

پہلی فصل بدعتوں سے پرہیز کرنے کے بیان میں۔ اور اس میں تین ہدایتیں ہیں۔ پہلی ہدایت ان بدعتوں کے بیان میں جو صوفیہ کبار قدس اللہ اسرارہم کے ساتھ تشبیہ پیدا کرنے والے صوفی شعار ملحدوں اور مشرکوں کے میل جول کے سبب سے عوام اہل اسلام میں پھیل گئی ہیں اور اس ہدایت میں دو تمہیدیں اور چند افادے ہیں۔ پہلی تمہید جو کشف اور شہود سلوک کے اعمال ہیں اور اشغال میں کوشش کرنے کے باعث پیش آتے ہیں، کافر اور مومن اور بدعتی اور متبع سنت کے درمیان مشترک ہوتا ہے لیکن مومن کا ایمان اور اتباع سنت کا ارادہ اس کی مقبولیت کا سبب ہے اور کافر کا کفر اور ملحد کا الحاد اور مبتدع کی بدعت اس کے رد کرنے والی چیزیں ہیں پس صرف اسی کشف اور شہود کو وہ کمال سمجھ لینا جو انسان سے مطلوب ہے محض خطا ہے۔ ہاں مومن کے حق میں یہ ایک کارآمد چیز ہے جو کمال مطلوب کا ذریعہ اور راستہ ہے پس انسان دو چیزوں کے ساتھ کامل ہوتا ہے۔ اول اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے مراد وہ مجمل معرفت نہیں ہے کہ ہر شخص ناکس اس سے باخبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمام اوصاف میں بزرگ برتر ہے تمام زندوں سے اس کی زندگی بہت بزرگ ہے اور تمام اہل علم کے علموں سے اس کا علم بڑھ کر ہے اور الٰہی پر اور اوصاف الٰہی کو قیاس کرو کیونکہ اگرچہ یہ معرفت بھی زائد سے خالی نہیں لیکن اتنی ہی معرفت کمال کا موجب ہوتی تو ناقص آدمی تو عنقا ہی ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی حقیقت کا جاننا اس طرح بھی مراد نہیں کہ انسان کی قوت مدرکہ بالکل اس کا احاطہ کرے کیونکہ یہ بھی ناممکن ہے مثلاً اس کے رازق ہونے کی صفت کسی آدمی پر جس طرح چاہیے ظاہر ہونے لگے تو کوئی آدمی بھی اس کے مبادی کی برداشت نہ کر سکے چہ جائیکہ اس کے انتہا کو پہنچے اگر انسان کمال میں یہ معرفت مقصود ہوتی تو کامل انسان کا پایا جانا محال ہوتا پس اس جگہ معرفت سے وہ معرفت مراد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو انسان کے پیدا کرنے سے منظور و مطلوب ہے اور اس کو قرآن اور حدیث سے معلوم کر سکتے ہیں اور اس معرفت کا درجہ بارگاہ الٰہی میں آدمی کے واسطے بڑی عزت اور بہت سارا اعتبار حاصل

ہو جاتا ہے وہ معرفت مراد نہیں جو عزت اور اعتبار کے سوا حاصل ہو جیسے حکما و فلاسفہ اور کامل انسان اس عزت یا اعتبار کے باعث اس خدمتگار اور خواص کی مانند ہو جاتا ہے جو اپنے آقا کی نظر میں معزز اور معتبر ہو گیا ہو۔ اور اس کی عزت اور اعتبار کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں مثلاً انعامات اس کو ملتی ہوں اور اسے بعض رعایا سپاہیوں یا محتاجوں یا سائلوں کے پاس ان کے پہنچانے کا حکم ہو اور اس کی بات محلِ اعتبار اور راستی کے مرتبہ پر پہنچے اور اس کی سفارش لوگوں کے حق میں قبول ہو جب اس قسم کی عزت و اعتبار معرفت ذات اور صفات کے ساتھ کسی آدمی میں جمع ہو جائے تو انسان کامل وہی ہے اور ان کے اوصاف کے باوجود کامل لوگوں کے مراتب میں اس قدر تفاوت ہوتا ہے کہ ان کا شمار محال ہے ولایت کا ادنیٰ مرتبے سے حضرت خاتم النبیین کے مرتبے تک تفاوت کو سمجھنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے رستے میں سلوک کو سلوک کے اسی مقررہ طریقے میں منحصر نہ سمجھنا چاہیے بلکہ اس کے بھی بہت سارے رستے ہیں جن میں سے یہ بھی ایک مقبول رستہ ہے اور اس رستے کا دارومدار ظاہر کتاب اور سنت کے ساتھ اس طریقہ والے اقوال اور احوال کے مطابق ہونا ہے۔ دوسری تمہید۔ راہِ حق کے بڑے غلط انداز وہ صوفی شعار ملحد ہیں جو شریعت کی مخالفت سے نہیں ڈرتے بلکہ مخالفت کے التزام کو اپنا طریق سمجھتے ہیں اور بڑے بڑے بدعتی شرک آمیز اشغال سیکھتے سکھاتے ہیں اور الحاد کا کلام لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں ان کے افعال اور اقوال کے موافق ان کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے جو قتل کرنے کے قابل ہو اس میں قتل کیا جائے اور جو تعزیر اور تنبیہ کے لائق ہو اس کو تعزیر اور تنبیہ کی جائے اور اگر شریعت کے احکام ان پر جاری نہ کر سکیں تو ان سے سخت بیزار رہیں اور ہرگز ان کی ملاقات نہ کریں اور ان کے سامنے جانے کو برا جانیں اور اگر ان میں سے کسی کی ہدایت کا گمان ہو تو ایک دو بار ملاقات کر لیں پھر اگر اس کو ہدایت ہو گئی تو یہ اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھیں نہیں تو اس کے پاس جانے سے باز رہیں کیونکہ بُری صحبت سے بچنا بھی اللہ جل شانہٗ کے طالب کے حق میں نہایت ضروری چیز ہے۔ بیت:۔

نخست موعظتِ پیرِ صحبت ایں حرف است
که از مصاحبِ ناجنس احتراز کنید

پہلا افادہ:۔ اللہ عزوجل اور اس کے شعائر کے حق میں بے ادبانہ کلمات نکالنا بھی صوفی شعار ملحدوں کی ان بدعات میں سے ہے جو عوام اہلِ زمان میں پھیل گئے ہیں بلکہ بعض مقبول آدمی

بھی اس میں مبتلا ہو گئے ہیں پس حق طلب کو چاہیئے کہ ایسے کلمات کے سننے سے پرہیز کرے اگرچہ ان کے کہنے والے کے حق میں نیک گمان بھی ہو خود ہرگز نہ کہے کیونکہ بے ادبی کا ثمرہ نیک نہیں اور اگر کسی سے ہو بھی جائے تو پیروی کے لائق نہیں۔ بیت:۔

حافظا علم وادب ورز کہ در مجلس شاہ — ہر کرا نیست ادب لائق صحبت نبود

مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے ایک کوڑی سے خدا کو خریدا ہے (یعنی کسی وقت ایک کوڑی کا پانی مقبول ہو گیا اور اس کے معرفت کے دروازے کے کھلنے کا باعث ہوا) پس اس نے اس مدعا کو ان لفظوں سے تعبیر کیا ہر چند مراد ٹھیک ہے لیکن تعبیر بیجا ہے اگر یوں کہتا میں ایک کوڑی دیکر اس کے بندوں میں داخل ہوا تو بہتر ہوتا۔ اسی طرح سو بار صحیح تعبیر کرے اور بے ادبی سے بہت دور رہے اور اپنے آپ کو غلاموں میں سے ایک غلام بلکہ بے پرواہ عالی جاہ بڑی عنایتوں والے نہایت مہربانیوں والے سخت گرفت والے جلدی بدلہ لینے والے بادشاہ کے کمترین بندوں سے جانے اور ہمیشہ ہر حرکت اور سکون میں ڈرتا اور کانپتا رہے اگرچہ عجیب حالتیں وارد ہو کر بے ادبانہ کلموں کے صادر ہونیکا تقاضا کریں۔ **دوسرا افادہ:۔** توحید وجودی اتحادی کی گفتگو وجودیہ ملحدوں کی ان بدعات سے ہے جو عام اور خاص لوگوں میں مشہور ہو کر طریقت کے بڑے بڑے پیشواؤں کے اقوال سے مشابہ ہو گئی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے اتحاد کے گمان پر نفسانی لذتیں حاصل کرتے ہیں اور شیطان اور خبیث نفسوں کے مکر اور فریب سے اس گفتگو کو معارف اور حقائق گمان کرتے ہیں اور ان اقوال کے نقصانوں سے چھوٹا نقصان یہ ہے کہ اپنے عزیز وقتوں کو محض بے فائدہ کام میں خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے پیشوا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا امر نہیں فرمایا اور اس کو بیان بھی نہیں کیا پس ہمکو اس سے کیا فائدہ اگر نماز اور روزے کی طرح یہ کام ہمارے کار آمد ہوتا تو آپ ہمیں اس پر آگاہ فرماتے حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔ آپ کی شان ہے پس اس سے خاموش رہنا ہمارے حق میں بہتر ہے اور ہماری کوئی غرض بھی اس سے متعلق نہیں۔ اور چونکہ اس اس گفتگو کا رواج ہو چکا ہے اس کے واقعی اور غیر واقعی ہونے کے بارے میں استفسار کرتے ہیں پس اتنا جاننا چاہیئے کہ یہ مخلوقات عین خدا نہیں اگرچہ ان کا قیوم اسی کی ذات ہے بلکہ اس کی تمثیل صفات سے کرنی چاہیئے کہ جس طرح صفتیں نہ خدا کا عین اور نہ اس کا غیر بلکہ اس کے ساتھ قائم ہیں اسی طرح

باقی مخلوقات بھی نہ صفات کا عین ہیں نہ غیر بلکہ ان صفات کا مظہر ہیں۔ پس صفات اگرچہ بذاتِ خود مظاہر سے مستغنی ہیں حکمتِ الٰہیہ کے تقاضے سے باوجود استغنا کے مختلف مظاہر یعنی مخلوقات میں ظاہر ہوئی ہیں اور طریقت کے بزرگواروں ۔ یہی معنی اس کا مراد لیا ہے جسے اس وقت کے ملحدوں نے ان کے مقصود کے برخلاف حمل کر کے تحریف اور دھوکہ دہی کا رستہ اختیار کیا ہے پس اس قدر جاننے سے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اپنے اوقات کو اس گفتگو میں صرف کرنا محض بیجا ہے بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے کمالات سے محرومی کا باعث ہے۔

**تیسرا افادہ:۔** تقدیر کے مسئلہ میں قیل و قال اور بحث و جدال کرنا بھی صوفی شعار ملحدوں کی ان بدعات سے ہے جو عام اہلِ اسلام میں مشہور ہو گئی ہیں۔ جاننا چاہیے کہ ایمان بالقدر اسلام کے بڑے عقیدوں اور شریعت کے مؤکد واجبوں سے ہے اور چونکہ سرسری نظر میں تقدیر کا مسئلہ تکلیف کی بحث سے تعارض رکھتا ہے اسی واسطے شارع علیہ السلام نے اس باریک مسئلہ میں تعمق کرنے اور اس گہری بحث میں خوض کرنے سے سخت تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے پس لاچار اہلِ اسلام پر واجب ہے کہ اس کے اجمالی ایمان پر اکتفا کریں اور اس گہرے موجزن دریا یعنی اس مسئلہ کی تفصیل و توضیح میں نہ گھسیں لیکن ان دنوں میں تقدیر کے منکر رافضیوں اور تکلیف کے منکر ملحدوں کے میل جول کی وجہ سے بعضوں نے تشریع کو معارض سمجھا ہے اور تقدیر کے مسئلہ سے تمسک کر کے شرعی مسائل کے باطل کرنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں ناچار بحکم اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ۔ اس مسئلہ کی تحقیق میں کچھ اجمالی اشارہ کیا جاتا ہے اور باوجود اس کے فقط اس اجمالی ایمان کا اہتمام اس کتاب میں مقصود ہے اور خالص مومنوں کو گمراہ کرنے والے شیطان رافضیوں اور ملحدوں کی پیروی سے بچانے کے واسطے اس کی تفصیل کی گئی ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ تمام بندوں کے افعال اور اقوال اور ان کی حرکتیں اور سکون اور ان کا علم اور ارادے اور ان کی بھلی اور بری صفتیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں ہاں بعض بندوں میں بعض فعل اور بعض بندوں میں اور فعل جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں ایمان کے پیدا کرنے اور ابوجہل کے دل میں کفر پیدا کرنے کی تخصیص میں ایک خفی حکمت ہے کہ اس حکیم علی الاطلاق کے سوا کوئی بھی شرح تفصیل کے ساتھ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر اتنا معلوم ہے کہ ازلی استعدادوں کی تفاوت کا لحاظ ہی وہ حکمت ہے اور استعدادات ازلیہ کے اختلاف کو سمجھنے کے لئے یہ تمثیل ہے کہ ایک بڑا عظیم الشان درخت ہے

جس میں ہزار قسم کی لکڑی موجود ہے بعض ان میں سے جلانے کے قابل ہیں اور بعض ان میں سے پیالے
بنانے کے لائق ہیں اور جو جلانے کے قابل ہیں ان میں بھی بے حد تفاوت ہے مثلاً بعض تو درخت
کے کاٹنے کے وقت ایسے ہلکے پھلکے بیکار ٹکڑے رہیں گے جو آگ جلانے کے ابتداء میں کام آتے
ہیں بلکہ پہلے پہل ان کے سوا آگ سلگتی ہی نہیں اور کچھ ان میں سے ایسی سخت گرہیں رہ گئی جو آگ
کے شعلوں کے بہت تیز ہونے کے وقت ڈالی جانی چاہئیں تاکہ اس تیز آگ میں جل سکیں اور کچھ
لکڑیاں ایسی نکلیں گی جو عمارت کے کام آتی ہیں کوئی ستون بنے گا اور کوئی شہتیر اور کسی کے تختے
پھر ان میں بھی بہت فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ کچھ تختے تو خاص شاہی خلوت خانے کی چھت کے
لائق ہیں۔ اور کچھ تختے قیدیوں کے پاخانے میں قدم رکھنے کی جگہ کام آتے ہیں۔ ایک تختی تو ایسی
ہوتی ہے کہ کسی حق پرست کامل کے ہاتھ سے کلام الٰہی کے حرفوں کے لکھنے کے لیے بنائی گئی ہے
اور ایک تختی ایسی ہوتی ہے۔ کہ ناکارہ ہونے کی وجہ سے پامال ہوتی رہتی ہے اور اس طرح
استعدادوں کے اختلاف کی مثالیں جو بے شمار ہیں۔ نوع انسانی کے افراد میں سمجھ لینی چاہیئے اور
اسی تمثیل کو حضرت شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہروی قدس اللہ سرہٗ نے عمدہ اور مختصر
عبارت میں ادا فرمایا ہے (اور وہ یہ ہے) آہ آہ ازیں تفاوت راہ۔ دو آہن پارہ ازیک
جائیگاہ۔ یکے سم ستوراں و دیگر آئینہ شاہ۔ یعنی یہ تفاوت مدارج حیرت و تعجب کا مقام ہے
ایک ہی کان سے نکلے ہوئے لوہے کے دو ٹکڑے ہیں ایک چارپایوں کا نعل بنا اور دوسرا
بادشاہ کا آئینہ۔ اصل پیدائش میں صلاح اور فساد میں ساری استعدادوں کا برابر کرنا یا پیدا
کرنے کے بعد ہر فاسد استعداد کا سنوارنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے نہایت ہی آسان
امر اور سہل کام ہے۔ لیکن اصل پیدائشی صلاح اور فساد میں استعدادوں کی تفاوت اور بعض
فاسد استعدادوں کی اصلاح اور بعض کو ازلی فساد پر ہی رکھنا حکمت (خداوندی) کا مقتضا
ہے تاکہ کارخانہائے خداوندی۔ جن سے مراد جمیع صفات کمال کی جامعیت ہے۔ اور دو عظیم الشان
کارخانے ظاہر ہوں اول عفو کا کارخانہ ہے اس لئے کہ اگر اصل پیدائش میں ساری استعدادیں
میں برابر ہوتیں یا اللہ تعالیٰ محض اپنی مہربانی کے ساتھ کسی فاسد استعداد کی اصلاح نہ فرماتا
تو عفو اور حلم ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتے تھے اور دوسرا کارخانہ حکومت کا ہے جس سے فرمانبرداروں

کو انعام دینا اصطبہ فرمانوں کو عذاب کرنا مراد ہے۔ پس اگر ساری استعدادیں اصل پیدائش کی
رو سے صلاح اور فساد میں برابر ہوتیں یا اللہ تعالیٰ ساری فاسد استعدادوں کو سنوار دیتا تو اس
حکومت کی صفت اپنی دونوں وجہوں تعذیب اور تنعیم پر ظاہر نہ ہوتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ
بادشاہی کا کارخانہ جیل خانے اور قیدیوں اور جاگیروں اور جاگیرداروں کے سوا اپنے کمال پر
نہیں ہو سکتا اور اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی کمال اور اس مطلق بے پرواہی کی کامل صفتیں بلحاظ
ظہور سے مستغنی اور مظاہر سے پاک ہیں اللہ عزوجل نے اس آیۃ کریمہ میں اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا
ان اللہ لغنی عن العلمین لیکن جس طرح ہر صاحب کمال کا کمال اپنے ظہور کو چاہتا ہے۔ اور
ان کمالات کا ظاہر ہونا اس کمال والے کو خوشی پہنچاتا ہے اگرچہ وہ صاحب کمال اپنے کمال میں
اس کے آثار کے ظاہر ہونے سے بے پرواہ ہوتا ہے جیسے عمدہ لکھنے والا کاتب اگرچہ بالفعل
نقش بنانا اس کے کمالات کے شمار میں نہیں بلکہ اس کا کمال تو وہی کتابت کا ملکہ ہے کہ وہ ہمیشہ
اس کے نفس میں موجود رہتا ہے لیکن کتابت کا ملکہ عمدہ نقشوں کے صادر ہونے کی اقتضا کرتا ہے
اور وہ کاتب ان نقشوں کے صادر ہونے کے باعث نہایت ہی خوش ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ جل شانہ
کی ازلی صفتیں مظاہر سے مستغنی ہونے کے باوجود ظاہر ہونیکا تقاضا کرتی ہیں اور حق جل و علا
کو رنگارنگ مظاہر کے پائے جاتے اور طرح طرح کے آثار کے ظاہر ہونے سے اپنے کمالات
پر نہایت خوشی ثابت ہوتی ہے اور اس تقریر سے وہ شبہ جو اکثر عوام کے دلوں میں گذرتا
تھا دفع ہو گیا اس کا بیان اس طرح ہے کہ اکثر عوام کو سرسری نظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
(اللہ) تعالیٰ نے اصلاح دارین میں تمام بندوں کو برابر کیوں پیدا نہیں کیا تاکہ تمام آدمی معاش
اور معاد کے امر میں نعمت اور خوشی میں گذارتے یا سارے فاسدہ استعدادوں کی اصلاح
کیوں نہیں فرمائی۔ کیونکہ یہ اصلاح ان کے حق میں مہربانی اور بخشش ہے اور اللہ پاک کی
قدرت اور بخشش بے انتہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ساری کمال کی صفتوں
کا جامع کر بادشاہت بھی ان میں سے ایک صفت ہے اور بادشاہت کی ایک شاخ بڑا وسیع
کارخانہ ہے جو بے فرمانوں اور منکروں کو سزا اور عذاب دینے پر مشتمل ہے پس اگر یہ شاخ ظاہر
نہ ہوتی تو بے شک مملکت کا امر اپنے کمال کو نہ پہنچتا۔

بیت در کارخانۂ عقل از کفر ناگزیر است ۔ دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد۔ اس جگہ ایک جواب طلب سوال باقی ہے جس کا بیان یوں ہے کہ جب افعال اور اقوال کا مدار ازلی استعدادوں پر ہے اور ازلی استعدادیں آدمیوں کی طاقت سے باہر ہیں پس سرکش کافروں اور ضدی بے فرمانوں پر الزام اور سزا کا طریقہ بند ہو جاتا ہے (کیونکہ حقیقت میں وہ لوگ مجبور اور بے اختیار ہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے دو طرح کی مخلوقات پیدا کی ہے ایک قسم تو وہ کہ اس میں علم اور ارادہ پیدا نہیں کیا جیسے درخت اور پتھر اور دوسری قسم وہ ہے کہ اس میں یہ دونوں صفتیں امانت رکھی ہیں جیسے جن اور آدمی۔ پس جن میں علم رکھا گیا ہے چونکہ وہ اپنی ذات اور صفات اور اعضا اور جوارح اور اقوال اور افعال کو معلوم کرتے ہیں تو البتہ ان مذکورہ چیزوں کو اپنی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً جانتے ہیں کہ یہ ہاتھ اور پاؤں ہمارے ہیں اور یہ قول اور فعل ہم سے صادر ہوا ہے پس جو فعل ان کے ارادے کے ذریعے سے صادر ہوتے ہیں گو ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے البتہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل ہمارے ارادے سے صادر ہوئے ہیں اور چونکہ باقی احکام شرعیہ کی مانند مذکورہ فعلوں کی نسبت انسان کی طرف قرآن مجید سے صراحتہً ثابت ہے پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ جس طرح باقی احکام قرآن کریم سے سمجھ کر انہوں نے قبول کئے ہیں۔ اس حکم کو بھی قبول کریں۔ اور اپنے بد کاموں کو اپنی طرف نسبت کریں اور اس بات کا جان لینا کہ یہ کام ہمارے ارادے سے صادر ہوا ہے سزا اور تنبیہ کے متوجہ ہونے کیلئے کافی ہے لیکن یہ بات کہ آدمی کو علم کیوں دیا گیا یا ارادے کی صفت کیوں پیدا کی گئی یا اس کے ارادے کو ان افعال اور اقوال کی طرف کیوں متوجہ کیا گیا پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام ازلی استعدادوں کے آثار کے ظاہر ہونے کے قبیل سے ہیں اور ازلی استعدادوں کی تفاوت کا سبب آغاز کلام میں ذکر کیا گیا ہے اور اگر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب ثابت ہو گیا کہ بیت ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ میل اورا در دلش انداختند۔ پس پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے اور دلیلوں کے قائم کرنے اور دعوت کے ظاہر کرنے اور پڑھنے پڑھانے میں کوشش کرنے اور جہاد اور حدود کے مشروع ہونے میں کیا حکمت ہے پس میں جواب دیتا ہوں کہ اگرچہ تمام مخلوقات بلا واسطہ عزوجل کے پیدا کی ہوئی ہے لیکن اس حکیم مطلق نے اپنی

خالق حکمت کے تقاضے سے بعض چیزوں کو بعض موجودات کے ساتھ گانٹھ دیا ہے اور مسببات اور اسباب کا سلسلہ پیدا کر دیا ہے جیسے آفتاب کا جسم اور اس کی روشنی اگرچہ دونوں بلاواسطہ جناب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے ہیں لیکن روشنی اور آفتاب کے جسم میں اس خداوند کریم نے ایک خاص ربط پیدا کر دیا ہے کہ اسی ربط اور پیوندگی کی وجہ سے آفتاب کو سبب اور روشنی کو مسبب کہتے ہیں پس یہی قیاس کرنا چاہیے کہ اگرچہ جتنے فعل اور قول جو ارادے والی چیزوں سے صادر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں لیکن ان فعلوں اور ارادوں میں سببیت اور مسببیت کا جوڑا اسی مطلق حکیم نے اپنی حکمت کے مقتضا سے واقع کر دیا ہے اور اسی طرح صاحب ارادہ چیزوں کے ارادہ کے درمیان اور پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے اور انہی جیسے مذکورۃ الصدر امور کے درمیان سببیت کا علاقہ مضبوط کر دیا ہے مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ فرمانبردار لوگوں کے دلوں میں ان کاموں کا ارادہ جنکی بجا آوری کا حکم کیا گیا ہے۔ ہدایت کرنیوالوں کی ہدایت اور سکھانیوالوں کی تعلیم سے پیدا ہوا ہے یا بت پرستی یا زنا کرنے اور شراب پینے کا ارادہ جہاد کرنے اور حد لگانے کے خوف سے نابود ہو گیا ہے اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ تمام افعال اور اقوال اگرچہ ازلی استعدادوں کے آثار ہیں لیکن صرف پوشیدہ استعداد پر سزا نہیں دی جا سکتی اس واسطے کہ استعداد الزام کے قابل نہیں۔ بد آدمی اپنی بدی سے انکار کر سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نیک کو اپنے برابر جانے اور اپنی سزا اور نیک کام کے ثواب کو ظلم اور بیداد سمجھنے لگے نیز عدل اور حکمت اور مروت کے ساتھ متصف بادشاہوں کی عادت یہی ہے کہ اپنے علم کی وجہ سے خواہ وہ یقینی ہی ہو کبھی انعام اور سزا نہیں دیتے اس کا نمونہ یہ ہے کہ ایک حاکم اپنے رفیق کو جانتا ہے کہ وہ بلاشبہ بڑا بہادر ہے اور کسی میدان جنگ میں قصور نہ کریگا اور کوشش اور جانفشانی کی داد دیگا لیکن میدان جنگ میں کسی نمایاں امر کے ظاہر ہونے کے بغیر اس کو ایسا انعام نہ دیگا جس سے اس کو دوسرے لوگوں پر فوقیت حاصل ہو اور اس کی ضد کی مثال میں آشنائی کافی ہے ایک شخص بھیڑیے کے بچے کو پالتا ہے اور یقیناً جانتا ہے کہ انسان پر حملہ کرنا اور اسے پھاڑ ڈالنا اس کی طبعی عادت مگر اس کے اثر کے ظاہر ہونے کے سوا اس شخص کا غضب جوش نہ ماریگا اور وہ اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ نہ کریگا اور جونہی کسی انسان پر اس نے حملہ کیا اس قدر

غضب ہوگا کہ قتل کے سوا اور کوئی سزا اس کے واسطے تجویز نہ کریگا اور اس کے مار ڈالنے کے بغیر اس کی تسلی نہ ہوگی اللہ تعالیٰ کی جزا و سزا کے کارخانے کو ایک گونہ انہی تمثیلات میں سے سمجھنا چاہیے اگرچہ اس علام الغیوب کو ذرہ ذرہ ازلی استعدادیں معلوم ہیں لیکن گناہ کے بغیر اس کا غضب انتقام کا باعث نہیں ہوتا اور ایسا ہی عبادات کے ظاہر ہونے کے سوا اسکی رحمت کا دریا خوش زن نہیں ہوتا بیت

تانہ گرید کودکے حلوا فروش — بحر بخشائش نمے آید بجوش

**چوتھا افادہ** - مرشد کی تعظیم میں اس قدر افراط کرنا کہ جس سے اس کے خدا یا نبی ہونے کا اعتقاد ظاہر ہو مخفی شعار مشرکوں کی ان بدعات میں سے ہے جو عموماً تمام اہل زمان میں اور خصوصاً ہندوستان کے ملک میں مشہور ہو چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بعض مقبول لوگ بھی اس میں پھنس گئے ہیں پس ضروری ہے کہ اسکی حد اعتدال کو سمجھ لینا چاہیے اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ بیشک مرشد اللہ تعالیٰ کے رستے کا وسیلہ ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اسکی طرف (پہنچنے کیلئے) وسیلہ ڈھونڈو اور اسکے رستے میں جہاد کرو کہ شاید تم نجات پاؤ۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نجات کے واسطے یہ چار چیزیں ایمان اور تقویٰ اور وسیلہ کا طلب کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا مقرر فرمائی ہیں اہل سلوک اس آیت کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور وسیلہ مرشد کو جانتے ہیں۔ پس حقیقی نجات کیلئے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈھنا ضروری ہے اور سنت اللہ بھی اسی طرز پر جاری ہے اسی واسطے راہبر کے سوا راستہ پالینا نہایت نادر [illegible] کیا ہے۔ پس مرشد اس شخص کو بنانا چاہیے جو کسی طرح شریعت کے مخالف نہ ہو اور متابعت قرآن اور حدیث کے سیدھے راستے پر ثابت قدم ہو ایسے شخص کو اپنا ہادی اور مرشد مقرر کرے لیکن ایسا نہ چاہیے کہ مرید ہر حال میں اس کے اتباع کو منظور رکھے بلکہ مطلق پیشوا شرع شریف کو جانے اور بالاصالہ خدا اور رسول کے حکم کا متبع ہو۔ اور جو چیز شرع شریف کے رو سے مرشد فرمائے اسے دل اور جان کے ساتھ قبول کرے اور شریعت کے مباح امر کو اس کے حکم کی وجہ سے لازم جانے اور جو کچھ شریعت کے برخلاف کہے اس کی متابعت ہرگز نہ کرے بلکہ اس کو رد کرے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے

نا فرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنی چاہیے اور مرشد کی محبت اس طرح چاہیے کہ اپنے مال اور جان کو اس کی رضا اور آرام کے واسطے خرچ دے۔ اور دنیا کی کسی چیز کو اس کی رضامندی سے زیادہ عزیز نہ جانے اس لیے کہ جو نفع پیر سے پہنچتا ہے اس کو فائدہ تمام دنیا سے ہزاروں درجہ بہتر ہے اور اس حد تک پیر کی محبت منع ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی نافرمانی کو اس کی محبت کے پہلو میں گوارا کرے۔ کیونکہ یہ بات اللہ جل شانہ کے دربار سے دوری کا باعث ہے تمام محبتوں اور حقوق کی اصل اللہ تعالیٰ کی محبت اور حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے حق کے سامنے کسی اور محبت اور حق کو خیال میں لانا اس جل شانہ سے محجوب اور اس کی عنایتوں سے محروم ہونا ہے اور اگر پیر کے ساتھ بیعت کرنے کے بعد کسی طالب حق کو اس پیر میں کوئی منکر کام معلوم ہو جائے۔ پس اس کو نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے واسطے دعا کرے اور اگر وہ باز نہ آئے اور اس کام کو نہ چھوڑے تو اگر وہ کام فساد عقیدہ کی قسم سے ہے تو اس سے بیعت کو توڑ دے اور اس کو اپنا پیر اور مرشد نہ جانے اور اگر وہ کام فساد عقیدہ سے نہ ہو تو بیعت نہ توڑے لیکن اس کو بلا میں مبتلا جانے کہ اس کام میں اس کی پیروی کرنا حرام جان کر اس بلا سے اس کی نجات میں ظاہری اور باطنی کوشش بجالائے۔

**پانچواں افادہ۔** اہل اللہ کی قبروں پر ناجائز بدعتوں کا اظہار صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات سے ہے جو اس ملک کے لوگوں کی نظر میں نیک کام کے لباس میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اگرچہ وہ بدعتیں بے شمار ہیں لیکن دو تین قبیح امر مثال کے طور پر اس مقام میں ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ دوسرے قبیح کاموں کو بھی انہیں امور مذکورہ پر قیاس کر سکیں دور دور کے ملکوں سے سفر کی بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا کر اور رات دن کی تکلیفیں اور دکھ جھیل کر اولیاء اللہ کے قبروں کی زیارت کے واسطے آنا انہی بدعات میں سے ہے اور ان سفروں میں اگرچہ تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور یہ سفر ان کو شرک کے ظلمات اور اللہ تعالیٰ کی غضب کی وادی میں پہنچاتے ہیں تاہم عوام اس سفر کو سفر حج کے برابر بلکہ بعض وجوہ سے بہتر جانتے ہیں اور شکل احرام اور محرمین کی صورت کر بعینہ اس طرح یا ان کی مشابہ احرام باندھتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ بدانجام مسافر اس

سفر ہیں اور ان کے متعلقین گھروں میں اپنی طرف سے کئی ایک واہیات قیدوں کا التزام کرتے ہیں
الغرض اگرچہ صاف باطن لوگوں کو اولیاء اللہ کی قبروں کی طرف سفر کرنے سے کسی قدر فائدہ ہوتا
ہے. مگر عام مومنوں کو اس سے اس قدر بھاری نقصان پہنچتا ہے کہ بیان سے باہر ہے پس سب
خواص وعوام کو چاہیے کہ ضرور اس امر سے اعراض کریں اسکو بھلادیں اور منجملہ ان بدعات
کے اہل قبور سے مدد مانگنا اور استعانت کرنا ہے کہ ان کو مطلق حاجت روا جان کر طلب اور
آرزو میں شرک کی داد دیتے ہیں اور ان لوگوں کا توحید کے سیدھے راستے سے دور ہو جانا
تو ظاہر ہے لیکن اس جگہ اہل دلوں میں سے ان خاص لوگوں کا حال بیان کرنا منظور ہے جو باطنی
فیض کے حاصل کرنے کے ارادے پر دور کی قبروں کی زیارت کرتے جاتے ہیں پس جاننا چاہیے
کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اولیا اور مقبولوں کیلئے موت ایک ایسا پل ہے کہ ان کو اپنے دوست تک پہنچا
دیتا ہے اور ان کو ایسے انعام اور معارف عطا ہوتے ہیں کہ اس جہان میں زندوں کو بہت کم ملا
کرتے ہیں اس بنا پر ان کو زندہ کہنا چاہیے لیکن اس جہان کے حکموں کی طرف نسبت کرنے سے
بیشک وہ مردہ ہیں جو قدرت اور طاقت اس جہان کے زندوں کو حاصل ہے ان کو ہرگز نہیں
اور اگر فی الواقع ایسی قدرت اور طاقت ثابت اور قبروں کی مجاورت سے مقصود حاصل ہو جاتا
تو سارا جہان مدینہ منورہ کو چلا جاتا اور تربیت اور ارشاد کا سلسلہ بالکل لغو اور بے فائدہ ہو
جاتا پس واضح ہو گیا کہ لوگوں کی تربیت اور ارشاد میں عادت اللہ اسی طرز پر جاری ہے
کہ فیوض باطنی زندوں سے حاصل کیے جائیں اور اگر کسی وقت کسی شخص کو ایسا زندہ نہ ملے جس سے
مشکل کے حل ہو جانیکا گمان ہو تو اسے دور کے ملکوں سے قبروں کی زیارت کے واسطے سفر نہ
کرنا چاہیے بلکہ قرآن مجید اور حدیث شریف کی متابعت کو لازم پکڑے کیونکہ یہ دونوں چیزیں
حل مشکلات کیلئے کلید ہیں. پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے وَتَرَكْتُ فِيكُمُ
الثَّقَلَيْنِ اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِىْ كِتَابُ اللهِ وَعِتْرَتِىْ اَهْلِ بَيْتِىْ یعنی میں تمہارے
پاس قرآن اور اپنی اولاد دو بزرگ چیزیں چھوڑ چلا ہوں میرے پیچھے جب تک تم ان دونوں کو مضبوط
پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے. اور دوسری روایت میں اس طرح پر آیا ہے تَرَكْتُ فِيكُمْ
اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللهِ وَسُنَّتِىْ. میں تمہارے پاس اللہ کی کتاب

اور اس کے رسول کی سنت دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہوگے
ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ پس اس زمانہ میں آپ کی پاک آل میں سے مقبول آدمی کا پہچاننا اگرچہ دشوار
امر ہے، کیونکہ آپ کی پاک آل میں سے اس حدیث شریف کا مصداق وہی شخص ہوگا کہ اس کے
تمام اقوال اور افعال اور احوال قرآن مجید اور حدیث شریف کے موافق ہوں اور ظاہر ہے کہ
اس زمانے میں ایسے بزرگوں کا پایا جانا اکسیر اعظم اور کبریت احمر کی مانند نادر اور کمیاب ہے۔ لیکن
قرآن مجید جو نجات کے لئے بہتر ذریعہ ہے ہر جگہ موجود ہے اور اسی طرح حدیث ہر وقت میسر ہے
پس اسی کا اتباع بڑی غنیمت جانے اور اسی کو اعلیٰ ولایت سمجھے اور درحقیقت ہے بھی ایسا ہی اسلئے
کہ قرآن وحدیث کی پوری متابعت ہی ولایت ہے اور اگر ان کو قوت اور طاقت ہو بھی تو انبیاء
علیہم الصلوٰۃ والسلام کے غیر میں شیطان کی دھوکا دہی کا مقام ہے اور جو تمہارے ارواح کے آثار کا
ظاہر ہونا پوشیدہ امر ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ شیطان اُن کی آواز یا صورت کی نقل کر کے خلاف
شرع کام کا حکم کرے اور یہ بے خبر بیچارہ نہایت اعتقاد اور حد سے زیادہ نیاز کی وجہ سے
دل وجان کے ساتھ قبول کرکے جو کچھ قرآن اور حدیث میں متواتر طور پر ثابت ہوا ہے اس سے
چشم پوشی کر کے ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے اور صورت یا آواز کی نقل تو صورت یا آواز کے
پہچاننے والے کیلئے کرنی پڑتی ہے اور جو شخص پہچانتا ہی نہ ہو تو اسے سیدھے راستے سے
پھسلانے کے واسطے مراقبات میں حالت بدلنے اور توجہات اور کیفیتوں کے وقت صرف آواز یا دل
میں القا ہی کافی ہے اور بعض نادان اکثر اوقات کہا کرتے ہیں کہ نوکری یا تجارت کے طور پر معاش
کی تلاش میں دور کے سفر کرنے تو جائز ہیں پس دینی مطلب کے حاصل ہونے کے گمان پر ایسے
سفر کیوں برے ہیں پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طریق دینی مطلب کے حاصل ہونے کا راستہ
نہیں ہے بلکہ یہ راستہ ڈاکوؤں اور چوروں کی دست اندازی سے ایمان کے مایہ کے برباد
ہونے اور کسب سعادت کے اصل سرمایہ کے ضائع ہو جانے کا مقام ہے۔ اور قبروں پر چراغ
کا روشن کرنا بھی جسے روشنی کہتے ہیں انہیں بدعات میں سے ہے یہ کام بیشک حرام ہے اور صحیح
حدیث میں اس کام پر صریح لعنت وارد ہوئی ہے اور یہی لوگ ہیں جو معاذ اللہ اس کو لیلۃ القدر
اور شب برات کے انوار کے ظہور کے وقت کی طرح قبولیت کی ساعت جان کر اس وقت میں

دعا کرنے کے منتظر رہتے ہیں اور چراغوں کے روشن ہو جانے کے ساتھ ہی دعا کرنے کو ضروری مقصودوں سے جانتے ہیں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ چور اور زانی کا ایمان چوری اور زنا کرنے کے وقت جدا ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ تر دعا کرنے کیوقت ان لوگوں کا ایمان برباد ہو جاتا ہے بلکہ اگر جہالت اور نادانی کا عذر نہ ہو تا تو صاف کافر ہو جاتے ہیں اور جو شخص جاہل نہیں وہ تو ضرور کافر ہو جاتا ہے کیونکہ شرعی حرام کو اس نے عمدہ عبادات سمجھا حالانکہ صرف حرام کو حلال جاننا کفر ہوتا ہے چہ جائیکہ اسکو عبادت جانے۔

**چھٹا افادہ** - اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کا اس طور پیدا کرنا کہ شرک خفی اور اسراف اور کئی طرح کی بدعتیں اس میں پیدا ہو جائیں صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات میں سے ہے جو اہل اسلام کے خاص و عام میں بلکہ اکثروں میں نہایت درجہ کی مشہور ہو چکی ہیں اس کا بیان یہ ہے کہ اس امر کی اصل اگرچہ بہت عمدہ اور حکم شرع کے موافق ہے لیکن جب عوام نے اپنے ظنوں اور وہموں کو اس میں دخل دیا اور ان کی اولاد اپنے سلف کے تابع ہو گئی اور ان امور کی تجدید اور تحدید کی - اور ہر کہ آمد بر آں مزید کرد وا لے تا عدے کو دستور العمل ٹھیرا دیا تو وہ پسندیدہ اصل تو پوشیدہ ہو گیا - اور وہ خبیث اور ناپاک فروع جو لوگوں کے تماشہ خواہش سے پیدا ہوئی تھیں ظاہر اور رائج ہو گئیں اور وہ فروع اپنی خباثت میں متفاوت ہیں اور ان سب سے ادنیٰ رسم اور عادت کی تقلید اور یہاں تک اس امر کا التزام کرنا ہے کہ اس کا چھوڑنا محال ہو چکا ہے اور ان امور میں جو چیز لازم نہیں اس کو لازم جاننا شیطانی چھیڑ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات سے بعید ہے نماز کے بعد داہنے طرف سے پھرنے کا التزام منع ہونا اس بیان کا گواہ ہے۔ اس لئے کہ جب اس قدر سہل کام کا التزام کہ نماز سے فارغ ہو کر داہنی ہی طرف سے پھرنا چاہیے شیطان کا حصہ ہو گیا تو دوسرے عمدہ کاموں اور ان کے التزام کی تعبیر نصیب شیطان سے جری کرنی چاہیئے اور ان سب سے اعلیٰ شرک ہے جو کہ مثلاً حضرت سید احمد کبیر قدس اللہ سرہ کی گائے کے ذبح کرنے کے وقت ان دنوں اس ملک کے عوام سے دیکھی جاتی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ زندوں کی عبادت کا ثواب بیشک دو سبیل سے مردوں کو پہنچتا ہے۔

**پہلی سبیل** جو کہ عمدہ اور بہتر ہے یہ ہے کہ مردے اور زندے کے درمیان ایسا علاقہ ہو
کہ اس علاقے کی وجہ سے زندے کی عبادت میں میت کا دخل ثابت ہو مثلاً باپ بیٹا ہونے
کا علاقہ خواہ وہ ابوت اور بنوّت ولادت کی وجہ سے ہو یا تعلیم اور ارشاد کی وجہ سے جو شخص
کہ عبادت کرتا ہے اس کے ہر قسم کے آثار کو جس قدر کہ انہوں نے اس کی ظاہری اور باطنی
ترتیب میں کوشش کی ہے ثواب پہنچتا ہے۔ پس مسلمان آدمی نیک کام میں جس قدر کوشش
کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خالص نیت کرتا ہے اللہ جل شانہٗ کا حق جو کہ سب
حقوں سے بڑھ کر ہے، اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق اور سارے استادوں اور
مرشدوں اور گذرے ہوئے مومن باپ دادوں اور گذری ہوئی مومن ماؤں کا حق اس
کے ذمے سے ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں بندگی کے اچھی نیک علامت
ہے محض اس کے فضل اور انعام کے باعث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت
اور تبعیت اور باقی اہل حق کے سامنے رشد اور سعادت مندی روشن اور ظاہر ہو جاتی ہے
اور یہ ایک ایسا دقیقہ ہے جو احکام شریعت کے واقفوں پر ظاہر ہے اور ان سے
ناواقفوں سے پوشیدہ اور چھپا ہوا ہے اور اسی واسطے جو کہ رواجی طور پر فاتحہ اور ایصالِ ثواب
نہ کرے۔ بے خبر لوگ اس کو نالائق اور اہل حقوق کے حق کا منکر جانتے ہیں اور یہ نہیں
جانتے کہ اگر فاتحہ اور ایصال ثواب کی ان رائج رسموں کے چھوڑنے سے آدمی ناخلف اور
اہل حقوق کے حق کا منکر بن جاتا تو لازم آتا کہ اہل بیت عظام اور صحابہ کرام اور مومنوں
اور صالحوں اور عالموں کے وہ طبقے جو ان رسوم کی شہرت سے پہلے گزر چکے ہیں معاذ اللہ
اپنے اسلاف کی بہ نسبت ناخلف ہوں بلکہ امام الانبیاء خلیل خالق الارض والسماء حضرت ابراہیم
کی بہ نسبت حضرت افضل المرسلین محبوب رب العالمین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے شان میں یہی حرف دل میں کھٹکتا ہے۔ معاذ اللہ من ذالک ثم معاذ اللہ من ذالک۔
پس اس بیان سے واضح ہو گیا کہ فاتحہ خوانی کی یہ رسمیں دین متین کے لوازم اور ارکان سے
زائد ہیں۔ اور ایمان کا کمال ان پر موقوف نہیں اور اگرچہ یہ معنی اجمالی طور پر سب لوگوں کے
مرکوز خاطر ہے۔ لیکن بہت دفعہ اتفاق پڑتا ہے کہ کسی کامل نیکوکار سے اس رسم کے ترک

ہوجانے سے عادت کے پردے کی کثافت کے باعث وہ اجمالی اذعان مستعد ہو کہ اس کامل صالح کے حق میں بدظنی کا سبب بن جائے۔ اس واسطے اس حقیقت کو مفصلاً دل میں جانشین کرے ان رسموں کے تارک کو سلف صالح کے ساتھ مشابہ اعتقاد کرنا چاہیئے۔

**دوسری سبیل** یہ ہے کہ زندہ ایسا کام کرے کہ مردے کو نفع پہنچانا اس سے مقصود ہو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں زیادہ ظاہر اور مشہور طریقہ دعا ہی ہے اسمیں سے ایک صورت یعنی نماز جنازہ تو واجب ہے اور اس کی دوسری صورتیں یعنی پانچوں نمازوں کے اوقات اور ان کے سوا اور وقتوں میں عام یا خاص طور پر۔ دور یا نزدیک سے اس کا وقوع ہو تو بیشک یہ مسنون اور مستحب ہے اور حدیثوں میں مشہور ہے اور ان حدیثوں کا بیان کرنا تطویل کا باعث جان کر ان کو معلوم کرنا حدیث کی کتابوں کے حوالہ کیا گیا ہے لیکن اس جگہ بھی ایک کارآمد دقیقہ سن لینا چاہیئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے کی مرتبے ہیں اور ان میں افراط[ع] تفریط ہو جایا کرتی ہے اگرچہ اس افراط و تفریط میں کچھ قباحت نہیں لیکن ان دونوں سے اعتدال بہر حال افضل ہے پس اگر اموات کے حق میں قبروں کے روبرو یا ان سے غیبت کے وقت میں جو دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہوئی ہیں ........ اگر اسی طرح کیجائیں تو وہ دوسرے طریقوں سے بہتر ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب برات میں کسی کو اطلاع دینے اور جتلانے کے بغیر بقیع میں تشریف لے جاتے اور دعا کرتے اور صحابہ میں سے کسی کو امر نہ فرماتے کہ اس رات قبروں پر جاکر دعا کرنی چاہیئے۔ چہ جائیکہ آپ نے تاکید کی ہو۔ پس اگر اب کوئی شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے واسطے شب برات کو صلحاء کا مجمع کرکے کسی مقبرہ میں بہت ساری دعائیں کرے تو آنجناب کی مخالفت کے باعث اسے ملامت نہیں کر سکتے لیکن اس قدر سمجھنا چاہیئے کہ یہ امر ہوتے ہوتے رسم بنجائیگا اور اس وقت میں حقیقت کا ربا قی نہ رہے گی اور اس بیان کے لئے واضح کرنے والی مثال یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ نہیں اور اگر تداعی سے ہو تو مکروہ ہے لیکن دعا کے سوا اور صورتیں پس ان ہی سے ایک تو کنوا کھودنا مروی ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت

ع افراط زیادتی تفریط کمی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری والدہ اچانک فوت ہو گئی ہے اور بول نہیں سکی اگر بول سکتی تو کچھ وصیت کرتی۔ پس اب اگر میں اس کے واسطے کچھ کروں تو اس کو نفع پہنچے گا آپ نے جواب دیا کہ کنواں کھود دو اور کہو یہ سعد کی والدہ کے لئے ہے دوم جمعہ کے دن والدین کی قبر پر جا کر سورہ یٰسین کا پڑھنا وارد ہوا ہے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی وفات کے بعد غلام آزاد کئے اور باقی عبادتوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے پس جو عبادت کہ مسلمان سے ادا ہو اس کا ثواب کسی فوت شدہ کے روح کو پہنچائے اور جناب الٰہی میں دعا کرنا اس کے پہنچانے کا طریق ہے اور یہ بہت بہتر اور مستحسن طریقہ ہے اور وہ شخص کہ جس کے روح کو ثواب پہنچانا ہے اگر اپنے حقداروں میں سے ہے اس کے حق کے برابر ثواب پہنچانے کی خوبی بہت زیادہ ہو گی پس امور مروجہ یعنی اموات کے فاتحوں اور عرسوں اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ شک و شبہ نہیں اور وقتوں اور طعام کی قسموں اور ایسی رسموں اور کھانے والوں کی تعیین قباحت سے خالی نہیں ہاں بمضمون ظلماتٌ بعضها فوق بعض[1] قباحت کے مرتبوں میں تفاوت بہت ہے صرف تعیین ہی التزام مالا یلزم کی قسم سے ہے جیسا حال شرح کے ساتھ بیان ہو چکا ہے اور وقت کی تعیین کی وجہ سے بہت سے خلل کیا دینی کیا دنیوی پیش آتے ہیں اور خالص نیت باقی نہیں رہتی بلکہ اکثر اوقات میں تو مطلقاً عبادت کی نیت بھی نہیں ہوتی صرف دنیاوی نام و ناموس یا لوگوں کے طعن و تشنیع کے دفع کرنے کیلئے یا ہم چشموں کے سامنے خفت اور عار کے لاحق ہونے کے ڈر سے یہ کام کیا جاتا ہے اور اس سے وہ نام نہاد مدعا ہرگز حاصل نہیں ہوتا اور اگر یہ لوگ عمل صالح سے خالی ہیں تو اپنے اسلاف کا حق ادا کرنے کے لحاظ سے ان لوگوں کا حال اور ان رسموں کے چھوڑنے والے صالح کامل کا حال اس زمانہ میں دہلی اور بخارا کی سلطنت کے مشابہ ہے کہ دہلی سلطنت تو محض ایک رسم ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں اور سلطنت کا معنی اس میں ہرگز باقی نہیں رہا۔ اور رسموں کا وجود تو سراب سے بھی بہت کم ہے اور بخارا کی سلطنت سچ مچ کی سلطنت ہے کہ رسوم سے آلودہ نہیں ہوئی اس مثال اور ممثل لہ کے فرق کو شوق سے

[1] بعض اندھیرے بعض اوپر ہیں یعنی کوئی زیادہ ہے کوئی کم۔

اور عقل کے ترازو سے تول کر اور ان رسموں کے ارتکاب کے وقت میں اپنے دل میں واردات کی بحث کر کے امر حق ڈھونڈ کر ان رسموں کے التزام سے تائب ہونا چاہیئے رَزَقَنَا اللّٰہُ التَّوْبَۃَ وَ جَمِیْعَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ کُلِّ الْمَکْرُوْھَاتِ اور جو آداب کہ طعام فاتحہ کے حاضر ہونے کے وقت بجا لاتے ہیں۔ یہ بھی اپنے فاسد خیالوں کا اتباع ہے کیونکہ اس طعام کی وجہ سے فاتحہ صاحب فاتحہ کے قائم مقام تو نہیں ہوا۔ پس وہ آداب کیوں کرنے چاہئیں کہ صاحب فاتحہ کی بہ نسبت بھی ان کے جائز ہونے میں گفتگو تھی۔ اور وہ طعام ان کے ملک بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر ان کے ملک ہوتا تو فاتحہ کرنے والے اس میں اپنا دخل کیوں کرتے اور اپنی خواہش کے مطابق کیوں کھاتے کھلاتے بلکہ وہ طعام صاحب فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نیاز سادات کو دیتے۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز ان کی اولاد کے حوالے کرتے وعلیٰ ہذا القیاس اور اگر وہ آداب اس گمان پر کرتے ہیں کہ صاحب فاتحہ کی روح اس طعام میں گھس گئی ہے یا اس طعام کو اس نے ہاتھ لگا دیا ہے یا اس نے اس طعام سے کھا لیا ہے اور یہ ان کا پس خوردہ بن گیا ہے۔ پس یہ ساری باتیں ان کے فاسد گمان ہیں۔ ان پر ہرگز ان کو یقین نہیں۔ اور اگر بالفرض واقعتہً یہ ان میں سے کوئی چیز معلوم بھی ہوتا تاہم آداب طعام میں جو حد چاہیئے اس سے اس طعام نے تجاوز نہیں کیا۔ پس اس طعام کے آداب کا حاصل ہنود کی قوم کے ساتھ مشابہت پیدا کر لینے کے بغیر اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اکثر اوقات وہ دانوں اور غلوں اور طعام کے اجناس کی پرستش کرتے ہیں اور کھانے والوں کے لئے قید لگاتے یعنی ایک کو کھانے سے منع کرنے اور دوسرے کو اس کی اجازت دینے سے تحلیل حرام اور تحریم حلال پیدا ہوتی ہے اور اہل جاہلیت کا اتباع لازم آتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مذمت کے مقام میں اسی قسم کے قول ان سے نقل فرمائے ہیں (اول) وَقَالُوْا ھٰذِہٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا یَطْعَمُھَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِھِمْ۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ چارپائے اور کھیتی ممنوع ہے کوئی شخص اس سے نہ کھائے مگر وہ کہ ہم چاہیں اپنے گمانوں سے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ ھٰذِہِ الْاَنْعَامِ خَالِصَۃٌ لِّذُکُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓی اَزْوَاجِنَا وَاِنْ یَّکُنْ مَّیْتَۃً فَھُمْ فِیْہِ شُرَکَآءُ سَیَجْزِیْھِمْ وَصْفَھُمْ اِنَّہٗ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان چوپائے کے پیٹ میں ہے وہ

ــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مومنوں کو سب ناپسندیدہ کاموں سے توبہ نصیب کرے۔

ہمارے مردوں کے لئے خالص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مرا ہوا ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بیان کا بدلہ دیگا۔ بیشک وہ صاحب حکمت اور صاحب علم ہے اور زجر کے معنی اچھی طرح سمجھ کر جاننا چاہیئے کہ لفظ چھوٹا ہے اس ملک اور اس وقت کے لوگوں کی یہی مراد ہے۔ ہر بھوکا اور محتاج طعام کا مصرف ہے ہاں پرہیز گار غیر پرہیز گار سے بہتر ہے پس صحنک اور توشہ جو پچھلے لوگوں کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ اور دی فکروں کے ملجانے سے انہوں نے دو راز حق حقیقت پیدا کرلی ہے اور زمانہ حال کے بزرگ اور اکابر تربیت اور ارشاد کے وقتوں میں ان امور کی قباحت بالاجمال تو بیان فرماتے ہیں اور ان رسموں کے عین مقابلہ کے وقت میں تخصیص کے ساتھ ظاہر ان کے برا کہنے کو غیر مفید جان کر خاموش ہو جاتے ہیں انکے خاموش رہنے سے دھوکا نہ کھا کر ان کے ہٹانے میں کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ قید یں ہوتے ہوتے بڑی خرابیوں کا باعث بن گئی ہیں اور جہلا کے خیال میں یہ قیدیں شرعی قیدوں سے ضروری ہو چکی ہیں اس لئے کہ وہ ان کے التزام کو اسلام اور ایمان کا جزو گمان کرتے ہیں۔ اور ان کے تارک اور ان کی جڑ کو اکھاڑنے میں کوشش کرنیوالے کو ایمان سے خارج جانتے ہیں۔ جب رسموں کا التزام اس حد تک پہنچ جائے تو بالکل مطلوب اور مقصود کے برخلاف ہو کر واجب الترک ہو جاتی ہیں اور حدیث شریف میں جو تاکید سنتوں کو فرض کے جدا کرنے کے بارے میں کی جاتی ہے یاد کرکے اس کو عمل میں لانا چاہیئے نذر اور نیاز کی رسم اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ طعام وغیرہ کی نذر سے گزر کر جانوروں کی جانوں کو نیاز کرتے ہیں۔ اور ان کے ذبح کرنے میں غیر خدا جل شانہ کی خوشنودی کا ارادہ کرکے حدیث شریف لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ[۱] کے مطابق ملعون ہوتے ہیں اور بقول اکثر علماء یہ لعنت کفر کی وجہ سے ہے پس کفر کے کام کو عبادت جاننا کس درجہ کی خرابی ہوگی اور اصل میں بات تو یوں ہے کہ جو لوگ نذر اور نیاز میں نافرمانیوں اور کفر کا ارتکاب کرتے ہیں ان کو ثواب پہنچانا منظور نہیں بلکہ وہ تو شرک کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کام بزرگوں کے لئے کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنی ان کے ذہن میں ہرگز نہیں ہوتا اس کی دلیل یہ ہے

[۱] یعنی غیر اللہ کے لئے کسی جانور کو ذبح کرے اللہ تعالیٰ اسکو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔

کہ جو لوگ توشوں اور نیازوں میں بہت روپیہ خرچ کرتے ہیں اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم نے خدا تعالیٰ کے لیے بھی کبھی کوئی چیز دی ہے تو کہیگا نہیں غرض کہ بعض تو خدا تعالیٰ اور بزرگوں کو تقرب اور رضا جوئی کے مرتبہ میں مساوی جانتے ہیں اور انہی بعض لوگوں کے حال کا یہ بیان ہے وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ - یعنی بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنا کر اللہ کی طرح ان سے پیار کرتے ہیں اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ہی بڑھ کر محبت رکھتے ہیں اور بعض تو ان بزرگوں کو اللہ تعالیٰ پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض ان کو مستقل طور پر حاجت روا سمجھ کر اللہ جل شانہ کے دربار میں دعا کرنے سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ بس اس وقت میں حق اور ثواب کے طالب اور خدا اور رسول کی مرضیات کے تتبع کیلئے یہی چارہ ہے کہ جس شخص کے روح کو ثواب پہنچانا منظور ہو تو طعام اور اس کے کھانے والوں کی وضع اور جنس کی تقلید چھوڑ کر جو چیز کہ اس وقت کے فقیروں اور محتاجوں کے حق میں زیادہ مفید ہو خالص نیت کے ساتھ خرچ کرے اور اگر دعا بھی کرے تو بہتر ہے اور ساری قیدوں اور رسموں کو یک لخت دور کر دے۔

**دوسری ہدایت** ان بدعتوں کے بیان میں جو رافضیوں کے میل جول کی وجہ سے عام لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں اور اس میں تین افادے ہیں۔

**پہلا افادہ**۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینا رافضیوں کی ان بدعات میں سے ہے جو عام اہل سنت کے دلوں میں داخل ہو گئی ہیں پس سنت کے تتبع اور بدعت سے متنفر حق کے طالب کو چاہیئے کہ اپنے تہ دل سے اعتقاد کر لے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار بڑے یار رضی اللہ عنہم اجمعین تمام بنی آدم سے بہتر ہیں اور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ان کے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔ مسلمان آدمی کو چاہیئے کہ اسی ترتیب پر افضلیت کا اعتقاد رکھے۔ اور وجوہ تفضیل کو نہ ڈھونڈے۔ کیونکہ وجوہ تفضیل کا ڈھونڈنا دین کے واجبوں بلکہ مستحبوں سے بھی نہیں خاص کر عام مسلمانوں کے لیے تو اس تلاش کے پیچھے

پڑنا محض بے عقلی اور نادانی ہے۔ لیکن اس زمانہ کے خاص و عام میں اس جھگڑے کے مشہور ہوجانے اور اس عقیدہ میں اہل زمانہ کی افراط و تفریط کے باعث لکھا جاتا ہے۔ کہ خلافت سے قطع نظر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو دربار خداوندی میں بے حساب عزت اور نہایت لطیف قرب ہے اور خلافت میں سبقت اس کے علاوہ ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے خلافت سے قطع نظر اس قدر مرتبہ اور قرب نہیں ہے کہ حضرت مرتضی علی رضی اللہ عنہ پر مقدم ہوں بلکہ وجاہت اور قرب کے لحاظ سے حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم ہیں۔ لیکن خلافت راشدہ نبویہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقدم ہونا اس وجہ سے ہوا ہے کہ صاحبان مناصب اور مراتب کی بھیڑ اور اللہ تعالی کی عنایات کے ظاہر ہونیکے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقدم ہوں۔ گو ان کا مرتبہ اور قرب زیادہ تھا اس کی یہ مثال ہے کہ خلعتیں دینے کے وقت صاحب منصب متقدم کو صاحب منصب متاخر سے پہلے خلعت پہنائیں۔ اگرچہ صاحب منصب متاخر کا قرب وارتضا اور وجاہت زیادہ ہو اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے لئے شیخین رضی اللہ عنہما پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرمان بر داروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لیکر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں اور اللہ تعالی کا یہ عطیہ اس امر کے مقابلے میں ہے کہ خلافت اور حکومت اور بادشاہت کا انتظام آپ کی آل اطہار میں کبھی نہیں ہوا باوجود دیکہ ائمہ میں سے بعض بزرگوں نے اَعْلَی اللہِ دَرَجَاتِھِمْ فِی الْعِلِّیِّیْنَ اس کام میں بہت ساری کوششیں کی ہیں اور اس کام کے حاصل کرنے میں سب تکلیفیں اپنے آپ پر اٹھائی ہیں۔ اور اہل ولایت کے اکثر سلسلے بھی جناب مرتضی ہی کی طرف منسوب ہیں پس قیامت کے دن بہت فرمانبرداروں کی وجہ سے جن میں اکثر بڑی بڑی شانوں والے اور عمدہ مرتبوں والے ہوں گے۔ حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ کا لشکر اس رونق اور بزرگی سے دکھائی دیگا کہ اس مقام کا تماشہ دیکھنے والوں کے لئے یہ امر نہایت ہی تعجب کا باعث ہوگا اور بعض متصوفین

کے لئے اس مقام کا ظاہر ہونا اور شیخین رضی اللہ عنہما کے مقام کا پوشیدہ رہنا اس امر کا باعث ہو گیا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں متردد ہو کر اہل سنت کے راسخ عقیدہ سے پھسل گئے ہیں ورنہ درحقیقت خلافت کے انتظام کی وجہ سے بلکہ اس سے قطع نظر کر کے جو ذات حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے لئے ثابت ہے اس بزرگی کے ساتھ اس کو افضلیت اور مساوات کی نسبت نہیں بلکہ ان دونوں بزرگوں کی شان خلافت سے قطع نظر اس شرح صدر اور حوصلے کی فراخی اور اخلاق اور تدبیر منزلی اور تمدنی اور سیاست ملکی وغیرہ کی ہر باب میں اعتدال کے قائم رکھنے کی وجہ سے جس کو تشبہ بالانبیاء کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے تمام فرمانبرداروں پر اس مذکورہ بندگی کی بہ نسبت بہت ہی بلند ہے ظاہر میں ان دو شخصوں کے مرتبوں کی باہمی نسبت اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے ایک تو وہ امیر کبیر ہے جو حقوق خدمت بجا لا کر امور سیاست سے فارغ ہو کر بادشاہ کا ملازم ہو گیا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جو ابھی خدمت اور کار گذاری میں مشغول ہے پس اگرچہ سرسری نظر میں تو اس امیر کبیر کی خدمات ملکیہ سے مستعفی ہو کر بادشاہ کے حضور میں مصروفیت اور دربار بارگاہ سلطانی کی وجہ سے ظاہر حشمت اور شوکت اور فرمانبرداروں کی کثرت اس مصاحب کی اس امیر اعظم کی بہ نسبت جو اپنی خدمت میں لگا ہوا ہے کچھ بھی نہیں یا بہت تھوڑی ہے لیکن اس مصاحب کی عزت اور وجاہت اس امیر اعظم سے بڑھ کر ہے کیونکہ دراصل وہ امیر اپنی ساری شوکت اور دبدبہ اور فرمانبرداروں کے ہمراہ گویا اس مصاحب کے فرمانبرداروں کے ہمراہ ہے۔ اس لئے کہ اس کا مشورہ بادشاہ کے تمام فرمانبرداروں کے حق میں جاری ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہ بارگاہ الٰہی کے مقبول تھے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت ان کے درجہ کے بلند کرنے کی طرف متوجہ تھی اس واسطے خلافت میں وہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر مقدم کئے گئے تاکہ ان کو بھی اپنے جیسے لوگوں کے مرتبے کے مرتبہ مل جائے۔

**دوسرا افادہ۔** اگرچہ صحابی ہونے کے لحاظ سے باقی امت مصطفویہ علیٰ اہلہا الصلوٰۃ والسلام کی بہ نسبت صحابہ کبار میں سے ہر ایک کیلئے فضیلت ثابت ہے لیکن ہدایت کے پھیلانے اور دین متین کے رواج دینے اور عند اللہ قرب کے مرتبوں پر کامیاب ہونے میں امت کے

بعض بزرگوں کو بعض صحابہ پر بیشک افضلیت ثابت ہے لیکن جس طرح کہ اس فرزند پر اپنے
باپ کی تعظیم لازم ہے جو علم اور مرتبہ میں اپنے باپ سے بڑھا ہوا ہے ان بزرگوں پر بھی صحابہ
کی تعظیم واجب ہے حدیث شریف میں ہے فَاِنَّ مِنْ وَّرَائِکُمْ اَیَّامَ الصَّبْرِ فَمَنْ صَبَرَ
فِیْهِنَّ کَانَ کَمَنْ قَبَضَ عَلَی الْجَمْرِ لِلْعَامِلِ فِیْهِنَّ اَجْرُ خَمْسِیْنَ رَجُلًا یَعْمَلُوْنَ بِمِثْلِ
عَمَلِهٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِنْهُمْ قَالَ اَجْرُ خَمْسِیْنَ مِنْکُمْ۔ یعنی تمہارے
پیچھے صبر کے دن ہیں پس ان میں صبر کرنے والا چنگارے کو پکڑنے والے کی مانند ہوگا ان
دونوں میں (نیک) عمل کرنیوالے کو اس جیسے پچاس عاملوں کا اجر ملیگا لوگوں نے عرض کیا
یا رسول اللہ انہی میں سے پچاس عمل کرنیوالوں کا اجر آپ نے فرمایا نہیں تم ہی میں سے پچاس
کا ثواب اس کو ملیگا۔

**تیسرا افادہ** ۔ ماہ محرم میں حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کی محبت کے گمان پر ماتم داری اور تعزیہ
سازی بھی رافضیوں کی انہی بدعات میں سے ہے کہ ہندوستان کے ملک میں مشہور ہو گئی ہیں
پس ان کے احوال جاننا اس زمانہ کے ضروریات سے ہے تاکہ کامل ایماندار اس سے پرہیز کرے
اور جو شخص (پھر بھی) اس کا مرتکب رہے اس کے لئے جہالت اور غفلت کا عذر باقی نہ رہے
اور ان بدعتوں کی ظاہر چند صورتیں ہیں۔ اول قبروں اور مقبروں اور علم اور شدہ وغیرہ کی نقل
اتارنا بھی بت سازی اور بت پرستی کے قبیل سے ہے اس لئے کہ قبروں اور مقبرے کی شکل بنانا اور
اس کی تعظیم کرنا اور حضرت امامین علی جدہما وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی قبر کا نام رکھنے کی وجہ
سے اس کو اصل قبر اور مقبرہ کے جا بجا جاننا بت پرست مشرکوں کے اطوار سے ہے بت پرستی کی
اصل یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک شکل تراش کر اور ایک شخص کا نام اس پر رکھ کر جو معاملہ کہ
اصل سے کرنا چاہیے اس نقل کے ساتھ جو گھڑی ہوئی لکڑی یا پتھر ہے عمل میں لائیں اور اس معاملہ
میں فی الواقع قبریں (بھی) ہوں دعا اور سلام علیک کے سوا کچھ بھی ماثور نہیں۔ اور اہل زمانہ جو کچھ
تعزیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ واقعی قبروں کے ساتھ بھی کرنا نہیں چاہیے۔ چہ جائیکہ وہ قبریں بھی
جعلی اور بناوٹی ہوں۔ اور یہ بیہودہ سجدہ اور طواف کی عبادت کر کے اپنے آپ کو صراحۃً شرک
کی سرحد تک پہنچا دیتے ہیں اور شدہ اور علم اور تعزیہ جب موجود ہو جائیں تو سب بت پرستی کے معنی

میں ہے پس طالب حق کو اس باطل امر کے ابطال میں پوری سعی کرنا ضروری ہے اور اسکے دور کرنے میں نہایت کوشش کر کے جبر اور زور کے ساتھ اس کے توڑنے کو ہرگز مگروہ نہ جانے بلکہ بت شکنی کی طرح اس کو ثواب اور اجر کا موجب سمجھے اور اس لحاظ سے کہ بدعتی جاہلوں نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی قبر کا نام رکھا ہوا ہے مطلقاً اس کے توڑنے اور پامال کرنے سے نہ ڈرے کیونکہ ان افعال کے دور کرنے اور ان کے فاعلوں کی اہانت کرنے میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے برگزیدہ لوگوں کی رضامندی ہے اور اگر ہاتھ سے دور نہ کر سکے تو زبان سے کہے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے بُرا جانے۔ اور یہ درجہ ایمان کے درجوں میں سے بہت ادنیٰ درجہ ہے ہاں اگر مقابلہ کے سوا تعزیوں کو پائے اور ان پر قادر ہو جائے تو بلا اہانت ان کو نابود اور بے نشان کر دے لیکن مقابلہ میں ان کے توڑنے کا ارادہ کرے اور اگر تعزیہ والوں کے مقابلہ اور مزاحمت سے پیش آنے کے وقت کوئی اہانت آمیز حرکت صادر ہو جائے اور اس کے سوا اس بُری بدعت کا ابطال نہ ہو سکے تو اس حرکت کی پرواہ نہ کرے بلکہ اس کے معدوم کرنے پر قدم بڑھائے لیکن حدیث شریف میں جو وارد ہوا ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کو دفن کر دیا اور باقی بتوں کی طرح اس کو اہانت کے ساتھ نہ توڑا سو اس کا باعث یہ ہے کہ ان دنوں میں عرب کے جہال کو الفت دینا امور ضروریہ میں سے تھا اور وہ جہالت کے زمانہ کے قریب ہونے کی وجہ سے جہالت اور نادانی کے ورطہ میں غرق تھے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہانت ان نادانوں کی بدگمانی کا موجب تھی کہ وہ اس بت کی اہانت کو حضرت خلیل کے مذہب پر مخالفت پر حمل کر کے اس نبی وقت کی دعوت سے جو آپکی متابعت کے مدعی تھے، متنفر ہو جاتے اور تعزیہ کا امر تو اس سے بالکل برخلاف ہے کیونکہ وہ زمانہ تو جہالت کے زمانہ سے قریب تھا اور یہ زمانہ علوم حقہ کے تواتر اور ہدایت کی شہرت کا زمانہ ہے دوسری صورت شیون کی رسمیں ہیں اور وہ پیٹنا اور کپڑوں کا پھاڑنا اور بین کرنا اور انہی جیسی اور رسمیں مطلقاً حرام ہیں کسی کے مرجانے پر ایسے کام جائز نہیں تیسری صورت ایام مذکورہ میں سوگ کی رسمیں ہیں اس کی اصلیت تو یہی کچھ ہے کہ کسی شخص کے مرجانے کی وجہ سے غم اور اندوہ ظاہر کرنے کے لئے مباح امر کو چھوڑ دیا جائے اکثر اوقات

بعض جاہل تو فرضوں اور واجبوں کو بھی چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی قباحت بالکل ظاہر ہے لیکن
مباح کا ترک کر دینا سو وہ حلال زینت کا چھوڑ دینا ہے جیسے مرد کنگھا نہ کرے یا سفید اور عمدہ
کپڑے نہ پہنے یا آنکھوں میں سرمہ نہ لگائے یا خوشبو کو استعمال نہ کرے اور مزاح و ہنسی نہ کرے
وعلیٰ ہذا القیاس اس کی مثالیں بہت ہیں اور اسی طرح عورتیں اپنی زینت چھوڑ دیں اور کسنب
سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنیں اور مہندی نہ لگائیں اور اس کے سوا اور اسباب زینت میں سے
کسی چیز کو استعمال نہ کریں ہر میت کے مرنے سے تین دن تک یہ سوگ مباح ہے اگر نہ ہو تو
بہتر ہے اور اگر کر لی جائے تو کچھ گناہ نہیں اور اس سے زیادہ کی حرمت حدیث شریف میں
صراحتہً موجود ہے ہاں عورت کو اپنے خاوند کے مر جانے پر چار ماہ دس دن تک سوگ
کرنا فرض ہے اگر نہ کرے تو گناہ گار ہوگی اس کے سوا تمام سوگ حرام ہیں خواہ وہ کسی پیغمبر
پر ہوں یا صدیق یا شہید پر موت یا قتل یا شہادت کے دنوں میں ہو یا اور دنوں میں اس حکم
میں کسی کی تخصیص نہیں۔ پس جو شخص کہ محرم کے پہلے دس دنوں میں اظہار مصیبت کے ارادہ
پر کسی مباح کو ترک کرے۔ گناہ گار اور حرام کا مرتکب ہوگا اور اگر اس قصد کے سوا ترک
ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں مثلاً جو شخص آنکھوں میں سرمہ لگانے کا عادی نہ ہو اگر ان دنوں میں
بھی سرمہ نہ لگائے تو گناہ گار نہیں۔ اور جو شخص کہ اس کا عادی ہے اور صرف انہی دنوں میں چھوڑ
دے تو قصد مذکورہ کا قوی گمان ہے اور اسی قصد پر گناہ کا مدار ہے حاصل کلام مدار نیت پر
ہے اور اپنی نیت کو ہر شخص بخوبی جانتا ہے ایک مشتبہ صورت باقی رہی۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک
شخص محرم کے دس دنوں میں مباحات کو ترک کر دیتا ہے لیکن سوگ کے ارادے سے ایسا نہیں
کرتا بلکہ جندر سا لوگوں کی طعن و تشنیع سے بچنا اس کی غرض ہے کہ اگر ان دنوں میں مباح کو نہ
چھوڑیگا تو بد عقیدہ لوگ اور عام اہل زمان اس پر طعن کریں گے اور اس کو اہلبیت کی عداوت اور
بغض سے متہم کر کے طعنہ زنی کریں گے اور حقارت کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھیں گے یا
کوئی دنیوی نقصان پہنچائیں گے اگرچہ اس ارادے سے مباح کا چھوڑنا حرام نہیں۔ لیکن
خلل سے خالی بھی نہیں کیونکہ یہ بھی ایک ایسے امر کا ارتکاب ہے جو ظاہر میں حرام معلوم ہوتا
ہے اور اس سے بدعتیوں کی موافقت لازم آتی ہے اور اس کا یہ فعل جو ظاہراً منع ہے

آئندہ نسلوں کیلئے محل اتباع رہیگا اور پچھلے لوگ اس کے کام کو حجت گمان کر اپنی پلیہ نیتیں اس کے ساتھ جوڑ لیں گے اور بدعتی لوگوں کی بدگوئی کا عذر مقبول نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔ یعنی اور ضرور تم اپنے سے پہلے اہل کتاب اور مشرکوں سے دکھ دینے والی بہت سی باتیں سنو گے اور اگر تم نے صبر کیا اور پرہیزگار بنے تو بیشک یہ ہمت کے کاموں سے ہے اور دنیوی نقصان اٹھانا اہل بدعت کی موافقت سے بہت بہتر ہے اور دینداری کے کاموں میں اس کا لحاظ کرنا کمال ایمان سے دور اور ایمان کے نقصان کا باعث ہے ہاں ایسی توبہ کی امید یا ایسی کسی اور دینی نفع کیلئے اتنے تساہل کا مضائقہ نہیں۔

**چوتھی صورت** دوسری صورت کی ایک باریک شاخ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مجلس منعقد کر کے نہایت شرح اور تفصیل کے ساتھ شہادت کا قصہ اس ارادے سے بیان کریں کہ لوگ اسکو سن کر افسوس اور حیرت اور گریہ وزاری کریں اگرچہ ظاہر نظر سے اس میں کچھ خلل ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن درحقیقت یہ بھی مکروہ ہے اور ناپسندیدہ کام ہے اس لئے کہ صدمے کے حادث ہونے یا اس کے بیان کے وقت میں استرجاع اور صبر کا حکم کیا گیا ہے افسوس اور حسرت کے اظہار اور تکلف کے ساتھ اسکے پیدا کرنے کا حکم نہیں کیا گیا۔ پس کسی مصیبت کے آجانے یا اس کے یاد کرنے کے وقت میں صابرین کے طریق کو اختیار کرنا تو تکلیف ہی سے ہو لازم ہے اور گریہ وزاری اور جزع وفزع کے اسباب کا جمع ہونا بیشک صابرین کے طریق کے برخلاف ہے اور جو لوگ اس صورت کا ارتکاب کرتے ہیں اپنے دلوں میں اسے حضرت امامین رضی اللہ عنہما کی نہایت محبت اور کمال بزرگی جانتے ہیں اور یہ ظاہر مغالطہ ہے کیونکہ مصائب کا تکرار اور اس کا ذکر کرنا مصیبت والوں کی ناخوشی کا باعث ہوا کرتا ہے وہ تو ایک مصیبت تھی جو گزر گئی۔ پھر اس کے تکرار اور ذکر کا کیا نام رکھیں۔ جو صحیح العقیدہ مومن اس کو سنے گا اس کو غم اور اندوہ پیدا ہو گا۔ حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حال کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے کہ اگر بالفرض ان باتوں کو سنیں تو ضرور رنج حاصل کریں گے۔ اور اگر اس طرف نظر کی جائے کہ چند روزہ زندگی بنا بر

مصیبت اور تکلیف حضرت سید الشہداء اور باقی شہداء کربلا اور اس مشہد مقدس کے حاضرین کے مرتبے کی کمال بلندی کا باعث ہوئی ہے پھر ہرگز غم اور اندوہ کا مقام نہیں بلکہ خوشی اور فرحت کی جگہ ہے اور جو لوگ اپنے زعم باطل سے اپنے آپ کو حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کا محب قرار دیکر صریح ممنوع اور حرام امور کو عمل میں لاتے ہیں بالکل اس جناب کے مردود اور مطرود ہیں اس سے کہ ان بزرگوں نے تو مشروع امور کے قائم کرنے اور نامشروع کے موقوف کرنے کے لئے بڑی بڑی جانبازی کے کام کئے ہیں پس جو شخص امور مذکورہ بجالا کر ان کو خوش کرنا چاہتا ہے گویا وہ یزید کی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقابل ہے کیونکہ یزید کے ساتھ جنگ کرنے کا باعث اس سے ناجائز امور کے صادر ہونے کے سوا اور کوئی نہ تھا اور جب یہ آدمی ناجائز کام کا مرتکب ہوا اور اس پر اصرار کیا اور اس کام کو بہتر اور عبادت جانا تو حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ کی جانب سے دھتکارنے کے لائق ہو گیا اور آپ کے دشمنوں کے متابعت کنندوں میں داخل ہو گیا اور اصل یہ ہے کہ اپنے غلط گمانوں کی متابعت مسلمان آدمی کے لئے زہر قاتل ہے اسے چاہیے کہ شریعت کے حکم کو لازم جان کر اس کو نہ چھوڑے چونکہ شارع علیہ السلام نے ماتم وغیرہ امور کی اجازت نہیں دی اور مطلقاً اس سے منع فرمایا ہے تو اپنی محبت کے گمان پر ان ناجائز کاموں کا مرتکب ہونا گویا اپنی ناقص عقل کو حکم شرع پر راجح کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ دھوکا دہی کے باعث اپنی چھپی ہوئی بری وصفیں معلوم نہ ہوں اور ایک صفت دوسری صفت سے مشتبہ ہو جائے جیسے بیمار جو اپنے آپ کو تندرست سمجھتا ہے اور جو محبت کے مدعی یہ کام کرتے ہیں ان کے دعویٰ کو جھٹلانے والی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اس واسطے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ گریہ زاری اور محفل آرائی کے جوش اور تعزیہ سازی سے ہرگز حضرت امام رضی اللہ عنہ راضی نہیں ہوتے۔ اور ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا پس صرف نفسانی خواہش ہی کے لئے وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں اور جس امر کو فریب اور مکر کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا راضی کرنا کہتے ہیں درحقیقت وہ نفس و شیطان کا راضی کرنا ہے اور اس جھوٹے دعویٰ کے ساتھ کہ یہ تمام خرچ اور کام آپ کی محبت کی وجہ سے ہیں جہلا کی نظروں میں اپنے برے کاموں کو نیک ظاہر کرتے ہیں کیونکہ اگر حضرت امام کا راضی کرنا اور آپ کی محبت منظور ہے تو اس مال کے محتاج سادات پر کیوں خرچ نہیں کرتے

اور ان کی تعظیم اور اعزاز میں کوشش کیوں نہیں کرتے اور اشتباہ نسبت کا بہانہ ہر جگہ پیش نہیں کیا جاتا اس لئے کہ بہت صحیح النسب سید بھوک کے مارے مرے جاتے ہیں اور سیلاف زن مرگ سے جان بوجھکر اپنے غلاموں بلکہ کتوں کے برابر بھی ان کی خبرگیری نہیں کرتے سادات کے بارہ میں ان کی اس قسم کی بے پرواہی کے ظاہر ہونے کے باوجود پھر بھی ان کو محب اور مخلص سمجھنا محض نادانی اور حماقت ہے دین متین کی اشاعت اور شرع مبین کے احکام کے رواج دینے میں اپنی جان و مال کو خرچ کرنا اور امر معروف اور نہی عن المنکر میں کسی کی پرواہ نہ کرنا اور کافروں اور فاسقوں بدعتیوں پر ظاہرا انکار کرنا اور ان کی چاپلوسی اور خوشامد سے پرہیز کرنا اور بالکل ملاحت نہ کرنا اور آپ کی پر گوار آل کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دینا اور قولی اور فعلی اور مالی عبادت کا ثواب آپ کی پاک روح کو پہنچانا سچی محبت کے نشان ہیں۔ پس جو شخص ان امور میں قصور رکھ کے حضور امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر نفسانی کھیلوں میں مال ترجیح کرتا ہے وہ بیجا اور بے محل جھوٹ باندھ کر اپنی عاقبت کی تباہی سے بے خبر ہو گیا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَجَمِیْعَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ شَرِّ الْمُنَافِقِیْنَ الْفَنَّانِیْنَ۔

تیسری ہدایت ان بدعتوں کے ذکر میں جو فاسد رسموں کے التزام سے عوام الناس میں پھیل گئی ہیں اور اس میں ایک تمہید دو افادے اور ایک فائدہ ہے۔ تمہید جو رسمیں کہ شادی اور ماتم کے موقع پر ہندوستان کے ملک میں رائج ہو گئی ہیں اور ان کا التزام لوگوں کے ذہن نشین ہو گیا ہے اور ان کا چھوڑنا رواج کی مخالفت اور طعن و تشنیع کے سبب سے نہایت شاق گزرتا ہے اور جاہل لوگ ان رسموں کے اہتمام کو شرعی واجبات پر مقدم اور ان کے چھوڑنے کو محرمات سے زیادہ جانتے ہیں دینی اور دنیوی امور کی بربادی کا باعث ہیں کہ لوگوں کو نہایت تنگی میں ڈال کر ضروریات دین سے باز رکھتی ہیں مثلاً ختنہ کی دھوم دھام کا التزام یہاں تک پہنچا ہے کہ ختنہ بالغ بڑی عمر کا ہو جاتا ہے اور بے حیائی اور بے پردگی کا باعث بنتا ہے اور بعض اوقات یہ شرعی شعار رہ ہی جاتا ہے اور ایسا ہی نکاح کے معاملہ میں جو تاخیر واقع ہوتی ہے وہ جوان آدمی کے واسطے حرام کاری کا باعث ہوتی ہے بالغ ہونے اور جوانی کے زمانہ کے بعد بڑی مدت تک انتظار کرنا اور ارتکاب حرام سے صبر کرنا نہایت ہی دشوار ہوا کرتا ہے اسی

طرح ماتموں میں اگرچہ تاخیر کو ان میں گنجائش نہیں۔ لیکن ان رسموں کا التزام ضروری امور میں حرج کا باعث ہوتا ہے اور رسوم کے پابند لوگ تجہیز و تکفین اور قبر کے کھودنے میں سستی کرکے ادائے سنت سے قصور کرتے ہیں اور طعنہ زنی کے ڈر سے سوم اور چہلم کے کھانوں میں فراخی کرتے ہیں اور ماتم اور شادی کی رسوم کی حفاظت کے لیے واجب حقوق سے غفلت کرتے ہیں اور اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ رسم کے چھوڑنے کی شرمندگی انسان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے اور رسم کی حفاظت کے واسطے اپنی معاش کے اسباب کو بیچ کر مفلس ہو جاتا ہے اور گداگری کو جو دونوں جہاں کی ذلت کا باعث ہے اپنے آپ پر گوارہ کر لیتا ہے اور یہ خرابیاں لوگوں کے دلوں میں ان رسوم کے سخت پختہ ہو جانے اور ان کے چھوڑنے والے کے حال پر طعنوں کے متوجہ ہونے کے باعث ہی پیدا ہوئی ہیں مثلاً اگر کوئی شخص نماز کو عمداً چھوڑ دے تو وہ اس قدر ملامت کا سزاوار نہ ہوگا جس قدر کہ شادی کی محفل میں ناچ راگ کے ترک سے ملامت کا مستحق سمجھا جائیگا اس واسطے ایسے آدمیوں کو کھانوں میں بہت تکلف کرنا پڑتا ہے اور وہ شادی کی محفل کی آرائش میں نہایت کوشش کرتے ہیں حالانکہ چھوٹے بچے بھوک کے مارے مرنے لگتے ہیں اور کمال جہالت اور نادانی ہے کہ اس اُلٹی بات کو کمال مروت اور جوانمردی جانتے ہیں اور ایسی ضرورتوں کے پیش آنے کے موقعوں پر حرام اور حلال کی تمیز نہیں کرتے اور جہاں سے جس طرح مال ہاتھ آئے اس کے لینے کی پرواہ نہیں کرتے اور جب مال ہاتھ آجاتا ہے تو صریح خلاف شرع اور خلاف عقل اور محض شیطانی راستے میں اس کو خرچ کرتے ہیں حاصل کلام رسموں کے التزام کی بنا اور اُن کا اہتمام دنیا کی غیرت اور عزت اور نام پر ہے اور جس کام کی بنا ایسی ہو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے بلکہ عالم ملکوت سے اس کام اور اس کے کرنیوالے پر لعنت کی آوازیں آتی ہیں اور اس کا دیکھنا کامل ایمانداروں کے صاف دلوں میں کدورت اور تاریکی کا باعث ہوتا ہے اور قیامت کے دن اس کے مرتکب سے حساب ہوگا کہ اس قدر مال بیجا خرچ کرکے اخوان شیاطین کی جماعت میں کیوں داخل ہوا اور اکثر ناجائز امور کے ارتکاب اور حرام کی پرواہ نہ کرنے کے باوجود بھی مجبوراً اُن سے یہ رسمیں خود بخود موقوف ہو جاتی ہیں پس اگر پہلے ہی اپنے اختیار سے بغیر مجبوری کے اگر ان

بیہودہ رسموں کو چھوڑ دیں۔ تو ان کی معاش اور معاد کی کس قدر اصلاح کا باعث ہو اور اللہ عزوجل کی رضامندی اور خوشنودی ان کو نصیب ہو۔ پس راہ خدا کے طالب کو لازم ہے کہ ان رسموں سے بیزار ہو کر ان کے برہم کرنے اور اپنے گھر اور خاندان اور قبیلہ دار محلہ اور شہر اور ملک سے ان کی موقوف کرنے میں حتی المقدور کوشش کرے اگر یہ صحیح نیت سے کیا تو اُسے اس کا اجر اور ثواب ملیگا اور اس بات سے نہ ڈرے کہ میری کسی کی قدر نہ ہوگی یا میرے خویش اور اقربا میری متابعت نہ کریں گے ایسے فاسد گمانوں سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کام کی پیروی کرنے میں قصور کرنا محض قبیح ہے جب کام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے تو اور کسی کا فکر کیا ڈر ہاں ان رسموں کے توڑنے میں جو طریق کہ دوسروں کی پیروی کا باعث ہو اور شریعت کے ساتھ مخالفت بھی نہ رکھتا ہو اسی طریق کو اختیار کرنا چاہیئے تاکہ اس کی کوشش اس حدیث خیر الھدی ما اتبع ؎ کے مضمون کے موافق ہو اور یہ بھی گمان نہ کریں کہ فوت شدہ لوگونکو طعام سے فائدہ پہنچانا اور ان کی فاتحہ خوانی ٹھیک نہیں ہے۔ اسلئے کہ یہ کام تو بہت بہتر اور افضل ہے۔ ہماری غرض صرف یہ ہیکہ رسم کا پابند نہ ہونا چاہیئے تاریخ اور دن اور طعام کی جنس اور قسم کی تعین کے بغیر جس وقت اور جس قدر کہ موجب ثواب ہو بجا لائے اور جب میت کو کچھ نفع پہنچانا منظور ہو تو اسے کھانے کھلانے پر ہی موقوف نہ سمجھنا چاہیئے اگر ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ صرف سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کا ثواب بہت بہتر ہے اور تاریخ اور دن اور طعام کی قسم اور وضع کے مقرر کرنے میں تنگی پیش آتی ہے اور اس بات کا اہتمام تضییع اوقات کا باعث ہوتا ہے اور دوسرے ضروری کام موقوف رہ جاتے ہیں اور اپنا اور بیگانہ تاریخ اور دن کا منتظر رہتا ہے اور خویش و اقربا جمع ہو جاتے ہیں اور خواہ مخواہ دشوار کام کا بھی آدمی کو ضرور انتظام کرنا پڑتا ہے۔ پس میت کے حق میں تجہیز و تکفین اور دفن کے بعد دعا اور تعزیت کے سوا اور کسی رسم کا التزام نہ کرنا چاہیئے اور اسی طرح نکاح میں ولیمہ کے سوا جو سنت موکدہ ہے، اور سب رسمونکو چھوڑ دینا چاہیئے اس مقام میں خلاصہ کلام یہ ہیکہ تمام اخلاق میں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلق پیشوا اور محبوب مان کر اور دل و جان سے اس پر راضی ہو کر ہند اور سندھ اور فارس اور روم کی ان تمام رسموں کو جو آپ

؎ بہتر ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔

کے برخلاف ہوں یا صحابہ کرام کے طریقہ پر اس سے زیادتی لازم آئے ترک کر دے اور ان پر کراہت ظاہر کرے اور اگر خویشوں کے مارے لئے یا اسی جیسی زمانہ جاہلیت کی وہ رسمیں مروج ہو جائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ نابود ہوگئی تھیں اور ان کے ابطال میں آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت ساری تاکیدیں منقول ہیں تو ان کے ابطال میں پوری کوشش کرے۔

پہلا افادہ۔ بیوہ عورتوں کو دوسرے نکاح سے منع کرنا انہی بد رسموں سے ہے جو ہندؤں کے اختلاط سے ہندوستان کے مسلمانوں میں مشہور ہوگئی ہیں اور یہ خراب رسم یہاں تک مروج ہوگئی ہے کہ (لوگ) اس جائز بلکہ مستحب امر کو محرمات شرعیہ سے زیادہ بُرا جانتے ہیں پس اس کے دور کرنے میں پوری کوشش کرے اور اگر اس کے خویشوں میں یہ صورت پیدا ہو جائے تو خواہ مخواہ دوسرا نکاح کرا دے اور اگر اس کے اتباع سے قصور کریں تو اللہ کیلئے ان سے ملاقات اور برادری ترک کر دے کیونکہ غالباً بلکہ یقیناً اس کام کے عیب سمجھنے کی وجہ ہندؤں کی رسم کا التزام ہے ورنہ اور کوئی مطلب معلوم نہیں ہوتا اگر اس رسم کے توڑنے سے اپنے بزرگوں اور بڑوں کی رسم کا چھوڑنا لازم آتا ہے تو ہرگز پرواہ نہ کرے اور اللہ جل شانہ کی جانب کو تمام اہل حقوق کی جانب سے مقدم جانے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قطع تعلق کو مد نظر رکھے۔

دوسرا افادہ۔ اپنے باپ دادا کی بزرگیوں پر فخر کرنا اور انکی شفاعت پر بھروسہ کرنا رسوم جاہلیت کا وہ بقیہ ہے۔ راہ امت مرحومہ میں نہایت درجہ کی پھیل رہی ہیں اور سادات اور پیرزادوں جیسے بلند خاندانوں والے اس میں گرفتار ہیں اور اسی اعتقاد کی وجہ سے اہل اسلام کے شعار یعنی تواضع اور عاجزی اور اہل ایمان کی بڑی بندگی یعنی پرہیزگاری اور نیکوکاری کو بالکل فراموش کر کے ان کی بجائے تکبر اور اکڑ بازی اور بدعتوں کا اظہار اور ناجائز امور کا ارتکاب حاصل کر کے کلام اللہ اور کلام رسول کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا انہوں نے آیت کریمہ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ اور

لہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس شخص کے سوا جس کے لئے اس نے اذن دیا ہے کسی کی سفارش سے کچھ فائدہ نہیں پہونچ

آیت کریمہ لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَیْئًا[1] اور آیت فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ[2]
اور آیت یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا
اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[3] اور آیت تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ[4]
اور حدیث اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ عُبِّیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَ فَخْرَھَا بِالْاٰبَآءِ اِنَّمَا ھُوَ مُؤْمِنٌ
تَقِیٌّ اَوْ فَاجِرٌ شَقِیٌّ اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ[5] اور انہی جیسی اور آیات
اور احادیث کو کبھی ہوش کے کانوں سے نہیں سنا اور محض اپنے وہموں اور ظنوں اور اپنے جیسے
لوگوں کے باطل مسلمات پر اعتقاد کر کے اپنی جان کو ہلاکت کے بھنور میں ڈال دیا ہے۔ سبحان اللہ
کیسی نادانی اور حماقت ہے کہ یہ لوگ نجات کے یقینی اور قطعی اسباب کو چھوڑ کر وہمی اور
ظنی اسباب پر اعتماد کر بیٹھے ہیں اور ان نادانوں کی جہالت کا حال اس کے مشابہ ہے کہ
ایک شخص بہت سارے مال جو اپنے قبضہ میں رکھتا تھا اور اسے یقینی طور پر ان سے فائدہ
حاصل کرنے کی امید تھی پھر کیمیا کے موہومی حیلوں کے حاصل کرنے میں سارے کا سارا برباد
کر دیا القصہ اگر یہ نسبی علاقہ آخرت میں نافع ہے تو نہایت ہی ظاہر ہے کہ اس سے غفلت اور
بے پرواہی کی وجہ سے اس نفع میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ نسبی علاقہ اختیاری افعال
سے نہیں کہ غفلت اور بے پرواہی کی وجہ سے ٹوٹ جائے پس جب غافل آدمی کو قیامت کے
دن نسبی علاقہ سے فائدہ حاصل ہو جائے گا۔ تو اس کو غیر مترقبہ نعمت کے حاصل ہونے کے
باعث دوگنی خوشی حاصل ہو گی اور اگر قیامت میں یہ علاقہ کارآمد نہیں ہے اور اس شخص نے
اپنی تمام عمر اسی کے نفع کی امید پر گذار دی ہے تو اپنے جہل مرکب سے نہایت پشیمانی اور ندامت

---

[1] کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئے گا [2] جب نرسنگا پھونکا جائے گا تو لوگوں میں نسب کا کچھ لحاظ نہ ہو گا۔

[3] اے لوگو ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے تم کو پیدا کیا اور تمہاری گوتیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو بیشک تمہارا بڑا پرہیزگار اللہ کے ہاں زیادہ باعزت ہے [4] وہ ایک جماعت ہے جو گذر چکی جو ان کے اعمال کا خاتمہ انہی کو پہنچیگا اور تمہارے اعمال کا تم کو [5] بیشک اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا فخر اور باپ دادا کے ساتھ فخر کرنا دور کر دیا ہے آدمی مومن پرہیزگار ہے یا فاجر بدبخت ہے سارے لوگ آدم کی اولاد میں اور آدم علیہ السلام مٹی کے ہیں۔

اٹھائیگا۔ اور نفسانی رنجوں اور روحانی عذابوں میں گرفتار ہوگا۔ پس اس نسبی علاقہ کی
پرواہ نہ کرنا اور ایسے ہی وہموں اللہ پر بھروسہ نہ کرنا ہر طرح اچھا ہے۔ والسلام علی
من اتبع الھدیٰ۔

فائدہ۔ بزرگوں کی اولاد میں میراث کے طور پر ایک استعداد رکھی جاتی ہے لیکن محض
استعداد امور معاش یا معاد میں کار آمد نہیں ہے ہاں اگر وہی استعداد ظاہر ہو جائے
اور سیکھنے سکھانے اور شریعت پر کاربند ہو جانے کے باعث جلوہ گر ہو چکے تو اس
اس سے بڑے بڑے کام اور فائدے نکلتے ہیں۔ اور ان استعدادوں کو بھی ان ازلی
استعدادوں کے قائم مقام سمجھنا چاہیئے جو کبھی کبھی استعدادوں سے ازل الآزال
میں ہر شخص کے حصہ میں آئی ہیں لیکن جزا کی بنا محض استعداد پر نہیں اسی واسطے جب
تک اس استعداد کے آثار ظاہر نہ ہوں جزا کے کارخانے میں وہ استعداد کسی شمار میں
نہیں آتی ہاں اتنی بات یقینی ہے کہ ہدایت اور گمراہی کے اسباب بہم پہنچنے سے نیک بختی اور
برائی کے آثار اسی کے موافق ظاہر ہوں گے پس ثمرات بالفعل مترتب ہونا آثار پر موقوف
ہے اگرچہ ان کو ایک پوشیدہ سا ربط استعدادوں کے ساتھ بھی ہے لیکن استعدادوں کے ساتھ ثمرات
کا رابطہ بہت پوشیدہ ہے اور آثار کے ساتھ بہت ظاہر مثلاً آلات حرب کے ساتھ منافع حرب کو
ایک ظاہری ربط ہے اور لوہے کے ساتھ پوشیدہ اسی واسطے فولاد کی زنگ خوردہ تلوار وہ
کام نہیں کرتی جو لوہے کی مصقل تلوار کیا کرتی ہے دوسری فصل تہذیب اخلاق میں اور اس میں
دو ہدایتیں ہیں پہلی ہدایت پسندیدہ اور ناپسندیدہ اخلاق کے اجمالی ذکر میں اور اس میں
تین تمہیدیں اور پانچ افادے ہیں۔

پہلی تمہید۔ بخل اور حسد اور تکبر اور حرام اور غیبت اور کینہ اور ریا اور کذب اور طمع اور
حرص جیسی بدعادتوں کے ساتھ سالکان راہ حق کے نفوس کا آلودہ ہو جانا ان پر رحمانی فیض
کے اترنے اور خدائی عنایات کے وارد ہونے کا بڑا ہی قوی مانع ہے سلف صالحین ان رذائل
کا تزکیہ نہایت ضروری جانتے تھے اور ان کو صرف خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے
اپنے دل سے دور کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا تھا اور ان کے دل صاف

ہو جاتے۔ اسی لئے بے نہایت مہربانیوں کا مورد ہوا کرتے اور اسی تصفیہ کی وجہ سے جو محض
اللہ تعالیٰ کے خوشنود کرنے کے واسطے عمل میں لاتے۔ مقبول ہو جاتے اور جو شخص کہ سلوک کے
مراتب طے کرنے کے باوجود آثار عنایت کا مورد نہ بنے تو بیشک ان تمام رذائل یا بعض کے
آثار اس میں موجود ہوں گے پس ان رذائل کا وجود عنایات الٰہی کے ورود کا مانع ہے

دوسری تمہید سلف صالح کے واسطے بد عادتوں سے نفس کے پاک کرنے میں اللہ
کی توفیق سے یہی اسلامی نیک اعمال اور اپنے پیشواؤں کی ہم نشینی ہی کافی ہوا کرتی تھی اور
اس فن کے لوگوں نے طب کے طور پر ان کی علامتوں اور اسباب اور معالجوں کو تحقیق کر کے
کتابیں تصنیف کی ہیں۔ لیکن وہ بیان نہایت واضح اور روشن ہونے کے باوجود کافی نہ
تھا بلکہ پست ہمت لوگ ان بڑی بڑی کتابوں کے مطالعہ سے یہی گمان کرتے ہیں کہ انہی لوگوں
کا حال ہے جو گذر گئے ہیں اور حظیرۃ القدس میں داخل ہو گئے ہیں اور ان کی ماہیت کچھ
اور ہی تھی کہ ان کثیر عملوں اور مشکل محنتوں پر قائم رہے اور اپنے آپ کو اس مقام سے بہت
دور خیال کرتے ہیں اور بعض غلط فہمی کے باعث اپنے آپ کو ان بد عادتوں سے بالکل پاک
اور ان کی ضد بعض محض نیک عادتوں سے مزین جانتے ہیں پس اس زمانے کے لوگوں کے
مناسب حال یہ ہے کہ معرفت الٰہی کی طرف پہنچنے کے واسطے جس طرح شغل اور مراقبہ کرتے
ہیں اسی طرح ان امور کے واسطے مراقبہ اختیار کریں اور بدون اس کے بارگاہ قبولیت میں
پہنچنے کو محال سمجھیں اگرچہ معرفت کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں لیکن عنایت اور قبول کے رستے سے
نہیں بلکہ ایک اور دروازے سے پہنچے ہیں جہاں مقبول اور نامقبول کی کوئی پرسش نہیں ہے
اور نفس اور شیطان جو کہ مقبولیت حق کی بارگاہ میں کتے اور دربان کی جا بجا ہیں۔ ان کو نہیں چھوڑتے
کہ اس مقام میں پہنچ جائیں اعمال صالحہ اور رذائل مذکورہ سے خالی ہونے اور نیک عادتوں
کے ساتھ مزین ہونے کے سوا شیطان اور نفس کی شرارتوں سے بچ کر اس مقام میں پہنچنا ممکن
نہیں اور ان بد عادتوں کا چھوڑ دینا تو اس چوبدار اور نقیب کی مانند ہے جو خود بخود انسان کو
تمام مقصود پر پہنچا دیتا ہے اور بعض اوقات اس بارگاہ سے ایک نحو کا اجتباء حاصل ہوتا
ہے کہ اعمال و عبادت اور تکلیفوں اور مشقتوں کے اٹھانے کے بغیر ہی آدمی کو قبولیت سے کامیاب

کر دیتا ہے اور ایسے برگزیدہ بندوں کے تربیت اور ملقین کی کچھ حاجت نہیں خود اللہ تعالیٰ
ان کا مربی ہو جاتا ہے مخلوقات میں سے کسی کا احسان ماننے اور تکلیفیں جھیلنے کے سوا بھی ان کو بُری
خصلتوں سے مزین اور ناپسندیدہ خصلتوں سے پاک کر دیتا ہے پس اس کا طریق یہ ہے کہ پہلے
قرآن مجید اور حدیث کے پڑھنے کا شغل کرے اور اپنے کچھ اوقات کو ان کے حاصل کرنے میں
خرچ کرے تاکہ فضائل اور رذائل کی اصلیت سے واقف ہو جائے اور اپنے ضروریات کے
حاصل کرنے کیلئے پریشان نہ ہووے بعد ازاں اس یادداشت کے ساتھ مشغول ہو جائے جو
نقشبندی طریقے میں مقرر ہے یعنی ذات حق کا ہمیشہ ملاحظہ رکھے اور اسی ملاحظہ میں دوسرا
ملاحظہ ملا دے جس سے احکام شرعیہ کی تعظیم اور انکی بجا آوری کا عزم اور منہیات شرعیہ کا
اہتمام اور ان سے بچنے کا عزم مراد ہے پس ہر وقت اور ہر جگہ تنہائی اور مجلس اور کوچہ اور
بازار اور مسجد اور خانقاہ اور کھانے اور پینے اور یار دوستوں کی ملاقات اور معاش اور معاد کے
وجوہ میں مشغول ہونے ۔ القصہ تمام حالتوں میں باخبر رہے کہ کبھی کبھی منہیات شرعیہ کی طرف
دل کا میلان نہ ہو جائے اور احکام شرعیہ کے اہتمام میں ہمیشہ دل کو چالاک اور با نشاط رکھے
اور جملہ احکام شرعیہ سے نماز اور تلاوت قرآن مجید جیسی عمدہ اوامر کو خاص لحاظ کے ساتھ
ملحوظ رکھے اور ہر حال میں اس کا دل نماز سے متعلق رہے اور جونہی نماز کا وقت پہنچ جائے
یا اذان سنے تو اس طرف سے غفلت نہ کرے اور کسی کام کو نماز پر مقدم اور اس سے ضروری
نہ جانے اور ہر کام کا فوت ہونا نماز کے ادا کرنے کی جانب میں اس کو سہل اور آسان معلوم
ہو جیسے کسی محبوب کی ملاقات کسی عاشق کو میسر ہو جائے تو ممکن نہیں کہ دوسرے کام میں
مشغول ہو اگرچہ اسکے ہزاروں کام فوت ہو جائینگے تاہم وہ اپنے معشوق کی ساتھ بات
چیت کو نہایت ہی مرغوب جانیگا اسی طرح نماز کو حدیث شریف وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ[1] کے
موافق اصل خوشی اور راحت سمجھ کر دنیا اور دین کا اور کوئی کام اس پر مقدم نہ رکھے اور اسی
طرح دوسرے ارکان روزہ اور زکوٰۃ اور حج کی تخصیص کرے اور اسی طرح جہاد کو بھی خاص
طور پر ملحوظ رکھے کیونکہ وہ سنام الاسلام ہے اور اس میں جان اور مال کے خرچ کرنے
اور رنج اور تکلیف اٹھانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کی حقیقت اچھی طرح کھل جاتی ہے

[1] میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے ۔

اور جب اسی لحاظ اور خیال پر ہمیشگی کرتے ہوئے کچھ زمانہ گذر جائے گا تو ساری عادتیں عبادت بن جائیں گی مثلاً وہ کھانا بھی ایسی ہی نیت سے کھائیگا جو اللہ جل شانہ کی خوشنودی کا باعث ہوگی اور اسی وقت سوئے گا جب اس کا دل گواہی دے گا کہ اس وقت کا سونا اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے باقی امور کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیئے دل سے بدخلقی کے دور ہو جانے کے بعد شجاعت سخاوت پاکدامنی۔صبر۔شکر۔رضا بقا۔توکل وغیرہا جیسی صفتیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی لیکن مستقل طور پر ان کے حاصل کرنے کا بھی الادہ کرے تاکہ ہر ایک کے ساتھ کمال طور پر موصوف ہو جائے اور جب اپنے دل کو پاک کر کے احکام شرعیہ پر چست و چالاک ہو کر سلوک کی راہ اختیار کریگا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے یقین ہے کہ سلف کی طرح عنایات الٰہی کا مورد ہوگا اس کی عنایت کا کوئی ٹھکانا نہیں جو لوگ کہ اس کی عنایات سے ممتاز ہوئے ہیں وہ بھی اسی قسم کے آدمی تھے اور جو لوگ کہ اس کی عنایتوں سے محروم ہیں وہ بھی اپنے ہی قصور سے محروم ہیں۔ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ[1] اس سے خبر دے رہا ہے۔شعر

ہر چہ ہست از قامت ناساز بے اندام ماست ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

اور مامورات اور منہیات کا بیان لمبا ہے ان کی واقفیت کی سبیل یہی ہے کہ سالک کلام اللہ کو مضبوط پنجہ مارتے رہے اگر یاد کرے تو بہتر ہے اور اگر یاد نہ کر سکے تو قرآن مجید کی تلاوت کی پوری مہارت حاصل کرے اور اس کے معانی کو ظاہر کرنے والے ترجمہ سے آگاہ ہو کر تدبر اور سوچ بچار کے ساتھ اس کی تلاوت کیا کرے اور صرف تلاوت قرآن کو بڑی غنیمت جانے کیونکہ یہ سب عبادتوں سے بڑھ کر ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہونا ہے اور یہ اس کی صفات میں سے ایک ایسی صفت ہے جو عربی معجز عبارت کے لحاظ میں ظاہر ہوئی ہیں اور جب اللہ جل شانہ کی صفتیں اس کی غیر نہیں تو تلاوت قرآن کیوقت اپنے آپ کو ایک قسم کا واصل بذات حق سمجھے اور وصول اور ہمکلامی اور سماع کی لذتیں حاصل کرے اور خود غفلت حجاب اکبر ہے جب غفلت کا پردہ اٹھائیگا اس کے ساتھ واصل ہو جائیگا۔مصرعہ

[1] اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

حضوری گر ہمی خواہی ⁂ ازو غائب مشو حافظ

**تیسری تمہید۔** اعمال میں ان چاروں مذہبوں کی متابعت جو تمام اہل اسلام میں مروج ہیں بہت عمدہ ہے لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جاننا چاہیئے بلکہ آپ کا علم تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے اور مقتضائے وقت کے موافق ہر کسی کو پہنچا ہے اور جس وقت سے کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان علموں کی جمعیت ظاہر ہو گئی ہے۔ پس جس مسئلہ میں کہ صحیح صریح غیر منسوخ حدیث ملجائے اس میں کسی مجتہد کی متابعت نہ کرے اور اہل حدیث کو اپنا پیشوا جان کر دل سے ان کی محبت کرے اور ان کی تعظیم کو اپنے ذمے لازم سمجھے کیونکہ وہ بزرگوار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے علم کے اٹھانے والے ہیں ایک طرح سے آپ کی مصاحبت کر کے آپ کے مقبول ہو گئے ہیں اور مقلد لوگ تو مجتہدوں کی تعظیم اور توقیر سے پورے واقف ہیں وہ اس بات کی آگاہی کے محتاج نہیں۔

**پہلا افادہ۔** جو شخص امراء میں اور حکام میں سے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ راہ سلوک میں قدم رکھے تو ان امور شرعیہ کے اہتمام کے ساتھ جو سالکان طریقت کو چاہیئے عدالت اور انصاف کا اہتمام بھی ان کے واسطے ضروری ہے کیونکہ ان کے حق میں عدالت سب عبادتوں سے بہتر ہے عدالت میں گذشتہ بادشاہوں کے طریق کی رعایت نہ کرے بلکہ عدالت اور سیاست میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرے اور شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت اس کے واسطے کافی ہے اور خلفاء اور بادشاہوں میں فرق یہی ہے کہ بادشاہ تو دنیا کی اصلاح کو مقدم رکھتے ہیں اور آخرت کی کچھ پروا اور اس کا کچھ اہتمام نہیں کرتے۔ اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین دنیاوی کمال انتظام کے باوجود دین کو جانے نہیں دیتے اور اس کی اصلاح اور ان یاد کو مقدم اور ضروری جانتے ہیں۔ اور بادشاہ اور امیر ظاہری شان و شوکت اور مکان اور پوشاک اور سواری میں اپنی عزت گمان کرتے ہیں جس قدر کہ وہ دینداری میں پکے رہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان کی عزت اور شوکت اور رعب ان کے دشمنوں میں زیادہ ہوتا ہے۔

**دوسرا افادہ۔** ہر مسلمان کو دو چیزوں سے پرہیز کرنا لازم ہے اول تکبر یعنی اس سے کہ

اپنے آپ کو سب لوگوں سے بہتر اور بلند جانے اور ہمیشہ اپنی بلندی اور بزرگی کا خواہاں رہے کیونکہ یہ بری خصلت انسان کو کبر تک پہنچاتی ہے اسی واسطے اور خصلتوں اور عملوں سے بہت قبیح ہے حدیث شریف میں آیا ہے لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ یعنی ایسا کوئی شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی بھر ایمان ہوگا اور ایسا کوئی آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی بھر کبر ہوگا دوم مسلمانوں کی ایک جماعت میں فساد خرابی ڈالنا اور مکانوں اور وقتوں کے عموم کے لحاظ سے اس کے بہت سارے مرتبے ہیں ایک تو گھر والوں کو خرابی میں ڈالنا۔ دوم ایک شہر والوں کو سوم ایک ملک یا چند ملک والوں کو اور ایک قرن یا دو قرن یا اس سے زیادہ کا فساد بھی اسی طرح ہے اور ان سب سے اعلیٰ وہ فساد ہے کہ کئی زمانوں تک اس کا اثر باقی رہے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقعہ پر بلوہ کرنیوالوں کا فساد کہ اس کا اثر اس امت کے تمام زمانوں پر محیط رہا ہے اور یہ وہ پہلا فساد ہے جو امت میں واقع ہوا۔ اور فساد کی کئی قسمیں ہیں۔ کبھی تو قتل سے ہوتا ہے اور کبھی اہانت سے اور کبھی عیبوں کے ڈھونڈنے سے اور کبھی بری صلاح دینے سے اور نیز امور بھی اشخاص کے لحاظ سے فساد کے معنی میں بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً محلے کے امور معاش اور معاد کے منتظم رئیس کے مار ڈالنے میں اور قسم کا فساد ہے اور کسی عادل منتظم بادشاہ کا قتل کرنا پہلی قسم سے ہزار ہا درجہ قبیح ہے کیونکہ یہ کام تمام لوگوں کی امور کی پریشانی کا باعث ہے۔ ایسا ہی کسی مسجد کے ایسے مہتمم کو جس کے باعث چند مسلمان نماز کے واسطے مسجد میں جمع ہوتے ہیں قتل کر دینا قبیح ہے اور کسی ایسے باکمال عالم کو جو مشکلات کا حل کرنے والا اور خاص و عام کا مرجع ہو کر اپنے وقت کا امام اعظم اور زمانہ کا بخاری اور غزالی ہو چکا ہو، مار ڈالنا ایسا برا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور اہانت اور تجسس عیوب کو بھی قتل پر قیاس کر لینا چاہئے اور جس قدر خلل زیادہ ہوگی اسی قدر ایمان کا نقصان زیادہ ہوگا۔ اور اس بد کام کی زیادہ برائی کا یہی باعث ہے کہ اس میں کئی لوگوں کے حق ضائع ہوتے ہیں اور بہت سارے گناہوں کا بیج مدتوں تک باقی رہتا ہے اور فتنہ انگیز مفسد پر اس قدر وبال اکٹھا ہو جاتا ہے کہ غضب الٰہی میں گرفتار ہو کر

برے خاتمہ کے ساتھ دنیا سے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مغفرت سے ناامید ہو جاتا ہے اور ظلم سے بھی پرہیز کرنا لازم ہے کیونکہ دراصل ظلم کا منشا یا تکبر ہے یا افساد پس ظلم میں یا تو تکبر کی شاخ ہوگی یا افساد کی اور تکبر اور افساد سے احتراز کرنا اسی وقت پیدا ہوگا کہ ظلم سے پرہیز کرے حدیث شریف میں ہے اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّیَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلٰوةِ قَالُوْا بَلٰی قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ وَاِفْسَادُ ذَاتِ الْبَیْنِ ھِیَ الْحَالِقَةُ۔[1]

**تیسرا افادہ** مسلمانوں کو اپنے دل کی تسلی اور مصیبتوں میں توکل اور اللہ تعالیٰ کی بغیر تمنا ہی نعمتوں کی ہر نعمت خاص کر اس نعمت کے لئے جو بمقتضائے اِنَّ لِلّٰهِ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَھَا[2] خوشبو کے طور پر ہواؤں کے بیچوں میں چلتی ہے اور ان عالی دماغ لوگوں کے دماغوں کے سوا جو "خاص الٰہی رحمت کے مہبط ہو گئے ہیں"، نہیں پہنچتی اس بے مثال قادر کی قدرت کی قدر جس طرح کہ چاہیے اپنے دل میں نقش کرنی ضروری ہے کیونکہ اسی نقش کے اہمال نے ہی ایک جماعت کو جو اہل کتاب کے نام سے موسوم تھی وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ[3] کے داغ سے داغدار کر دیا اور ایک بدانجام گروہ کے حال کی برائی کے بیان میں، جو مشرکین کے نام سے تمام مخلوق میں بدنام ہے نشان وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ[4] جو کہ سخت انتقام کی علامت ہے"، بلند کیا۔ پس جاننا چاہیے کہ اس کی کامل قدرت کا پہچاننا ایمان کا لازمہ ہے۔ ہر ایماندار جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن یہ معرفت اس کی بخشنے والی طاقتوں پر محیط اور اس کے دل میں جاگیر نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب

---

[1] کیا میں تم کو روزے اور صدقے اور نماز کے درجے سے افضل چیز نہ بتاؤں۔ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ کیوں نہ آپ نے فرمایا وہ آپس کی بگاڑ کی اصلاح ہے اور آپس میں جھوٹ ڈالنا ہی مونڈنے والی چیز ہے ۱۲ منہ

[2] بیشک تمہارے زمانے کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی خوشبوئیں ہیں خبردار پس ان کا تعرض کرو

[3] اور نہ قدر کی اللہ کی حق قدر اس کی کا جب وقت کہا انہوں نے نہیں اتارا اللہ نے اوپر کسی آدمی کے کچھ

[4] اور جس طرح کہ چاہیے تھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانی اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے جس چیز کو وہ اسے شریک بناتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بلند ہے۔

وہ کوئی عجیب امر سنتا ہے اس کو بعید جانتا ہے ہاں اسلامی عقیدہ کی طرف رجوع کر کے ایسا انکار نہیں کرتا کہ اس کو اسلامی دائرے سے نکال کر کفر کے گڑھے میں پھینک دے لیکن شدید استبعاد اس کے دل سے نکلتا نہیں اگرچہ ایمان کے واسطے تو اسی قدر رہتا کافی ہے مگر جو معرفت یہاں مطلوب ہے وہ تو اس مرتبہ سے بہت بلند ہے یعنی وہ جاننے والی طاقتوں پر محیط اور اس کے دل میں جاگیر ہوتی ہے اور جب کسی امر کو گو وہ نہایت ہی عجیب ہو حق کہ اگر کوئی شخص کہہ دے کہ آدھا آسمان ٹوٹ کر گر پڑا ہے اور باقی آدھا کھڑا ہے تو اس بات کو سن کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کاملہ کے لحاظ سے اس کا دل اس کو قبول کر لے ہاں ان دوسرے عقائد کی طرف رجوع کرنے کے بعد کہ قیامت سے پہلے تو آسمان نے ٹوٹنا نہیں اور قیامت کے واسطے ایسی علامتیں ہیں جو ابھی تک واقع نہیں ہوئیں اس قول کو خلاف واقع جان لے گا اور اسی بات کی تحقیق کیواسطے اللہ جل شانہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَکَھُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہٖ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو ٹلنے سے روکا ہوا ہے اور اگر ٹل جائیں تو اس کے سوا ان کو کوئی روک نہیں سکتا بیشک وہ بردبار بخشنے والا ہے حاصل یہ ہے کہ آسمان اور زمین کو اپنی جگہ سے ٹال دینے کا مانع اسی کا علم اور اسی کی مغفرت ہے ورنہ اس کی قدرت اور اس کا انتقام تو اس کام کا تقاضا کرتے ہیں اور ان صفات میں کسی قسم کا قصور اور فتور نہیں ہے اور اسی بات کے ذہن نشین کرنے کے لئے حدیث شریف میں شام کی دعاؤں میں وارد ہوا ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الَّذِیْ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہٖ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ۔ یعنی اس اللہ کے ساتھ جس نے اپنے اذن کے سوا آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے اس چیز کی بدی سے پناہ مانگتا ہوں جو اس نے پیدا کی ہے پس معلوم ہوا کہ معرفت قدرت کا کمال یہ ہے کہ کسی امر کے وقوع کو سن کر گو نہایت ہی دشوار اور نادر ہے واقع ہی گمان کرے اور یہ دریافت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے دل میں بے تامل ظاہر ہو ہاں اس کے وقوع کی تصدیق کے واسطے خبر دینے والوں کی خبر دینے کے صدق کی تحقیق کرے اور اس کے سوا اس کے وقوع کا یقین نہ کرے اور اس کے سہل الوقوع ہونے کی ہمیشہ تصدیق کرتا رہے اسی طرح اس کی باقی صفات کمال

کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔
**چوتھا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور پیار کا دعویٰ ہر شخص کرتا ہے لیکن اس کی حقیقت کمیاب بلکہ نایاب ہے محبت اور الفت کی حقیقت تو یہ ہے کہ محب کے ایمان اور اخلاق اور علم اور عقائد کے ہر باب میں کمال اور نافرمانیوں اور گناہوں سے پرہیز اعلیٰ درجہ پر ہونے کے باوجود اگر اس کو ایسی مصیبتیں اور بلائیں پہنچیں کہ اس کی جان اور مال اور اولاد اور بی بی اور قوم اور آبرو کو گھیر لیں اور وہ نہایت ہی بری امراض میں گرفتار ہو جائے اور انہی بلاؤں میں جان دیکر اس جہان کے سخت عذاب میں گرفتار ہو جائے تو شکایت کی ذرہ سی بات بھی اس کے دل میں نہ گزرے ہاں ان مصیبتوں کی عدم برداشت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے نہایت اعتقاد کے باعث اس کی بارگاہ میں جس قدر کہ التجا اور زاری اور عاجزی اور بیقراری کرے بہتر اور بجا ہوگی بلکہ یہ تو کمال ایمان کا مقتضا ہے لیکن اس ذات پاک کی بہ نسبت شکایت کے معنی کو وہم اور خیال میں جگہ نہ دے بلکہ اس کو بالکل حال اور مال کے قصور اور اپنے ازلی استعداد کے نقصان کی طرف نسبت کرے اور آیۂ کریمہ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ[1] اور آیت کریمہ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ[2] کو اپنے حال کا مبین سمجھے اور یہی امر صبر اور رضا بالقضا کے مقام اور مرتبے کے حاصل ہونے کا باعث ہوتا ہے اور یقین کرلے کہ وہ اس سے زیادہ سخت عذاب کا مستحق تھا۔ اور جو کچھ اس کو پہنچا ہے وہ اس کے استحقاق کے موافق نہیں اور یہ اس معاف کرنے والے بخشنے والے خدا کی مہربانی ہے کہ اس عذاب میں مبتلا نہیں کیا جو اس کے قصور کے برابر تھا۔ اور یہی امر بلاؤں اور مصیبتوں کے عین ہجوم کے وقتوں میں شکر کے اعلیٰ مقام کے صادر ہونے کا باعث ہوتا ہے حاصل کلام انسان درحقیقت اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے متوجہ ہونے کے لائق ہو اس کی قدردانی کرے اور اس کے غضب کے متوجہ ہونے کی صورت میں اس کو ناقدردان خیال کرے اس لئے کہ انسان کی ایسی کوئی قدر نہیں کہ وہ اس کے

---

[1] اور جو بھلائی تجھکو پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو بدی تجھکو پہنچے پس وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔
[2] اور جو مصیبت تم کو پہنچے پس تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے اور بہت کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے ۱۲

باعث اللہ تعالیٰ کو اپنی نسبت قدردان یا ناقدردان خیال کرو۔

**پانچواں افادہ۔** اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں پر عام لطف اور مہربانی پسندیدہ اخلاق میں سے ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ یعنی رحم کرنے والوں پر اللہ رحم کرتا ہے زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم کرے اور رحمت کا یہ معنی نہیں کہ ہر ایک کو راضی رکھے بلکہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ جو چیز فی الواقع ان کے حق میں بہتر ہے ان کے واسطے اس کا حاصل کرنا دل سے چاہے اور اس میں کوشش کرے اگرچہ وہ اپنی ناقص رائے میں اسے نقصان ہی سمجھیں اور تمام لوگوں کے حق میں ظاہری کوشش تو ہو نہیں سکتی۔ لیکن عام لوگوں کے حق میں خواہ کافر ہوں خواہ مسلمان ہدایت کی دعا کرے کیونکہ رحمت کا دروازہ کھلتا ہے اور بمقتضائے اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ خلق کو اللہ تعالیٰ کا عیال جان کر ان پر رحم کرنے کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث جانے اور تمام مخلوقات میں سے امت محمدی کو خلق اور تعظیم اور رحم سے مخصوص کرے اور ان کو اور اپنے آپ کو ایک آقا کا غلام سمجھے اور ربانی خلق کے ساتھ ہر ایک سے پیش آئے اور اگر مقدور ہو تو ہر طرح کی خدمت بجالائے اور جس طرح کی مالی غمخواری کر سکے کرے اور خوراک اور پوشاک میں دریغ نہ کرے اور چیزوں کے دینے کا کچھ مضائقہ نہ رکھے خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو اور اخلاق میں تمام لوگوں کی مساوات نہ کرے بلکہ فضیلت والوں کے درجوں کو نگاہ رکھنا ضروری ہے جو شخص کہ دینی اوصاف میں سے کوئی وصف رکھتا ہو اسی کے موافق تعظیم و تکریم وغیرہ امور میں اس کو ترجیح دے اور اخلاق کی تفصیل مرتبوں کی تفاوت کتب حدیث سے معلوم کرے اور دنیا داروں میں سے جو شخص اپنے ہم جنسوں پر تکبر کرے اور اپنی جاہ و دولت سے مغرور رہو اس کے ساتھ ظاہری اخلاق نہ چاہئیں۔ بلکہ اس سے بے پرواہ رہے اور اس کی طرف توجہ نہ کرے لیکن جس طرح پہلے گذر چکا ہے اس کے واسطے غائبانہ دعا کرنے سے قصور نہ کرے خواہ وہ نیک ہو یا بدکار۔

**فائدہ** جب انسان اچھی عادتوں کے ساتھ مزین ہو جائے اور بد عادتیں اس سے دور ہو جائیں اور روزہ اور نماز باقی عبادات سے آراستہ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی محض عنایت اور توفیق جانے اور اپنی کوشش اور علمی اور عملی کمال پر ہرگز ناز نہ کرے اس واسطے کہ

بالکل ظاہر ہے کہ اس کے ہم جنس اور اسی جیسی عقل اور سمجھ والے ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ وہ فضائل اور رذائل کو جانتے بھی نہیں اور بہت سارے باخبر بھی ایسے ہیں کہ ان کی ماہیتوں کو پوری تمیز اور ان کے اسباب اور علامتوں اور نفعوں اور نقصان کو جاننے کے باوجود بھی بد عادتوں سے خالی نہیں ہوسکتے اور عمدہ خصائل سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ پس ہر صبح اور شام کو بلکہ ہر وقت اور ہر گھڑی مضمون اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ کا اقرار اور اعتراف کرتا رہے اور اپنے آپ کو محض عاجز اور ناچیز سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے کبھی بے خوف نہ رہے اور رجا کی جانب کو غالب رکھے۔

**دوسری ہدایت**۔ بد عادتوں کے مفصل معالجہ کے بیان میں اور اس میں ایک تمہید اور گیارہ افادے ہیں۔ **تمہید**۔ بد عادتوں میں سے یہ دس عادتیں نہایت ہی خبیث ہیں۔ پس طالب حق کو چاہئے کہ تمام بد عادتوں سے ان کے دور کرنے کی اس حد تک تخصیص کرے کہ یہ کبھی بھی اس کے دل میں جگہ نہ پائیں اور ان کی طرف اس کا دل مائل نہ ہو۔ اور ان میں سے ہر ایک خصلت کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر اور بغض کا موجب اور اس کے قبول اور رضا کی بارگاہ سے نہایت دوری کا باعث جان کر تہ دل سے اس کا دشمن بن جائے اور اس کو اپنے محبوب کے وصال سے بھاری مانع سمجھے اور اوامر اور نواہی کے اہتمام میں اس قدر تعمیم کرے کہ مسلمانوں کے راستے سے کانٹا دور کرنے جیسا ادنیٰ حکم اور مسجد میں تھوک ڈالنے جیسا ادنیٰ ممنوع اس کے اہتمام کے لحاظ اور اعتبار کی نظر سے رہ نہ جائے اور ایسے امور کے صادر ہونے سے بے پرواہی نہ کرے اس لئے کہ کمال محبت تو یہی ہے جو کہ قبولیت کا سبب بنتی ہے اور اس درگاہ میں مشکل کام کے بہ نسبت سہل کام زیادہ مقبول ہوتا ہے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ مسلمانوں کی راہ سے خاردار شاخ دور کرنے کی وجہ سے ایک شخص بہشتی ہوگیا۔ اور اگر کسی وقت اوامر یا نواہی کے اہتمام میں کچھ سستی یا غفلت ہوجائے تو نفس کو اس سستی کے بدلے مناسب سزا دے اس واسطے کہ ہر نفس اپنا آرام چاہتا ہے اور جب کہ احکام اور نواہی کی مخالفت میں تکلیف اور ذلت پائے گا اور عبادات پر ہمیشگی کرنے اور اوامر کی بجا آوری اور منہیات سے پرہیز کرنے کے بغیر یقیناً خلاصی کو محال جانے گا تو خود بخود امور شرعیہ کا انحراف اس میں پیدا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ہر نفس کو تکلیف اور ذلت سے بچنا منظور ہے اور جب

حکم الٰہی کی بجا آوری میں وہ اپنا بچاؤ سمجھیگا تو مخالف راہ اختیار نہ کریگا۔ اور سزا کا نمونہ یہ ہے کہ نماز سے سستی کرنے کے مقابلہ میں جو کہ بہت کھانے اور پینے سے پیدا ہوتی ہے "روزہ رکھے اور اگر دوست یاروں کی ہم نشینی اور دلپذیر باتوں سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو گوشہ نشینی اختیار کرے ان کی صحبت چھوڑدے اور اس قسم کی باتوں سے خاموشی لازم جانے اور وہ دس بدعادتیں اس رباعی میں بیان کی گئی ہیں۔ رباعی

خواہی کہ شود دل چوں آئینہ ۔۔۔ دہ چیز بروں کن از درون سینہ

حرص و طمع و بخل و حرام و غیبت ۔۔۔ کذب و حسد و کبر و ریا و کینہ

حرص اور طمع میں یہ فرق ہے کہ حرص تو موجود چیزوں میں ہوتی ہے اور غائب خیالی چیزوں کی خواہش طمع ہے خواہ وہ چیزیں بعیدالوقوع ہی ہوں۔

پہلا افادہ۔ کافی قدر کے حاصل ہوتے زیادتی کی طلب اور خواہش حرص ہے پس اگر اس زیادتی کی مقدار جو نفس کو مطلوب ہے موجود چیز کی مقدار سے کم ہو تو مطلوب نفس کے اندازے پر موجود سے خیرات کردینا اور باقی پر قناعت کرنا اس کا علاج ہے مثلاً ایک سیر موجود ہے اور نفس حرص کی وجہ سے آدھ سیر کی زیادتی چاہتا ہے تو آدمی کو چاہیئے کہ اس ایک سیر سے آدھ سیر خیرات کردے اور باقی آدھ سیر پر قناعت کرے۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ اور نفس کو کہدے کہ اگر تو موجود چیز پر قناعت نہ کریگا تو اسی طرح میں تیری مخالفت کروں گا اور لباس اور مکان اور ان کے سوا اور جن چیزوں میں نفس کی حرص معلوم کرے ایسا ہی عمل درآمد کرے اور اگر نفس کی خواہش موجود چیز کے برابر یا اس سے کئی گنا ہو تو بھی موجود کا نصف خیرات کردے اور مذکور کلام سے نفس کو تنبیہ کرے اور اگر پھر حرص باقی رہے اور نفس موجود مقدار پر قناعت نہ کرے تو پھر اس کا نصف صدقہ کردے اور اسی کلام سے نفس کو خطاب کرے پھر بھی اگر وہ بدعادات اس کے نفس سے بالکل زائل نہ ہوئی تو پھر قدر موجود میں سے نصف دیدے اور نفس کو وہی بات کہے۔ القصہ یا تو نفس قدر موجود پر قناعت کرے گا اور وہ بدعادات اس سے جاتی رہیگی یا وہ مرغوب چیز بالکل اس کے ہاتھوں سے جاتی رہیگی اس طرح کرنے سے حرص کی جڑ اس کے دل سے اکھڑ جائیگی۔

دوسرا افادہ۔ طمع کا یہ علاج ہے کہ جب کسی چیز کی طمع اس کے دل میں آئے تو اس قسم کی جو چیز

فائدہ میں اس جیسی چیز کے پاس موجود ہو۔ اسی کو للہ خرچ کر دے مثلاً اگر عمدہ پوشاکوں کی طمع اس کے دل میں آجائے تو زینت کے موجود لباس کو خیرات کر دے۔ اور اگر عام چیزوں کی طمع اس کے دل میں کھٹکے تو آہستہ آہستہ تمام موجودہ اشیاء کو خرچ کر دے اس بد عادات کی تدبیر اسی طرح کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا نفس اس سے پاک ہو جائے یا ساری مرغوب چیزیں اس کے ہاتھ سے جاتی رہیں۔ لیکن مال کو اس طرح نہ خرچ کرے کہ اس سے کسی ناجائز کام کا ارتکاب لازم آئے مثلاً جس لباس سے ستر عورت کرتا ہے یا اس کے ساتھ گرمی یا سردی سے بچتا ہے نہ دے یا اپنی گذران کا سارا سرمایہ برباد کر کے اس قدر محتاج ہو جائے کہ بھیک مانگنے لگے۔ اس طرح کا خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں اس لیے کہ اس طرح سے طمع کا علاج کرنے میں صریح ناجائز کام لازم آتا ہے اور ناجائز سے بچنا لازم ہے پس اس طرح ہرگز خرچ نہ کرے مگر اس قوی ہمت کو اپنا تمام سرمایہ صرف کرنا جائز ہے جو اپنی معاش کا تمام سامان خرچ کر دینے کے باوجود بھیک مانگنے پر مجبور نہ ہو گا اور شریعت کے حکم پر مضبوط رہے گا۔

**تیسرا افادہ**۔ صفت ذمیمہ بخل جو دل کے ساتھ چسپاں ہو اگرچہ بظاہر اس کے آثار میں سے کوئی اثر آشکارا نہ ہو اس کا یہ علاج ہے کہ ہر حال میں اپنے آپ بخشش کے اعلیٰ مراتب کے التزام کو رکھے اور ہمیشہ سخی لوگوں کے طریقہ پر چلنا اختیار کرے تاکہ کبھی بھی اس کا وسوسہ اس کے دل میں نہ آئے۔ فائدہ طمع اور بخل کے علاج میں یہ فرق ہے کہ طمع کے رفع کرنے کیواسطے تو اپنی ضروری حاجات کے سوا جو کچھ اس کے پاس موجود ہو دیدے اور بخل کے دور کرنے کیلئے جس چیز کا خیال گذرے دیدینی چاہیئے اگر کوئی بخیل اپنا تمام اسباب خرچ کر کے بے سامان فقیر بن جائے۔ تو بھی بخل کی بدعات اس سے دور نہ ہو گی بلکہ اس بد عادت کے دور کرنے کا یہ طریق ہے کہ جب کپڑے کا دینا اس پر گراں گذرے تو کپڑا دیدے اور اگر طعام کا دینا دشوار معلوم ہو اور نفس اس کے دینے سے سرکشی کرے تو وہی کھانا فقیر کے حوالے کر دے اور اپنی تمام مملوکہ چیزوں میں اسی طرح کا تصرف کرے یہاں تک کہ اس کی مملوکہ چیزیں ختم ہونے کو پہنچیں اسی وقت مال کے خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو روک لے اور حلال طریق سے اور مال حاصل کرے پھر اس مال میں اسی طرح کا تصرف کرے اور اس بد عادت کی تدبیر اسی طرح کرتا رہے

یہاں تک کہ نفس اُس سے پاک ہو جائے اور جب رات دن نفس کے ساتھ اس طرح کا مقابلہ کرتا رہا اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ یہ بدخصلت اس سے دور ہو جائے گی۔

**چوتھا فائدہ**۔ حرام کا یہ علاج ہے کہ جب نفس حرام کی خواہش کرے تو اس حرام کی جنس کا جو حلال ہو اس کو بھی ترک کر دے خواہش نفسانی سے اس کا تناول نہ کرے بلکہ جان بچانے یا شرعی عبادات اور احکام کے بجا لانے یا حقداروں کے حق ادا کرنے کے واسطے استعمال کرے مثلاً نفس کہے کہ غیر کا مال چھین کر یا چرا کر کھانا چاہیے تب حلال طعام بھی خواہش کے وقت اُسے نہ دے اور جب نفس چاہے کہ اس وقت کھانا کھا کر آرام کرنا چاہیے اس وقت کھانا نہ کھائے بلکہ جب وقت کے بدل جانے سے کھانے کی خواہش اور بھوک جاتی رہے تو اس نیت سے کہ ضعف بدنی جہاد جیسی عبادات شاقہ یا نماز جیسی عبادات غیر شاقہ ماندگی کا باعث ہو گا بقدر حاجت کھائے اور طعام کی جنس میں بھی اسی طرح کرے۔ مثلاً نفس چاہے کہ فلاں کھانا کھانا چاہیے تو ضرورت ٹالنے کیلئے دوسری قسم کا کھانا کھائے اور دوسری قسم کی حرام خواہشوں کو بھی اسی پر قیاس کرے مثلاً اگر نفس زنا کی خواہش کرے تو حلال مجامعت سے بھی نفس کے ارادے کے مطابق پرہیز کرے اور وقت اور حالت کو ٹال کر بی بی کا حق ادا کرنے کے واسطے دوسرے وقت میں جماع کرے۔

**فائدہ**۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بیگانی عورت کے دیکھنے اور اس کی طرف اپنے دل کے میلان کے وقت اپنی حلال عورت کے ساتھ حاجت کو دور کرے جیسے مشکوٰۃ شریف میں ہے اِنَّ الْمَرْاَۃَ تُقْبِلُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ وَّتُدْبِرُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ اِذَا اَحَدُکُمْ اَعْجَبَتْہُ الْمَرْاَۃُ وَوَقَعَتْ فِیْ قَلْبِہٖ فَلْیَعْمِدْ عَلٰی اِمْرَاَتِہٖ فَلْیُوَاقِعْھَا فَاِنَّ ذٰلِکَ یَرُدُّ مَا فِیْ نَفْسِہٖ۔ یعنی بیشک عورت شیطان کی شکل میں سامنے ہوتی ہے اور اسی کی شکل میں پیٹھ پھیرتی ہے جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت پسند آ جائے اور (اس کی محبت) اس کے دل میں بیٹھ جائے تو اسے چاہیے کہ اپنی عورت کا ارادہ کرے اور اس سے صحبت کرے بیشک یہ کام اس کے دل کی بات کو دور کر دیگا اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا پس آنجناب کو وہ عورت اچھی معلوم ہوئی

پس آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے وہ خوشبو تیار کر رہی تھیں اور ان کے پاس اور بھی چند عورتیں بیٹھی تھیں۔ پس وہ مکان کو خالی کرنے کے واسطے وہاں سے چلی گئیں تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حاجت پوری کی۔ اور فرمایا تُعْجِبُهٗ فَلْيَقُمْ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِيْ مَعَهَا یعنی اگر کوئی مرد کسی عورت کو دیکھے اور وہ اُسے خوش لگے تو اُسے چاہیئے کہ اپنے اہل کی طرف اٹھ کر چلا جائے کیونکہ اس کی بی بی کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اس کے پاس ہے یعنی حاجت روائی میں دونوں برابر ہیں یہ سنت قولی اور فعلی بیان مذکور کے مخالف نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث شریف میں پاک پرہیزگار کے حال کا بیان ہے اور بیان مذکور اس بدکار حرام کے گرفتار کا معالجہ ہے کہ اس کا نفس ارتکاب حرام سے ہرگز باز نہیں آتا۔ پس اس کا علاج خواہش نفس کی مخالفت کے سوا اور کچھ نہیں اللہ عزوجل نے فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ یعنی ولیکن جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا اور اس مقام کی پوری ماہیت یہ ہے کہ جماع کی خواہش دو طرح پر ہے ایک تو یہ ہے کہ نفس اس کی لذت میں مستغرق ہو جائے اور دل کا حرام کی طرف مائل ہو جانا اور حرام سے باز نہ آنا اور خاص کر اس وقت کہ نفسانی اور شیطانی لذت حلال میں کم ہو اور حرام میں زیادہ ہو حلال سے انحراف کرنا اس کے آثار میں سے ہے مثلاً ایک شخص کی منکوحہ نہایت خوبصورت خوش وضع اور خوش لباس ہے اور ایک دوسری عورت ایسی تو نہیں لیکن عین جماع کی حالت میں شہوت انگیز ادائیں اور صدائیں پوری بے حیائی سے کرتی ہے وہ نفس و شیطان کے دام کا گرفتار اس دوسری عورت کی طرف زیادہ مائل ہوگا۔ اور اس کی وجہ لذت جماع میں گرفتار ہو جانے کے سوا اور کچھ نہیں۔ ناتوانی اور مادہ منی کی قلت کے باوجود شہوت انگیزی میں تکلف اسی کے آثار میں سے ہے اس کے حال کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ بیان فرمائے۔ بیت

بہ بے رغبتی شہوت انگیختن
بر عبث بود خون خود ریختن

جماع کی دوسری قسم یہ ہے کہ منی سے مکان منی کے سخت بھر جانے کی وجہ سے انسان کی طبیعت اس کی طرف مائل ہو جائے اس میلان میں کسی عورت یا طریق جماع کی کسی خصوصیت کو کچھ

دخل نہیں اس کا بیان یہ ہے کہ جس طرح بول کے ساتھ مثانہ بھر جانے کے وقت انسان کی طبیعت میں قلق اور بے آرامی پیدا ہوتی ہے اور اسے بے آرامی کی وجہ سے چار و ناچار دفع حاجت کے لیے کوئی مکان تلاش کرتا ہے اور جب کوئی مناسب مکان مل جائے اور اس میں بول کرنے سے کوئی شرعی یا عقلی مانع ہو تو اس شخص کی طبیعت اس مکان کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور جبتک اس کو حاجت سے فراغت حاصل نہ ہو اس کا خیال اسی مکان کی طرف لگا رہتا ہے اور اگر کوئی مانع ہو مثلاً ایسا مکان ہو کہ اس کا مالک اس جگہ بول کرنے سے ناخوش ہو۔ یا ایسا کوئی اور مانع ہو تو اس کا دل اس مکان کی طرف متعلق نہ ہوگا لیکن وہ بے آرامی کہ کثرت بول کے سبب لگی ہوئی ہے سخت ہو جائیگی پس اس مکان کی خصوصیت یا غصب یا بیع یا ہبہ جیسے وجوہ تحصیل کی طرف اس کی طبیعت کو مطلق توجہ نہ ہوگی۔ اسی طرح جب کہ منی کا ظرف بھر جائے طبیعت میں سخت شہوت ظاہر ہو جاتی ہے پس جس وقت اپنی تقاضائے حاجت کے مناسب کسی عورت کو دیکھتا ہے اس کی شہوت کا جوش بڑھ جاتا ہے اور جب تک اس کی حاجت پوری نہ ہو اس کا خیال اپنی حاجت سے لگا رہتا ہے پس اس میلان میں اس عورت کی خصوصیت کو کچھ دخل نہیں ہوتا بلکہ اس عورت اور حرام کاری سے برکنار رہتا ہے لیکن جماع کا وہ اشتیاق جو اس عورت کے دیکھنے سے اس کے دل میں پیدا ہوا تھا اس کے دل میں رہتا ہے یہاں تک کہ حلال سے اپنی حاجت کو پورا کرے پس حدیث شریف کا مورد یہی دوسری قسم ہے چنانچہ فَاِنَّ ذٰلِکَ یَرُدُّ مَا فِیْ نَفْسِہٖ فَاِنَّ مَعَھَا مِثْلَ الَّذِیْ مَعَھَا کا لفظ اس سے خبر دے رہا ہے اس لئے کہ اس جگہ محض حاجت روائی میں مماثلت مقصود ہے صورت اور سیرت میں مماثلت مراد نہیں اس جگہ سے معلوم ہوا کہ جناب امام المعصومین و سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دل میں اجنبی عورت کی خواہش پیدا نہ ہوئی تھی بلکہ محض حاجت کے پورا کرنے کا وہ تقاضا جو دل میں چھپا ہوا تھا ظاہر ہو گیا اور پہلی قسم سے نفس کی مخالفت جو کہ نفس کو اس کی خواہش سے روکنے میں داخل ہے ایک ایسا امر ہے جو اہل شرع اور اہل عقل دونوں کے ہاں مسلم ہے شعر

وَالنَّفْسُ کَالطِّفْلِ اِنْ تُھْمِلْہُ شَبَّ عَلٰی ۔۔۔ حُبِّ الرِّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْہُ یَنْفَطِمٖ

یعنی نفس بچے کی مانند ہے اگر تو اس کو چھوڑ دے تو وہ دودھ پینے کی محبت پر وہ جوان ہو جائے گا

اور اگر اس کا دودھ چھوڑا دے تو دودھ چھوڑ بھی دیتا ہے۔ خلاصہ کلام اس فن کی اصلاح کے بموجب یہ حدیث شریف حقوق نفس کے ادا کرنے کے بیان میں ہے اور مذکورہ معالجہ اس کو اپنی لذتوں کی پیروی کرنے سے پاک کرنے کے بیان میں ہے۔

**پانچواں افادہ۔** غیبت کا علاج یہ ہے کہ اگر صرف اس کا خیال ہی دل میں گذرے تو چاہیئے کہ ماسوی اللہ سے منقطع ہو کر نہایت زاری کے ساتھ اس شخص کی بہتری کی دعا کرے جس کی غیبت کا خیال دل میں گذرا ہے اور بہتری بھی وہ ہونی چاہیئے جو اپنے نفس کے واسطے چاہتا ہو اور دعا بھی ایسی کیفیت سے ہونی چاہیئے کہ اپنی اشد ضرورت کے موقع پر کیا کرتا ہے اور اگر اس کام میں نفس سستی کرے تو نفس کے درپے ہو کر خواہ مخواہ یہ دعا کرے اور نفس کو اس دعا میں ہرگز سستی نہ کرنے دے بلکہ دو یا تین روز تک اس کے درپے رہے۔ اور غیبت ہو جائے تو دعا کے علاوہ اس شخص سے اپنا قصور معاف کرائے اور تنہائی میں اس کو کہے کہ میں نے تیری غیبت کی ہے ظاہر کرنے کا تو یہ فائدہ ہے کہ نفس اپنے عیبوں کے ظاہر کرنے سے بھاگتا ہے اور اپنے عیب کا ہرگز قرار نہیں کرتا اور عیب کے ظاہر کرنے میں نفس کو سخت شکستگی پہنچتی ہے اور تنہائی کا یہ فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کا شائع کرنا منع ہے اور ناجائز کام کا کرنا برا اور اس کا افشا اور بھی بڑا ہے اور شخص کو بھی اس کے اظہار سے منع کرے۔

**چھٹا افادہ۔** جھوٹ اگر محض زبانی لذت کے واسطے ہو اور اس میں کسی کا نفع نقصان نہ ہو تو اس کا علاج خاموشی ہے اور مجلسوں میں بھی گفتگو سے پرہیز کرے تاکہ کلام کی لذت اس کے دل سے جاتی رہے اور مجلسوں میں بیٹھنے سے پرہیز نہ کرے بلکہ مجلسوں میں بیٹھ کر خاموش رہے کیونکہ یہ بات نفس پر نہایت شاق گذرتی اور اگر دو شخصوں کے درمیان بگاڑ اور فتنہ انگیزی کیلئے جھوٹ بولا ہے تو اس کا علاج غیبت کے علاج کی مانند ہے دونوں کو اکٹھا کر کے تنہائی میں ان کو مطلع کرے کہ میرے نفس نے مجھکو تمہارے درمیان فساد ڈالنے پر اغوا کیا تھا میں تم سے اس قصور کی معافی چاہتا ہوں اور ان کو اپنے آپ سے راضی اور خوش کرے اور ہمیشہ ان کی بہتری میں کوشش کرے اور جو امر کہ ان کے زیادہ اتحاد کا

باعث ہو اس میں نہایت سعی بجالائے۔ اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کو اکٹھا کرے۔ اور بطور سابق اغیار سے پرہیز کرے اور غیبت اور کذب میں اہل حق سے معافی طلب کرنے سے پہلے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ نصوح کرے۔ کیونکہ اس کا حق تمام اہل حقوق کے حقوں سے اعلیٰ اور اصل ہے۔

ساتواں افادہ۔ حسد اگر صرف دل میں ہو تو اس کا علاج تو محسود کے کمالات اور عزت اور مرتبے کی زیادتی کیلئے جس میں حسد کیا ہے دعا کرنا ہے اور جیسا غیبت کے بیان میں مذکور ہوا ہے۔ نہایت زاری کے ساتھ دعا کرے اور ظاہر میں بھی حتی المقدور اپنے ہاتھ اور زبان کے ساتھ محسود کی ترقی میں کوشش کرے تاکہ حسد کا وسوسہ نفس کے مقابلہ اور مخالفت کے باعث اس کے دل سے جاتا رہے اور پھر کبھی نہ آئے اور اس محسود مسلمان کو فائدہ حاصل ہو اور اگر حسد کے آثار میں سے کوئی اثر ظاہر ہو گیا مثلاً جو کمال حسد کا باعث ہوا ہے اس میں محسود کی نالائقی کی نسبت کوئی کلمہ اس کی زبان سے نکل گیا ہو تو محسود کو اس پر مطلع کردے اور جس کے سامنے اس کی نالائقی کی بابت کہا ہو اس کو بھی اپنی غلطی کی خبر کرکے اپنے قصور کا اقرار کرے اور جس قدر اس کی لیاقت معلوم ہو نہایت خوبی اور عمدہ تقریر کے ساتھ بیان کردے مثلاً آقا کے حضور میں کسی شخص کی نسبت حسد سے کہا ہو کہ وہ لیاقت اور انتساب کے لائق نہیں تو اس شخص کو بھی اطلاع دیکر اپنے قصور کا اقرار کرے اور اس سے معافی مانگے اور آقا کو بھی اپنی غلطی پر آگاہ کرکے نالائقی کے بجائے اس کی لیاقت اس کے ذہن نشین کردے جتلانے کا یہ فائدہ ہوگا کہ وہ شخص اپنے کام کے خلل سے آگاہ ہو کر اس کا تدارک کریگا اور اگر واقعی لیاقت والا ہے تو اپنی لیاقت کو ظاہر کریگا۔ ورنہ اظہار لیاقت کے بغیر ہی کوشش کریگا۔

آٹھواں افادہ۔ اگر کسی شخص کی نسبت تکبر ظاہر ہو گیا تو حد سے زیادہ اس کے سامنے ذلت اختیار کرے اگرچہ اس قدر تذلل اور تعظیم کیوجہ سے لوگوں کی مجلسوں میں اس کی حرکات کے نقلیں ہوں۔ اور اپنے ہم جنسوں میں اس پر ہنسی اڑے اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہے اور اپنے آپ کو اس کے طالبوں کی سلک میں داخل کرنا چاہتا ہے تو کسی بات کی پرواہ نہ کریگا۔ تم دیکھتے نہیں کبھی باعزت لوگ ہوتے ہیں جب اپنے آپ کو آزادوں کے زمرے میں داخل کرتے ہیں ان کا لباس

اور ان کی روش کے قبول کرنے میں جو بالکل عقل کے برخلاف ہے ہرگز کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ اس کو اپنی عزت اور فخر جانتے ہیں۔ معزز امیرزادہ ہوتا ہے وہ ہیجڑوں کی محبت کا شکار ہو کر وہ سب باتیں جنکو کوئی سلیم الطبع آدمی گوارہ نہیں کرتا جان و دل سے قبول کر کے انہیں اوضاع و اطوار کے ساتھ بازاروں اور گلی کوچوں میں لوگوں کے سامنے پھرا کرتا ہے اگر سچا خدا کا طالب ہے تو ان امور سے ہرگز انکار نہیں کریگا جو کہ عقل اور شریعت کے بالکل موافق ہیں گو مرضیات الٰہی سے بیخبر لوگوں کی ناقص عقلوں کے مخالف ہیں اور تذلل سے بھی یہ بناوٹی تذلل یعنی سر جھکا لینا اور زمین چوم لینا مطلوب نہیں بلکہ ہر مقام اور ہر جگہ میں اس کی حقیقت جدا اور علیحدہ ہے مثلاً جو شخص کہ مشائخ کے لباس میں ہو اور مشائخ میں سے کسی شخص کی بہ نسبت تکبر کیا ہو تو اس کو چاہیئے کہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ لوگوں کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ اس شخص نے اس شخص سے طریقت کا فائدہ حاصل کیا ہے اور اپنے نقصان کو اس کی صحبت میں پورا کیا ہے۔

**نواں افادہ**۔ مثال کے طور پر ریا کا علاج یہ ہے کہ جو ریا نماز میں عارض ہو جائے اس کے خیال کو اپنے مقدور کے موافق دور کرے اور اگر کوشش کے باوجود بھی دفع نہ ہوئی تو ریا کے لمحوں کو گن کر یاد رکھے اور تنہائی کے وقت میں خلوات کے وقت جبکہ بالکل اکیلا ہو اور کسی آدمی کے آگاہ ہونے کا امکان نہ ہو پس اگر یہ معاملہ دو رکعت والی نماز میں ہوا ہو تو دو دو رکعتیں اور اگر چار رکعت والی نماز میں ہوا ہو تو چار رکعتیں لمحات ریا کی گنتی کے موافق نہایت ہی حضور اور خلوص کے ساتھ ادا کرے اور اگر اس وقت بھی خلل ہو تو جس نماز میں خلل واقع ہوا ہو اس کو گنتی سے ساقط کردے اور دوسری دفعہ پڑھے یہاں تک کہ لمحات مذکورہ کے برابر ریا سے پاک اور خالص نماز پوری ہو جائے اور اس کے پورا کر لینے تک نفس کو ہرگز نہ چھوڑے اور اسی طرح اگر اللہ دینے میں ریا پیش آئے تو اپنے نفس کو چھیڑ کے محبوب مال کا دس گنا اللہ کی راہ میں خرچ کردے اگر دوبارہ نہ آئے تو ایسا ہی کرے بلکہ نفس کی کمال سرکشی کی صورت میں اس کو کہے کہ جس قدر تو چاہتا ہے سیر ہو کر اپنا کام کر انشاء اللہ تعالیٰ تو اس کی پوری سزا پائیگا پھر اسی سرکشی کے موافق اس کو سزا دے اور فرضوں کے ادا کرنے میں ریا نہیں سنتیں اور نفل ریا کا مقام ہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ ریا پیش آگئی ہے یا آجائیگی سنتوں یا نفلوں کے چھوڑ نہ دے۔ بلکہ پڑھے۔ اور جس طرح ریا کا علاج

مذکور ہوا ہے اس کی تعمیل کرے۔
**دسواں افادہ۔** اگر کینہ دل سے تجاوز نہ کر چکا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ اس شخص کے ساتھ اس طرح سے اخلاص کا طریقہ اختیار کرے کہ اس کے دل میں بھی اخلاص پیدا ہو جائے۔ اور دلی موافقت کے سوا ظاہری اخلاص کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور اگر کینے کی وجہ سے کوئی بات یا حرکت ظاہر ہو جائے تو جیسے مفصل بیان ہو چکا ہے معافی مانگنا اور اپنے قصور کا اقرار کرنا اور اخلاص اور درستی میں کوشش کرنا ہی اس کا علاج ہے۔
**گیارہواں افادہ۔** جب آدمی یادداشت کے طور پر ہمیشہ ان امور مذکورہ کا ملاحظہ کرتا رہیگا تو بھی امید ہے کہ اس کو صفائی حاصل ہو جائے گی۔ لیکن دل میں صرف تصفیہ اور تخلیہ کے گمان پیدا ہو جانے سے ہی اس پر بھروسہ نہ کر بیٹھے بلکہ اس کا امتحان کرے اور امتحان کے طریقہ کو اچھی طرح سمجھ کر اس سے اپنا امتحان کرے مثلاً خانقاہ پر بیٹھنے والے کسی فقیر نے کسی بادشاہ یا امیر کو نہایت دبدبے اور دھوم دھام میں دیکھ کر اپنے دل میں کچھ رشک اور حسد معلوم نہ کیا تو یہ نہ سمجھے کہ میں حسد سے پاک ہوں بلکہ اس بد علت سے اس کی پاکیزگی۔ اس وقت ظاہر ہو گی کہ اس کا کوئی پیر بھائی اور ہم خانقاہ اور ہم نسبت اور ہم پیشہ انہی اشغال اور اعمال میں مشغول ہو کر تھوڑی مدت میں بہت سارے فائدے حاصل کرنے اور اس کا وہ پیر اسی کام میں کہ اس نے اس کے واسطے مدت دراز تک بہت ساری محنتیں اٹھائی تھیں بہت جلدی محنت کے سوا ہی مشارالیہ اور ممتاز ہو گیا۔ اور اس کے سامنے اس کا مقدم ہونا اور آگے بڑھ جانا واضح ہو گیا۔ اور اس کام کے داناؤں اور خانقاہ نشینوں اور ان کے مرشد کی زبان سے جو اس خانقاہ کا رئیس ہے اس کام میں اس کی چالاکی مشہور و معروف ہو گئی اور وہ اس کی وجہ سے بڑے بڑے مشائخ کے سامنے معظم و محترم ہو گیا۔ پس مذکورہ اتحادات کے لحاظ سے اس شخص کو بہت خوشی حاصل ہو اور کسی وجہ کی کوئی سوزش اور قلق اس کے دل میں نہ آئے تو اس وقت معلوم ہو گا کہ البتہ اس کا اندر حسد کی بد عادات سے پاک ہو گیا ہے اسی طرح عالم اور سپاہی اور شریف اور پیشہ ور کا حال علیحدہ علیحدہ ہے
**تیسری فصل۔** عبادت میں خلل انداز چیزوں کے بیان میں اور اس میں دو ہدایتیں ہیں۔

**پہلی ہدایت** عبادت میں خلل انداز چیزوں کے اجمالی بیان میں اور اس میں دو فائدے ہیں

**پہلا فائدہ**۔ نام خدا کی محبت اور اس کی تعظیم کا نہ ہونا عبادت کے بڑے خللوں میں سے ہے اگرچہ ہر شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کے نام محبت اور اس کی تعظیم ہوا کرتی ہے مگر جس قدر کہ کمال کا موجب ہو اور جس طرح بزرگان دین کو ہوا کرتی تھی نہیں ہوتی اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ محبت اور تعظیم کیلئے کچھ غائتیں اور غرضیں ہوتی ہیں کہ انہی اغراض اور غایات کے موافق محبت اور تعظیم بدلتی رہتی ہے مثلاً ایک شخص بہت ساری قیدوں اور شرطوں اور پورے اہتمام کے ساتھ اس غرض سے خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے کہ اس کے نام پاک کی برکت سے چند روپیہ کی نوکری ہاتھ آجائے یا کسی سردار یا امیر کے سامنے معزز ہو جاؤں جس قدر وہ غرض زیادہ ہوتی ہے تعظیم اور محبت زیادہ ہوتی ہے دنیا کی اغراض میں سب سے اعلیٰ سلطنت اور بادشاہی ہے اگرچہ اس عمدہ غرض کے واسطے جو شخص اللہ عزوجل کا نام یاد کریگا اس نام پاک کی تعظیم اور محبت اس کے دل میں احاطہ بیان سے باہر ہوگی لیکن رب العباد کے اس فرمان لازم الانقیاد قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ[1] اور حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان ہدایت نشان لَوْ كَانَتْ تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَّا سَقٰى مِنْهَا كَافِرًا شَرْبَةَ مَاءٍ[2] کے بموجب یہ دنیا فانی اور تھوڑی اور ذلیل چیز ہے جس شخص نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کو اس کے حاصل ہونیکا واسطہ بنایا اس نے اس بلند نام کا مرتبہ اور اس کی قدر نہ جانی اور اکثر اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ دنیا کی یہی حقیقت دینداری کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور اپنے آپ کو اسی لباس سے آراستہ کر کے جلوہ دیتی ہے مثلاً کوئی شخص اس نیت سے اذکار الٰہی پر ہمیشگی کرے کہ میں ایسا کمال حاصل کروں کہ اس کے وسیلے سے بادشاہ اور امیر اور عزت والے لوگ میرے سامنے سر جھکائیں اور میرے پاس التجا کریں اور میرا نام ونشان اور میرے کمالات کا آوازہ زمانہ دراز تک باقی رہے اور دور دراز کے ملکوں میں میری ولایت کا آوازہ مشہور ہو جائے دراصل اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ[3] اور اس کا حال ظاہر ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ قاری اور سخی اور شہید کو قیامت

---

[1] یعنی اے پیغمبر کہدو کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے [2] اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ عزوجل اس سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا [3] یعنی یہ سب کچھ دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور تیرے پروردگار کے ہاں آخرت (کی بہتری) پرہیزگاروں کے لئے خاص ہے۔

کے دن لائیں گے ان اشخاص مذکورین میں سے ہر ایک محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی کوشش بیان کریگا اور ظاہر اور باطن کا جاننے والا جو کہ دل کے بھید سے واقف ہے ہر ایک کو ان کی اس نیت پر کہ اپنی مشہوری اور آوازہ ہی چاہتے تھے مطلع فرما کر دوزخ میں داخل کرنے کا حکم دے گا۔ اس بیان سے یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ رزق کی طلب یا امور دنیاوی کیلئے اذکار الہٰی حرام اور ممنوع ہیں یہ بات تو صریح تو نصوص قاطعہ کے برخلاف ہے بلکہ اس موقع پر تو اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور تعظیم کے درجوں کا فرق بیان کرنا مقصود ہے کہ ذکر کرنے والے ان میں مختلف ہوا کرتے ہیں اور ان تینوں فرقوں کا جہنم میں داخل ہونا حدیث شریف میں مذکور ہوا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جن فعلوں سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے بھی طلب کر سکتے ہیں اور دنیا بھی حاصل کر سکتے ہیں انکو دو وجہ سے ادا کیا جاتا ہے کہ وہ فعل بجا لاکر یہ ظاہر کیا جائے کہ محض اللہ عزوجل کیلئے کئے گئے ہیں حالانکہ اپنے دل میں غیر خدا کی رضا کے حاصل کرنے کی نیت ہوتی ہے پس بیشک اس کا فاعل تو بارگاہ الہٰی سے دھتکارا ہوا اور دوزخ میں داخل ہونے کے قابل ہے اور ایسے ہی اشخاص کا حال کا بیان حدیث مذکور میں واقع ہوا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ افعال مذکورہ بجا لاکر اپنی دلی نیت کے موافق غیر خدا کی رضامندی کا طلب کرنا ظاہر کرے پس یہ شخص اگرچہ بارگاہ الہٰی میں حقیر ہوگا مگر اس قدر نہیں کہ اس کے دوزخ میں داخل کرنے کا حکم صادر ہو۔ اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ یہی دنیاوی کام دھندے ہیں جو صحیح نیتوں کی وجہ سے اچھی خاصی عبادت بن جاتے ہیں۔ مثلاً نیند کہ سراسر غفلت اور حجاب ہی معلوم ہوتی ہے صحیح ارادے اور درست نیت کے باعث ریا کار کی عبادت سے بہتر ہو جاتی ہے عبادت میں اخلاص کرنے والے کیلئے جب پنجگانی حواس کے تھک جانے کا باعث ہو جاتی ہے اور مناجات کی لذت اور عبادات کی کیفیتوں میں خلل انداز ہو جاتی ہے تو وہ بے ریا مخلص اس لذت اور ان کیفیتوں کا مشتاق ہو کر ان کے دوبارہ حاصل ہونے کو خواب میں ہی منحصر جان کر اسی ارادہ اور نیت سے سو جاتا ہے (اور اس کا یہ سونا صدہا ریا کاروں اور غافلوں کے نماز پڑھنے سے بہتر ہوگا۔ بلکہ اس کی نیند کو ریا کار کی نماز کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔ تا کہ اس کو بہتر کہا جائے کیونکہ اس کی نماز تو خداوند تعالیٰ کی درگاہ

اور اس کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے اور عالم علوی سے اس پر پھٹکار پہنچتی ہے
سے دوری اور اس کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی
اور اس ہونے والے پر صد ہا رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی
کا اس پر فیضان ہوتا ہے وَشَتَّانِ بَيْنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ یعنی ان دونوں مرتبوں کے درمیان بڑا فرق
ہے اور جب دنیاوی غرضوں کا تقاضا معلوم ہوگیا۔ تو اخروی اغراض کی طرف انتقال کرنا چاہیے
اگرچہ آخرت کی تمام غرضیں بہتر ہیں لیکن ان سب میں مرتبوں اور درجوں کا بہت بڑا فرق ہے۔
اہل جنت کے مرتبوں اور درجوں کے تفاوت سے آخرت کی اغراض کا فرق معلوم کرنا چاہیے ان
ہی خصائل فطرت یعنی مسواک اور کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے اور مانگ نکالنے اور استنجا
کرنے اور استرہ لینے اور ختنہ کرنے اور بغلوں کے بال اکھیڑنے کی طرف دیکھنا چاہیے کہ معتبر
مفسرین کے قول کے موجب حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا انہی امور سے امتحان
کیا گیا۔ اور اسی معتبر کسوٹی کے ساتھ ان کی استعداد کے نقد کو پرکھ کر امامت کبریٰ کے درجہ
تک پہنچا دیا۔ اور یہی نماز اور روزہ اور قرآن شریف کا پڑھنا اور اذکار اور جہاد اور زکوٰۃ اور حج
ہے کہ انہی کے ادا کرنے سے ارادوں اور نیتوں کے فرق کے باعث حضرت صدیق اور فاروق اور
انہی جیسے دوسرے لوگوں کے مرتبے بدل گئے پس اللہ کے نام پاک کی محبت اور تعظیم میں اسی
کی رضامندی کا طلب کرنا سب غرضوں اور تمام نیتوں سے بہتر ہے اس کے نام سے اس کے سوا
کچھ نہ مانگے اور اس کے سوا کسی دنیاوی یا اخروی مطلب کو اس کی اجرت نہ سمجھے بلکہ وہ جلیل القدر
انعام کہ دنیا اور آخرت کی کوئی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی یہی ہے کہ اس کے پاک نام کے
ذکر کی توفیق اور قوت ملی ہے اسی انعام کو جو محض اس کی قوت اور توفیق سے ہے مفصل طور
پر سمجھ کر اپنے دل میں جگہ دیکر تہ دل سے اللہ تعالیٰ کے احسان کا ممنون ہو اور اس کی شرح اور
تفصیل یہ ہے کہ ذکر کے مبادی اور اسباب کا ملاحظہ کرے کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہیں اور یہ
سارے اعضاء اور وہ ظاہر اور باطنی حواس کہ ہر ایک کو ذکر میں دخل ہے سب اسی کے عام انعام
میں سے ہیں اس کے بعد وہ توفیق بھی جو کہ خاص لوگوں کے واسطے ایک خاص انعام ہے اسی
کی طرف سے ہے اس لئے کہ بہت ایسے شخص ہیں کہ ان کے سارے اعضاء اور قوی اور دل اور
زبان اور فہم اور عقل سب کچھ درست ہوتا ہے اور ہزاروں دنیوی تفکرات اور معاشی فکر اس کی

زبان اور دل پر گذرتے ہیں اور جو شخص زبانی ذکر اور قلبی فکر کا ارادہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہے اس کی زبان پر ایسا بوجھ اور اس کے دل میں ایسے وہم ظاہر ہوتے ہیں کہ اس کی زبان اور عقل ہرگز ذکر اور فکر نہیں کر سکتی حاصل کلام انسان کی زبان پر صرف اللہ تعالیٰ کے نام کا جاری ہو جانا ایک بڑی نعمت ہے اسی انعام کو سب انعاموں سے بہتر جان کر جتنا اور ثواب کی طلب سے اغماض کرے اس وضع سے اللہ تعالیٰ کے نام کی محبت اور تعظیم تمام کمالات کے لیے اصل اور بنیاد کے جا بجا ہے۔

**دوسرا افادہ** شرعی احکام اور عبادات میں اہتمام نہ کرنا بھی عبادات کیلئے عمدہ خلل انداز ہے اور اس کی اصل بنیاد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی راہ دو طرح کے ساتھ ان کے ہاتھ سے گم ہو جاتی ہے اول تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا خیال ہی دل میں نہیں آتا بلکہ محض اپنا کمال جو در اصل نقصان ہے مد نظر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہوتی ہے لیکن اس کے طریق میں خطا واقع ہو جاتی ہے اور جو کچھ ان کی ناقص رائے میں آتا ہے کہ یہ اس کی رضا مندی کا موجب ہے اسی کو اس کا وسیلہ بناتے ہیں اور اصلیت یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کی رضا جوئی کی راہ سے بالکل بھولا ہوا سمجھ کر اندھے کی مانند يَا بَصِيْرُ خُذْ بِيَدِی ہمیشہ اپنے حال کی زبان کا ورد بنائے رکھے اور اللہ عزوجل کی اس ازلی کلام وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى کو جس میں اکمل انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف خطاب ہے اور اس حدیث قدسی كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهٗ کو جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے صادق البیان سرور عالم کی زبان سے فرمائی ہے اچھی طرح سوچ کر اس کی رضا کے طریق کو اسی کے جتلانے میں منحصر جانے اور شرع شریف کو جو کہ مضبوط رسا ہے اپنا رہبر سمجھ کر اس کے خلاف کو کبھی بہتری کا موجب نہ جانے اگرچہ اس کی مخالفت میں کشف وکرامات اور انوار تجلیات کے ظہور اور اہل سموات اور ارواح کے ساتھ مصاحبت کا اسے گمان ہو۔ **فائدہ** نامقبول سالکوں میں اس مانع کے ڈھونڈنے کی یہ علامت ہے کہ وہ مشائخ کے بتلائے ہوئے اوراد میں جو اہتمام کرتے ہیں فرض نماز کے ادا کرنے میں اس اہتمام کا عشر عشیر بھی خیال کرتے بلکہ جب ملعون شیطان اس

---

لے اے آنکھوں والے میرے ہاتھ کو پکڑ لیجئے اور اس نے تجھے بھولا ہوا پا کر ہدایت کی سے تم سب لوگ گمراہ ہو مگر جس کو میں ہدایت کروں۔

جماعت پر قابو پالیتا ہے اور وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ان کو راہ حق سے بہت ہی دور لے جاتا ہے نماز کو سرکاری بیگار کی مانند جانتے ہیں اور جو وقت کہ نماز اور وضو میں گذرتا ہے۔ ضائع جانتے ہیں اور اسے اپنے لئے کار آمد نہیں سمجھتے معاذ اللہ من ذلک اور یہ تو اس جماعت کا حال ہے جو اسلام کے نام سے موسوم ہے اور جو لوگ اسلام سے خارج ہیں اس مقام میں ان کے حال کی گفتگو نہیں ہے

**دوسری ہدایت۔** عبادت میں خلل انداز چیزوں کے تفصیلی ذکر اور ان کے علاجوں کے بیان میں اور اس میں تین افادے ہیں

**پہلا افادہ۔** نفس اور شیطان دونوں نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ نفس تو اسی طرح سے کہ سستی کرتا ہے اور اپنا آرام چاہتا ہے اور ارکان نماز کے ادا کرنے میں جلدی کرتا ہے تاکہ جلدی فراغت حاصل کر کے سو رہے یا آرام کرے اور اپنی محبوب چیز میں مشغول ہو جائے اور نماز کے پڑھنے میں قیام اور رکوع اور سجدہ اور قعدہ مسنون طور پر نہیں کرتا بلکہ لاغر اور فالج زدہ لوگوں کی طرح اس کے اعضاء میں سستی اور استرخا پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے اعضا کو ارکان نماز کے ساتھ بے پروائی کی وجہ سے کیف ما اتفق یا جس طرح اس کی بدنی راحت کے مناسب رکھتا ہے اور اسی طرح تپ زدہ لوگوں کی مانند حواس باطنہ کی پراگندگی اور وہم اور خیال کی پریشانی اس کے معترض حال ہو کر نماز کی طرف قوی باطنہ اور اعضائے ظاہرہ کی توجہ میں بڑا خلل ڈالتی ہے۔ ولیکن شیطان وسوسہ ڈال کر خلل اندازی کرتا ہے اور نماز کی شان میں سبکی اور اس سے بے پروائی اور اس کو چنداں کار آمد نہ جاننا اس کے بد ترین وساوس سے ہے اور یہ وسوسہ فرض کے استخفاف اور انکار کی وجہ سے بہت جلدی کفر تک پہنچا دیتا ہے اور آدمی کو کافر کر دیتا ہے اور اس کا ادنیٰ وسوسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کی ہمکلامی اور مناجات کی لذت سے اس طرح غافل کر دیتا ہے کہ رکعتوں یا تسبیحوں کی گنتی کو اچھی طرح جاننا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ کوئی غلطی یا سہو واقع ہو جائے اور قرآن کے حافظ کو غلطی سے بچنے کے واسطے متشابہات قرآنی کے خیال میں ڈال دیتا ہے باوجودیکہ وہی نماز خواں ایک دفعہ یا دو دفعہ یا سو دفعہ آزما چکا ہوتا ہے کہ بقائے حضور میں تو رکعتوں اور تسبیحوں کی تعداد

[1] اور ان کے بھائی گمراہی میں ان کو مدد دیتے ہیں پھر وہ قصور نہیں کرتے۔

میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے اور نہ قرآن میں تشابہ واقع ہوتا ہے یہ شیطان کا مکر ہے اور رکعتوں اور
تسبیحوں اور متشابہات کا یاد دلاتا تو اس کا مقصود نہیں بلکہ نمازی کو اس کے اعلیٰ مرتبہ سعادت کی
طرف اتارنا مقصود ہوتا ہے یہاں تک کہ کشاں کشاں اپنے اصلی مقصود تک جا پہنچاتا ہے اور اس مردود
کا اصلی مقصود یہی انکار اور کفر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا وہ مقصود بر آنہ ہو تو لاچار
ہو کر بمقتضائے اِذَا فَاتَكَ اللَّحْمُ فَاشْرَبِ الْمَرَقَةَ[1] آہستہ آہستہ گاؤ خر کے خیال کی طرف لے جاتا
ہے حتیٰ کہ یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے ع بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر۔ گاؤ خر تو ایک مثال ہے
حضور خدا تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہو خواہ گاؤ ہو خواہ گدھا ہاتھی ہو یا اونٹ سب کا یہی حکم ہے طالب علم
یہ نہ سمجھیں کہ صیغوں اور ترکیبوں میں ہماری سوچ بچار اس قبیل سے نہیں افسوس افسوس بلکہ یہ
تو گاؤ خر کے خیال سے بھی نماز کا زیادہ مخل ہے اور دانشمند لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن میں سے عجیب
مسائل کے استخراج کا فکر نماز کی تکمیل ہے بلکہ یہ اس کا ناقص کرنا ہے اور اہل مکاشفات یہ خیال
نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصور یا ارواح اور فرشتوں کی ملاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اسی نماز کا
حاصل کرتا ہے جو مومنوں کیلئے معراج ہے نہیں ہرگز نہیں نماز میں یہ توجہ بھی شرک کی ایک شاخ
ہے خواہ وہ خفی ہو یا اخفی یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ عجیب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح و فرشتوں کا
کشف نماز میں برا ہے بلکہ اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت کو اسی کی طرف متوجہ کر دینا اور نیت
میں اسی مدعا کا ملا دینا مخلص لوگوں کے خلوص کے مخالف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا۔ اور
ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ خلعتوں میں سے ہے جو حضور حق میں مستغرق با اخلاص لوگوں کو
نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں۔ پس یہ ان کے حق میں ایک ایسا کمال ہے کہ شان کے
کو قصر پر مجسم ہو گیا ہے اور ان کی نماز ایسی عبادت ہے کہ اس کا ثمرہ آنکھوں کے سامنے آ گیا ہے
ہاں حاجتوں کی وہ دعائیں جو با کمال نمازی سے متعلق ہے نمازی کی ذات میں حاجت روائی کے منحصر ہونے
کے اعتقاد کے باعث عین نماز میں صادر ہوتی ہیں اسی قبیل سے ہیں یعنی نماز کے لئے کمال ہے گو وہ
قلیل حاجتیں معاش ہی کے متعلق ہوں اور اپنی حاجتوں کے بارہ میں نفس کے ساتھ مشورے کرنا
یہ وسوسوں اور نماز کے نقصان میں سے ہے اور جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نماز
میں سامان لشکر کی تدبیر کیا کرتے تھے سو اس قصہ سے مغرور ہو کر اپنی نماز کو تباہ نہ کرنا چاہیئے ع

[1] یعنی جب گوشت ہاتھ سے جاتا رہا تو شوربا ہی پی لو۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ‏ ‏ ‏ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

حضرت خضر علیہ السلام کے لئے تو کشتی کے توڑنے اور بے گناہ بچہ کے مار ڈالنے میں بڑا ثواب تھا اور دوسروں کے لئے نہایت درجہ کا گناہ ہے جناب فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ درجہ تھا کہ لشکر کی تیاری آپ کی نماز میں خلل انداز نہ ہوتی تھی بلکہ وہ بھی نماز کے کامل کرنے والوں میں سے سمجھی جاتی تھی اس لئے کہ وہ تدبیر اللہ جل شانہ کے الہامات میں سے آپ کے دل میں ڈالی جاتی تھی اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی بالکل اس کے برخلاف ہے اور جس شخص پر یہ مقام کھل جاتا ہے وہ جانتا ہے ہاں بمقتضائے ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ[1] زنا کے وسوسے سے اپنی بی بی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں۔ اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے برا ہے۔ کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور نہ تعظیم بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور غیر کی یہ تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے حاصل کلام اس جگہ وسوسوں کے مرتبوں کے تفاوت کا بیان کرنا مقصود ہے انسان کو چاہیئے کہ آگاہی حاصل کرکے کسی مانع کے ساتھ اللہ عزوجل کے حضور سے نہ رکے اور پیچھے نہ ہٹے اور اس موقعہ پر اس خلل کا علاج اس طرح سے بیان کرنا مقصود ہے کہ ہر کس و ناکس اس کو سمجھ سکے۔ پس اگر وسوسہ بدترین وسوسوں سے ہو تو نہایت ہی التجا کے ساتھ دعا کرے اگرچہ ساری چیزوں کے حاصل ہونے کا مدار اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہے لیکن بعض چیزوں میں ظاہری اسباب کو بھی قدر مداخلت ہوتی ہے اور ان وسوسوں کا دفع کرنا تو بالکل اسی کے فضل پر منحصر ہے ظاہری اسباب کو اس میں کچھ دخل نہیں اور اپنے پیر کی خدمت میں بھی عرض کرے کیونکہ پیر اس کام میں اس سے زیادہ باخبر ہے شاید کوئی عمدہ تدبیر بتلا دے اور دعا کرے اور شیطان یا نفس کی طرف سے اس وسوسے کے علاوہ کوئی اور وسوسہ ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ مثلاً اگر وہ وسوسہ ظہر کی نماز میں پیش آیا ہے تو فرض اور سنتوں سے خارج ہو کر تنہائی اور خلوت میں وسوسے کو دل سے بالکل نکال کر سو دو رکعتیں نماز پڑھے اور یہ جب ہے کہ ساری رکعتوں میں خیالات

[1] یعنی اندھیرے ہیں جو ملے جلے ہیں بعض سے بعض اوپر ہیں۔

کا سلسلہ لگا رہا تھا اور اگر ساری رکعتوں میں وسوسے نہیں رہے تھے بلکہ بعض تو حضور کے ساتھ خیالات سے خالی پڑی تھیں اور بعض خیالات سے آلودہ ہو گئی تھیں تو وسوسے والی رکعتوں میں سے ہر ایک رکعت کے بدلے چار رکعتیں ادا کرے اور مغرب کی نماز کے بعد نماز عصر کا تدارک کرے اور اس کے بعد نماز مغرب کا اور اسی طرح عشاء کا تدارک اس کے بعد کرے اور فجر کا تدارک طلوع آفتاب کے بعد چاہیے تاکہ نفل ناجائز نہ ہو جائیں اور چونکہ یہ کام نفس کے واسطے نہایت شاق ہے البتہ باز آ جائے گا اور اپنے آپ کو وساوس سے روک رکھے گا اور جس وقت نفس قابو میں آ جائے اللہ تعالیٰ کا بہت سارا شکر بجا لائے اور شریعت کے بموجب اس کی خواہش کو پورا کرے اور اس کے کام کے بدلے اسکی دارمدار کرے اور اس کو آرام دے اور اگر نفسانی یا شیطانی حرکت سے تہجد قضا ہو جائے۔ تو اس دن روزہ رکھے اور اگر روزے میں بھی کوئی شیطانی یا نفسانی خلل واقع ہو جائے تو اس روزے کے ساتھ ساری رات کا جاگنا ملا کر تنبیہ کرے جب شیطان اپنے اثر سے ناامید ہو جاتا ہے تو نفس کو اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے تاکہ اس کا مدعا حاصل ہو جائے اور نفس کی تادیب اور تنبیہ سے نفس اور شیطان دونوں اپنی شرارت سے باز آ جاتے ہیں بلکہ نفس حکم خداوندی کا مطیع ہو جاتا ہے اور شیطان کو انسان پر حکومت کرنے کی طاقت نہیں رہتی۔

**دوسرا افادہ۔** اگر زکوٰۃ کے ادا کرنے سے نفس بہانہ کرے اور اپنے پر اس کو گراں جانے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی اور شاکر نہ ہو تو زکوٰۃ سے چار گنا اپنے مال سے محض اللہ کے واسطے خرچ کرے تاکہ نفس پھر بہانہ نہ کرے اور اس کو سمجھا دے کہ جس قدر بہانے کریگا میں اسی قدر مال خرچ کرونگا۔ **تیسرا افادہ۔** جس وقت حج اور جہاد فرض ہوں۔ اور نفس کو اس کے ادا کرنے سے سست معلوم کرے پس غور کرے کہ کونسی چیز اس امر کا باعث ہے کہ اس کی وجہ سے جہاد اور حج کے ادا کرنے میں نفس سستی کرتا ہے اسی چیز کو چھوڑ دے مثلاً اگر ریاست اور حکومت مانع ہے اور وہ فرماں روائی جو صدہا لوگوں پر اس کو حاصل ہے اسے نہیں چھوڑتی کہ چست اور چالاک ہو کر حج اور جہاد کا ارادہ کرے تو اپنے لباس اور خوراک اور نشست و برخاست غریبوں اور دیہیوں کی طرح اختیار کرے اگرچہ حج اور جہاد بلکہ ساری عبادتیں نفس کے جھگڑے اور کشاکش کے

باوجود ادا ہو جاتی ہیں۔ لیکن جو برکت اور رونق فرصت اور اطمینان میں حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس صورت میں ہرگز ظاہر نہیں ہوتی اور جس وقت نفس مطیع ہو گیا اور عبادت میں نشاط کے ساتھ قدم رکھا یہ کام کی برکتوں کا باعث اور عبادات میں رونق کا موجب ہو گیا اور اگر امور جہاد میں احکام کے باوجود بھی نفس اس کے حق کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا اور اپنی محافظت کرتا ہے تو جو کام پوشیدہ طور پر کسی کافر رئیس کے قتل کرنے کی مانند زیادہ مشکل ہو اسی کام کو اپنے ذمے لازم سمجھ کر پورا کرے اور نفس کو سمجھائے کہ اگر تو سستی کریگا تو اسی طرح تجھ کو ہلاکت کے مقاموں میں ڈالوں گا یہاں تک کہ وہ باز آ جائے اسی طرح کرتا رہے۔

## چوتھی فصل ادائے طاعات کے طریقوں کے بیان میں

اور اس میں ایک تمہید ہے اور پانچ افادے ہیں۔ **تمہید**۔ تہذیب اخلاق اور ادائے طاعات سے اصلی مقصود تو نفس کا سنوارنا اور اصلاح کرنا ہے تاکہ وہ مطمئن ہو جائے اور بد عادات سے پاک ہو جائے اور بد عادتوں سے نفس کا پاک ہونا ہی نیک عادتوں کے ساتھ اس کا موصوف ہونا ہے اور عام اہل سلوک جو اس کو نفس کشی سے تعبیر کرتے ہیں محض خطا ہے کیونکہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفس کے مار ڈالنے کا حکم ہے اور نہ زندگی کے باوجود اس کا کرنا ممکن ہے اور جو ممکن ہے اسی کی بجا آوری کا حکم بھی ہے یعنی نفس کی اصلاح کر کے اسے احکام شرعیہ کا مطیع کیا جائے جیسے جاہل انسان کو عالم بنا دیا جائے پس اس کو مار ڈالنے سے تعبیر کرنا غلط ہے اور نفس کشی میں جو مشکل ریاضتیں اور کھانے پینے کی کمی معمول ہے یہ سب غلط ہے ان ریاضتوں کے ساتھ نفس مرتا نہیں بلکہ انسانی وجود کمزور ہو جاتا ہے اور مشکل عبادتوں کے لائق نہیں رہتا اور ممکن ہے کہ ان ریاضتوں سے نفس میں ایک وجہ کی شکستگی آ جائے اور کئی وجہ سے نازگی پیدا ہو جائے

**پہلا افادہ**۔ ارکان اسلام کی اصلاح کے لئے سب سے بہتر یہ طریقہ ہے کہ ان ارکان کی عظمت اچھی طرح سمجھ لے اور جب ان کا بہت سا فائدہ اور عزت جان لے گا تو ان کا اہتمام اور انکے اصلاح کی بہت تدبیریں کریگا پس ارکان اسلام خاص کر ان سے افضل رکن یعنی نماز کی عظمت کی حقیقت سمجھ لینا نہایت ہی دشوار ہے لیکن بحکم ؎ مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ کسی قدر نماز

لہ جو چیز ساری کی ساری سمجھ میں نہ آئے ساری کی ساری چھوڑنی بھی نہ چاہیئے۔

کی عظمت لکھی جاتی ہے اور اس کے بعد دوسرے ارکان کی بابت نمونے کے طور پر کچھ بیان کیا جائیگا۔ پس پہلے ایک مثال سن لینی چاہیئے۔ ایک بادشاہ ہے جس کی سلطنت بڑی اور وسیع ہے اور اس کی رعیت بیشمار اور ان گنت لشکر ہیں اور مختلف مقاموں اور جگہوں میں بے حساب مناین کارخانے موجود ہیں اور ہر کارخانہ پر کئی قسم کے آدمی مقرر ہیں اور ہر ایک کارخانے میں طرح طرح کی چیزوں کو مداخلت ہے مثلاً مزارعے اپنے مختلف مرتبوں کے باوجود اپنے کام میں مشغول ہیں۔ اور بیل بے شمار مختلف حاجتوں میں لگائے ہوئے ہیں۔ اور اسی طرح تجارتی اور کام میں ہیں اور منشی اور کام میں اور ہر ایک کیلئے اس کے کام کے موافق ایک معین اجرت اور عہدہ مقرر ہے اور اسی کام کے باعث ہر ایک کو جناب بادشاہ کے ساتھ ایک علاقہ اور ربط ہے اور اس علاقے کو معلوم کر کے اپنے آپ میں پھولا نہیں سماتا اور اپنی کوشش اور کام پر فخر کرتا ہے اور جانتا ہے کہ بادشاہ بے پرواہ ہے کسی کا محتاج نہیں اور میرا جو علاقہ اس کے ساتھ ہے یہ اسی کی عنایت ہے اور میرے فخر کا دارومدار ہے لیکن ان تمام کارخانوں کے ملازموں کے لئے ایک دوسرے پر درجوں اور مرتبوں میں تفاوت اور بعض کے اعلیٰ درجوں پر بلند ہونے کے باوجود ایک معین کام ہے۔ کہ اس سے تجاوز کرنا اور بدلنا ممکن نہیں اور اسی واسطے کمی بیشی کے لحاظ سے ان کی اجرت میں تفاوت نہیں ہوتی اور بعد ازاں بادشاہ نے ایک خاص چیلے کو نائب اور خلیفہ بنا کر تمام کارخانوں کے قیام کیلئے واسطہ بنایا ہے اور اس کے حاضر ہونے کے واسطے چند وقت مقرر کئے ہیں تاکہ ان وقتوں میں حاضر ہو کر اپنی حاجتیں بیان کرے اور سلطانی احکام سن کر ان کارخانوں میں ان کو جاری کرے اور چونکہ اس کے لئے دربار کے وقت معین ہیں اور مقررہ اوقات پر حاضر ہونے کے بارے میں اس پر سخت تاکید ہے تمام کارخانوں والے اس کے حال کے نگراں اور اس کے مقام کے مشتاق رہتے ہیں اور ہر دربار میں اس کے واسطے ایک عجیب چیز اور ایک بلند مرتبہ کے ظاہر ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور ان مقررہ وقتوں میں بادشاہ کی طرف سے اس پر ایک خاص عنایت تمام کارخانجات والوں کی عقلوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ اسی واسطے وہ خاص چیلہ تمام رعایا اور لشکر اور اہل سیف و قلم میں ممتاز و معزز ہوتا ہے اسی طرح زمین سے لیکر آسمان تک کی مخلوقات کا یہی حال سمجھنا چاہیئے جو احکام الٰہی میں سرگرم اور مسخر ہیں

اور اگرچہ مقرب فرشتوں کے لئے عمدہ عہدے اور بڑے بڑے کام مقرر ہیں، مگر وہ اپنے کام اور مرتبہ سے تجاوز نہیں کر سکتے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت اسرافیل علیہ السلام کے کارخانہ میں کچھ دخل نہیں اور اسی طرح حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حضرت جبریل علیہ السلام کے امور میں کچھ دخل نہیں وعلیٰ ہذا القیاس جو مرتبہ جبریل علیہ السلام کے واسطے مقرر ہو چکا ہے نہ ان کو اس سے تنزل ہے اور نہ ترقی اور تنزل تو معصوم ہونے کی وجہ سے نہیں اور ترقی نہ ہونے کے لئے معراج کا قصہ گواہ۔ بیت

اگر یک سر موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم صفی اللہ کو خلافت کے واسطے پیدا کیا اور سب نہایت کمالوں کی استعداد آپ میں رکھی اور انہیں بہت سارے کل مخلوقوں کا مظہر بنایا اور ترقی اور تنزل حقیقت انسانی کیلئے مقرر فرمائی اور اول اول حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو افراد انسانی کا اصل میں اس کا پورا مظہر بنایا تاکہ اس حقیقت کے تمام افراد میں وہ سرایت کر جائے اور اسی واسطے جس طرح خاص شاہی چیلہ ان امور مملکت میں سے ہر ایک امر کا مصدر ہو سکتا ہے جو شاہت کے تمام نوکر چاکروں پر بانٹے ہوئے ہیں مثلاً مگس رانی اور جو ابداری جیسے کام جو غلاموں کے متعلق ہیں تنہائی میں حاجت کے وقت اس چیلہ سے لئے جا سکتے ہیں اور اسی طرح کسی کو پیغام پہنچانا اور عندالطلب کسی کا حاضر کرنا جو نقیبوں اور چوبداروں کے متعلق ہے بضرورت کے موقعہ پر اس خاص چیلہ یا خلیفہ سے بھی ظہور پذیر ہو سکتے ہیں اور ایسا ہی فرمان نویسی اور جمع خرچ کا حساب کتاب جو منشی متصدی لوگوں کے سپرد ہوتا ہے ضرورت کے وقت اس خاص خادم سے بھی کرا لیا جاتا ہے اور ایلچی گری اور استحکام سلطنت اور لشکر کی سرداری اور امور متعلقہ وزارت جیسے عمدہ کاموں کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے اسی طرح انسانی افراد میں سے کامل لوگ تدبیر کرنے والے فرشتوں کی ساری خدمتوں کا مصدر ہو سکتے مثلاً جہاد یا دعا کے ساتھ کفار کے ہلاک کرنے کی خدمت جو فرشتگان غضب سے متعلق ہے جہاد اور دعا کے ذریعہ اس کامل انسان سے ظاہر ہو جاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے منافع پہنچانے کی خدمت جو فرشتگان رحمت کے متعلق ہے اسی سے حاصل ہوتی ہے اور تسبیح واذکار اور بجا آوری عبادت کی جو خدمت فرشتگان مسبحین

کی متعلق ہے اس سے صادر ہوتی ہے اور پڑھنے پڑھانے اور ارشاد و تلقین کی جو خدمت فرشتگان
خدام وحی سے متعلق ہے اس سے درست ہوتی ہے اور سلطنت عادلہ اور خلافت کبریٰ کے تمام گروہ
اور امامت باطنہ اور نبوت اور رسالت اور اولوا العزم اور خاتمیت کے عہدوں اور مرتبوں سے
مرتب کرنے کی جو خدمتیں ملاء اعلیٰ کے فرشتوں سے متعلق ہیں اس سے ہوا کرتی ہیں اور باقی
خدمتوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے القصہ اللہ عزوجل نے اپنے خلیفہ کی دربار داری کے
لئے چند وقت فرمائے ہیں اور وراثت کے طور پر سارے بنی آدم میں وہ استعداد پوشیدہ
کر رکھی ہے اور اس کا اظہار انہی کے اختیار میں دیدیا ہے اور نہایت ہی مہربانی اور عنایت کی
راہ سے رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے اتارنے اور ان ہی جیسے اور باعث ظہور استعداد
کے ساتھ ہر طرح اس کی امداد فرمائی ہے پس پانچ نمازوں کے وقت جو اس اشرف مخلوقات
کے لئے نہایت قرب اور حضور کے وقت ہیں اور اسی واسطے بہترین امت پر فرض ہوئے ہیں
وہی دربار کے وقت ہیں اور معنی خلافت کی ایک شاخ سب لوگوں میں موجود ہے جو چاہے
اس کو ظاہر کرے اور جو چاہے اس کو برباد کرے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ
مَنْ دَسّٰهَا[1] پانچ وقتی نمازوں کا بندوں پر فرض ہونا تمام مخلوقات کی ماہیتوں پر انسانی
ماہیت کے بلند ہونے پر معتبر گواہ ہے گو اس کے افراد آپس میں تناقض اور تفاوت ہوں بلکہ
تنزل کرتے کرتے اسفل السافلین تک پہنچ جائیں اور دراصل ان کے اسفل السافلین میں پہنچ
جانے کے باعث بھی انکی وہی بلندی ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ بڑی بلاؤں اور بڑی سزاؤں
میں گرفتار ہونا بادشاہ کے خاص حضوری ملازموں کا حصہ ہوتا ہے مقدم بیشتر عنایت دوم بیشتر عتاب
پس ایمانی کمال کی طلب کرنے والے مومن کو چاہیئے کہ نماز کی حقیقت اس طرح جانے کہ پروردگار
عالم جل جلالہ نے جس کی بادشاہت کی بزرگی اور اس کی اوصاف کمال کی کوئی انتہا نہیں اسے تمام
مخلوقات سے چن کر سخت تاکید کے ساتھ پانچ وقت دربار میں حاضر ہونے کا مطلق اذن دیکر دستوری
لینے کا محتاج نہیں رکھا اور دربانوں، نقیبوں کی منت اٹھانے سے سبکدوش کر دیا ہے اور
غیر حاضری کی سخت سزا مقرر فرمائی ہے پس اپنے آپ کو اس بڑی نعمت سے جو تمام جہانوں کے

---

[1] جس نے اس کو سنوارا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس کو آلودہ کیا وہ ناکام رہا۔

رشک کا مقام ہے محروم کرکے سخت سزا کا مستحق بنانا کس درجہ کی جہالت اور نادانی ہے
نماز کی عظمت کو اس طرح سمجھ کر نہایت ہی ادب اور اس خشوع کے ساتھ اس کو بجا لائے جو اس
حقیقی بادشاہ کے دربار کی قبولیت کے لائق ہو اور اپنے آپ کو ہمیشہ خدائی کام میں رکھ کر
نماز کے وقتوں کو بے شبہ دربار اور حاضری کا وقت جانے اور تلاوت اور تسبیحوں اور
دعاؤں کو اپنے حق میں مناجات اور مکالمہ اور عرض حاجات سمجھے نماز کی اجمالی حقیقت تو یہ ہے
لیکن مفصل طور پر اس کے ارکان کی حقیقت سمجھنے کے واسطے یہ مثال سمجھ لینی چاہیے کہ جس
طرح وہ بادشاہ کا خاص خلیفہ یا نائب جس وقت مناجات اور عرض حاجات کا ارادہ اپنے دل میں
پکا کرکے اپنے آقا کے دربار میں نہایت ہی خضوع اور تعظیم کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے
ماسوا سے اعراض کرکے اس کی بادشاہت کی ہیبت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ کر امید اور
مناجات کی آنکھ اس کی طرف لگا لیتا ہے پس خواہ مخواہ جونہی وہ عالی جاہ بادشاہ اس کی عرض و
کے ارادے سے مطلع ہوتا ہے اور اس کی عرض حاجات کی امید کو دیکھتا ہے اس کے حق میں
ایک خاص مہربانی کرتا ہے اور قبولیت اور پیار کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور تعظیم کے
جتنے قول اور فعل اس خلیفہ سے صادر ہوتے ہیں ان کی وجہ سے بادشاہت کی عنایت اور بھی
اس پر زیادہ ہوتی ہے پس جس وقت وہ فرمانبردار بندہ اپنے آقا کی عنایتوں کو اپنے حق میں
زیادہ سے زیادہ معلوم کرتا ہے تو تخت بوسی یا اسی جیسی اور تعظیمیں جو کہ سرگوشی کی اجازت طلبی کا مقدمہ
اور عرض حاجات کا توطیہ ہوتی ہیں بجا لانے کے لئے تیار ہوتا ہے اور اس تعظیم کے صادر ہونے
کے باعث بادشاہ کی بے نہایت مہربانیاں اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے مناجات اور عرض حاجات
کی دستوری دیتی ہیں پس وہ مطیع بندہ مناجات کا اذن حاصل ہو جانے کے شکریہ میں اپنی زبان
سے وہ تعریف اور مدح کرنے لگ جاتا ہے جو اس کے مولا کے شان کے لائق ہوتی ہے اور اپنے
آقا کی تعظیم کو ظاہر کرنے والا فعل بجا لا کر مناجات اور عرض حاجات میں مشغول ہو جاتا ہے
اور چونکہ یہ وقت اس فرمانبردار بندہ کے لئے نہایت ہی کمال اور عالی جاہ بادشاہ کے نہایت
قرب اور سلطنت کی ہیبت اور بادشاہت کے غلبہ کے نہایت ظاہر اور واضح ہونے کا وقت ہے
اس وقت میں مناجات کے مختلف مضامین اور حاجات کے بعض مقامات میں بھول چوک کا اندیشہ

ہوتا ہے لہٰذا اس کا حکم ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر مقام مناجات سے جدا ہو کر اپنے خیال اور عقل کو درست کرکے پھر محل قرب میں داخل ہو تاکہ اچھی طرح فوت شدہ چیز کا تدارک ہو سکے اور جب کہ اس قسم کے قرب اور اتصال کی حالتیں اس مطیع بندہ پر وارد ہوتی ہیں۔ نہایت قدردانی اور قبولیت کا قانون یہ تقاضا کرتا ہے کہ بیٹھنے کی اجازت دیکر اس بندے کی عزت افزائی کی جائے لیکن چونکہ بادشاہی دربار میں بیٹھ جانا سخت بے ادبی ہے اس لئے بادشاہت کی حکمت عملی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس بندے کو ایسی خدمت کی بجاآوری کا حکم دیا جائے جو بیٹھنے کے مناسب ہو مثلاً وہ بادشاہ عالی جاہ اس کی طرف اپنا پاؤں دراز کر دیتا ہے تاکہ چاپی کی خدمت ادا کرنے کے لئے بیٹھ جائے اسی طرح جس وقت شرک سے پاک درست عقیدے والا خالص نیت والا بدعت سے بچنے والا بد عادتوں سے خالی اور عمدہ خصائل سے مزین ایماندار اپنی جان کو بھی آلودگیوں اور اندرکی گندگیوں سے صاف اور اپنے بدن کو حقیقی اور حکمی نجاستوں سے پاک اور اپنے دل کی تختی کو نقوش ماسوی اللہ سے صاف اور دل کو علائق غیر اللہ سے خالی کرکے اپنے دل و جان سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نہایت محبت اور رغبت سے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ[۱] کے مضمون کو اپنے دل میں مضبوط کرکے تکبیر تحریمہ کہتا ہے صرف اسی عقد کے ساتھ رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے اور ایک خاص قسم کی عنایت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے کہ حدیث اذا صلی احدکم فلا یتنخمن قبل وجهه فان الله بینه وبین القبلة[۲] وفی روایة فان الرحمة تواجهه اسی معاملہ کی طرف اشارہ ہے اور تلاوت قرآن اور دعاؤں سے جس قدر تعظیمی اقوال اس سے ظاہر ہوتے ہیں اسی قدر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فیض اس کے حق میں مبذول ہوتا ہے تاکہ غایت تعظیم کا توطیہ یعنی نہایت قرب کی تمہید یعنی سجدہ بجالاتا ہے اور جب اپنے خالص عقل کی طرف ملاحظہ کرتا ہے کہ اللہ عزوجل شانہ نے مجھ کو ایسے رفیع مقام یعنی بگو در مطلق ماذون کرکے کوئی مانع نہیں چھوڑا تو اس بڑی نعمت اور عطیہ کا شکر ادا کرنے کے لئے سیدھا کھڑا ہو کر جو حمد و ثنا اس کی شان کے شایان ہے بجالا کر اپنے ماتھے کو عاجزی کی

---

[۱] جیسا کہ میں نے اپنے منہ کو اس ذات کی طرف متوجہ کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ [۲] جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہو تو اپنے سامنے تھوک نہ ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے [۳] کیونکہ رحمت اسکے سامنے ہوتی ہے۔

مٹی پر گھس کر مناجات اور عرض حاجات میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ سجود نہایت ہی قرب اور تجلیات جمالی اور جلالی کے ظاہر ہونے کا مقام ہے۔ لہذا حاجات کے بعض مضامین میں بھول جانے کے گمان پر اس کو حکم کرتا ہے کہ اپنے آپ کو اس رفیع مقام سے تھوڑی دیر اُٹھا کر پھر فوت شدہ حاجت کے تدارک کیلئے آجھکانا اور جب وہ پاک مومن ان پسندیدہ حالات کو جن کے ادنیٰ درجہ کا تکرار دو رکعتوں میں پایا جاتا ہے بار بار بجا لا کر بیٹھنے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے تو بزرگی کے قانون کی محافظت کے لیے نماز کے قعود کو عبادت سے خالی نہ چھوڑ کر اُسے اُس تشہد کے پڑھنے کا حکم ملا جو نہایت ہی تعظیمی اقوال پر مشتمل ہے۔ اور ارکان نماز میں تکرار اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ افعال تعظیمی کا بار بار بجالانا نہایت ہی اطاعت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ایک بار تعظیمی فعل بجالانے میں اس کے اتفاقی صادر ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے اور قومہ میں بھی ایک بھید ہے جس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ نماز کے ہر رکن میں ایک نئی شیرینی اور تازہ لذت ہے پس ضرور ہے کہ رکوع کو سجود سے ایک اجنبی فعل کے ساتھ جدا کرنا چاہیے تاکہ ہر ایک رکن کی مستقل لذت نمازی کو حاصل ہو جائے اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان والے جلسہ میں بھی ایک گہرا بھید ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ جب کوئی بے حیثیت آدمی دفعتہً کسی بلند مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے مثلاً اس کا ہاتھ پایۂ تخت شاہی تک پہنچ جاتا ہے یا مستقل دستار سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ تو خواہ مخواہ ہم جنس اور ہم جولی اس امر کا اتفاقی ہونا خیال کرتے ہیں اور جب یہ امر بار بار متحقق ہو جائے تو وہ بیہودہ خیال باطل ہو جاتا ہے اور اسی طرح جب اس مشت بھر مٹی کو قرب کے ان اعلیٰ مرتبوں کے ساتھ سجود میں حاصل ہوتے ہیں معزز کرتے ہیں تو خواہ مخواہ سب جہان والوں کے دلوں میں بلکہ اس نمازی کے نفس میں اس امر کے اتفاقی ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے پس اس گمان کے دور کرنے کے واسطے ہر رکعت میں اس پاک مومن کو اس فاخرہ خلعت کے ساتھ دو بار معزز فرمایا جاتا ہے۔ ارکان نماز کے اسرار کی طرف اجمالی اشارہ ہے لیکن ان کی تفصیل بسبب مقام کی تنگی کی وجہ سے عقلمندوں کی عقل کے حوالہ کی گئی ہے۔ اگر اتنی بات پر اچھی طرح مطلع ہو کر مداومت کرے گا۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ اپنی استعداد کے موافق الہامات صلوٰۃ کا مورد بن جائے گا حضرت خاتم

کے قول اُجَهِّزُ جَيْشِيْ وَاَنَا فِي الصَّلٰوةِ کا بھید اس جگہ سے معلوم کر سکتے ہیں اپنے دربار
کے وقت میں مسلمانوں کے لشکر وغیرہ کی وہ تدبیر جو کہ دین متین کی زیادہ قوت اور شوکت کا باعث ہو
کیا کرتے تھے اسی واسطے جتنے فتوحات اور اسلام کی ترقیاں آپ کے زمانہ میں ہوئیں اور
کسی زمانہ میں معلوم نہیں ہوئیں۔ القصہ انسان کے دل میں ایمان اس بیج کے جا بجا ہے جو زمین
میں چھپا ہوا ہے جونہی اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اس کی عبودیت خدائی عالموں میں
معلوم ہوگئی ہے تو فرشتوں کی اعلیٰ جماعت سے زبان حال کے ساتھ اس کی عبودیت اور
قبولیت کی مبارکباد کی آواز نے جہان والوں کے کانوں کو زینت بخشی اور محض کلمہ شہادت کے
صادر ہوتے ہی دربار میں پانچ وقت حاضر ہونے اور پاک ہونے کے بہت سے ان حکموں کے
ساتھ جو دربار میں حاضر ہونے کے لیے ایک مقدمہ ہیں معزز کیا گیا۔ اور بہت سے قولی اور
فعلی آداب اور بلند اور آہستہ عرضداشت کے سکھانے سے ممتاز ہو گیا۔

**دوسرا افادہ**:۔ چونکہ بموجب منطوق آیہ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا دنیاوی مال اس جہان کی
زندگی کا ستون ہیں۔ بالکل ان اموال سے قطع تعلق کر لینے کا امر نہیں کیا گیا اور ممکن ہے انسان
مسلمان ہوتے ہی مالدار بن جائے یا پہلے سے ہی مالدار ہو اسی واسطے زکوٰۃ کو نماز کا ضمیمہ
بنا دیا گیا ہے کیونکہ جو مال کہ اکثر غفلت کا موجب ہوا کرتا ہے۔ اور اس کی محبت سیاہ دلی کا باعث بنتی ہے
مسلمان آدمی کے حق میں ایک قسم کی ہمیشہ کی حاضری بن جائے اس کی شرح یہ ہے جب آدمی مسلمان
ہوا اور اس نے جان لیا کہ میں ارکان اسلام کے ساتھ مامور ہوں اور عمدہ ارکان جن میں
سے زکوٰۃ بھی ایک عمدہ رکن ہے اس کے دل میں جاگزیں ہو گئے اسی وقت اجناس اموال کی
تفتیش میں لگ گیا کہ کونسا مال زکوٰۃ کے قبیل سے ہے اور کونسا نہیں، اور جو پہلی قسم سے ہے اس کی
کیا مقدار ہے اور مقدار کی زکوٰۃ کتنی ہے اور سال کا گذرنا جو زکوٰۃ کی ایک شرط ہے کس وقت سے
شروع ہوتا ہے پس جب تک یہ اہتمام اس کے دل کو دامن گیر رہیگا۔ خواہ عین ترقی اموال کی
تدبیر میں ہو تو ایک قسم کی حاضری اس کو نصیب رہے گی اور جب فرضیت کا معنی اچھی طرح سمجھ
لیگا یعنی جان لے گا کہ اتنا مال جو ہر سال میں نذرانہ اور تحفے کے طور پر اس کے دربار میں

---

۱؎ میں نماز پڑھتے ہوئے لشکر کی تیاری کرتا ہوں ۲؎ جو بنائی اللہ نے تمہاری گذران۔

حاضر کرنے کیلئے میرے ذمے مقرر کیا گیا ہے۔ وہ شخص اپنا جلیل القدر انعام مجھ پر جڑھانے کے واسطے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی واسطے مستقل طور پر زکوٰۃ کا لینا جس طرح کہ قرآن شریف اور حدیث سے سمجھا جاتا ہے امام اور خلیفہ کا حق ہے گویا اس طرح ادا کرنا خود اللہ جل جلالہ کے ہاتھ میں دینا ہے پس ہر سال زکوٰۃ کے ادا کرنے میں مسلمان آدمی اس شخص کی مانند ہے جس کو بے پروا عالی جاہ بادشاہ کی جانب سے ایک تاکیدی حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ملکیت اور استعمال کی چیزوں میں سے ہر سال اس قدر نیاز عید یا جشن کے طور پر ہمارے حضور میں لایا کرو تاکہ ہم اس کو اپنی عنایت کے ہاتھ سے قبول کر کے تم کو اپنی مہربانیوں کا مورد بنا دیں پس دوسرے کارخانوں والے جن سے عید اور جشن کے موقعہ پر اس طرح کی نذر مطلوب نہیں بلکہ وہ ادا بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے مرتبہ کی اس بلندی اور اس کی اس محبت اور عزت کے مقر ہو جائیں جو بادشاہ کی درگاہ میں اس کو حاصل ہے۔ وہ شخص ہمیشہ زیادہ اور ترقی میں رہتا ہے۔ اور عین شخص اموال میں غفلت اس کے سامنے نہیں آتی

**فائدہ** ۔ جس طرح طاقتور اور سخاوت شعار بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ نذر و نیاز کے مالوں کو اپنی خاص حاجتوں میں خرچ نہیں کرتے بلکہ عالی مقدار شاہزادوں اور بڑے بڑے امیروں جیسے اہل عزت کے مخارج میں بھی ان کے خرچ کرنے کی تجویز نہیں کرتے ان کے نزدیک ایسے مالوں کے مصرف فقط حاجتمند لوگ ہیں اسی طرح حضرت شاہنشاہ نے زکوٰۃ کے مالوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرام کر دیا کہ دراصل آنجناب کے خرچ خاص حضرت رب الارباب کے مخارج میں سے ہیں اور تمام بنی ہاشم پر جن کو آپ کے ساتھ قرابت کا رشتہ ہے صدقے حرام کر دیئے اور ان مالوں کا مصرف صرف حاجتمند لوگ مقرر فرمائے پس جن لوگوں پر صدقات حرام کیے گئے ہیں ان کو وہ عزت اور فخر حاصل ہوا ہے کہ وہ اس کے شکر کو کسی زبان کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے اگر فقط اسی نعمت کے مقابلہ میں صد ہا قسم کی عبادتیں بجا لائیں ان کو لائق ہے اور اس جیسی بڑی نعمت کے مقابلہ میں کفران اور ناشکری کس درجہ کی نالائقی ہے۔

**تیسرا افادہ** ۔ روزے کی فرضیت میں بھی مومن آدمی کی توجہ سارے سال میں حکم الٰہی کی تعظیم کی طرف لگی رہتی ہے۔ اور خود انتظار میں رہتا ہے اور تیاری کرتا رہتا ہے کہ جب رمضان شریف آئیگا تو اس طرح روزہ اور نماز تراویح ادا کروں گا اور قرآن کریم کی تلاوت کرونگا

اور اس انتظار اور تیاری اور نیت کے اخلاص میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہوا کرتی ہیں اور اسی اختلاف کی وجہ سے ان کی قبولیت کے درجے مختلف ہو جاتے ہیں۔ پورے سال کی اس اصلاح کی وجہ سے رمضان کو زکوٰۃ کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہے۔ جس طرح زکوٰۃ کے بیان میں مذکور ہوا۔ اگرچہ سب امتوں پر روزہ فرض تھا لیکن اللہ جل شانہٗ کی بے غایات عنایتوں سے اس امت مرحومہ کے بدنی ضعف اور عمر کی کمی اور بے عقلی وغیرہ امور کے لحاظ سے اس مبارک مہینے کی تخصیص اور لیلۃ القدر کا تقرر ہوا۔ تاکہ یہ لوگ بھی مشکل اعمال کی زیادت کے سوا ہی ماہ موصوف اور شب قدر کی برکات کے ذریعے سے پہلے لوگوں کی مانند یا ان سے زیادہ عالی درجوں پر کامیاب ہوں اور روزے سے ہر سال میں نفس پر ایک قوی اثر ہوتی ہے جس کا اثر پورے سال تک رہتا ہے۔ اور آدمی کی شہوت اور اس کے غضب اور حرص کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ گو ہر انسان کو اس کی اطلاع نہ ہو۔

چوتھا افادہ۔ لیکن حج اس کے جا بجا ہے کہ بادشاہ نے ایک مقام کو مقرر کر کے اسے اپنی بے نہایت مہربانیوں کا مورد بنا دیا ہے اور جس شخص کو اس مکان میں طلب کرتا ہے اس کو بہت سا فیض پہنچاتا ہے اور اس کو اپنے ہم جلیسوں میں معظم اور معزز بنا دیتا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص بلانے کے سوا اس مکان میں داخل ہو۔ اس پر بھی وہ مہربانیاں کرتا ہے جن کی اس کو لیاقت ہے اور اس کو بھی اپنے ہم جولیوں میں ایک طرح کی عظمت حاصل ہو جاتی ہے۔ القصہ اس مکان کو خوان یغما بنا دیا ہوتا ہے پس جو شخص بلانے پر وہاں حاضر ہو۔ اس کے حال کے موافق اس پر اعزاز اور انعام فرماتا ہے اور جو شخص بلا طلب وہاں پہنچ جائے اس کو بھی خالی نہیں چھوڑتا اور کسی نہ کسی وجہ سے اس کو عزت اور انعام دے ہی دیتا ہے اسی طرح بادشاہ مطلق جل شانہٗ نے خانہ کعبہ اور اس کے ارد گرد کو جسے حرم کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ساری دنیا سے ممتاز کر کے اپنے فیوض کا مورد بنا کر ہر کس و ناکس کے واسطے خوانِ یغما کر دیا ہے پس وہاں بلائے ہوئے جو اشخاص یعنی بنی آدم حاضر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رنگا رنگ نعمتوں سے مالا مال ہو جاتے ہیں تمام گناہوں سے مغفرت عامہ بھی انہی نعمتوں سے ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آدمی کو بخش کر اس طرح بنا دیتا ہے گویا ابھی پیدا ہوا ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور آئندہ کے لئے بھی

اللہ جل شانہٗ کی عنایتیں اس کے شامل حال رہیں گی۔ اور حیوانات اور نباتات جیسی چیزوں سے جو بلا طلب وہاں پہنچ جاتی ہیں۔ وہ حرم کی حرمت سے معزز ہو کر اپنے امثال میں سے ایک درجہ کا امتیاز حاصل کر لیتی ہیں پس ہر ایک کو چاہیے کہ اس امر عظیم یعنی محض امر الٰہی سے اکرام کے واسطے ایسے عاجز کو ایسے مقام میں اپنے پروردگار کے بلانے کا دھیان کر کے عظمت حج کو اپنے دل میں پختہ کرے۔

**پانچواں افادہ** ۔ جاننا چاہیے کہ جہاد بھی بے نہایت فوائد اور منافع والا امر ہے اور اس کی منفعت بارش کی مانند عام لوگوں کو کئی وجہ سے پہنچتی ہے اور اس امر عظیم کے فوائد کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ عام فائدہ ہے کہ فرمانبردار مومن اور سرکش کافر اور فاسق اور منافق بلکہ جن اور انس اور حیوانات اور نباتات اس میں شریک ہیں اور دوسری قسم فوائد مخصوصہ ہیں جو مخصوص لوگوں کو پہنچا کرتے ہیں۔ یعنی بعض لوگوں کو ایک طرح کا فائدہ پہنچتا ہے اور دوسرے لوگوں کو دوسری طرح کا لیکن منفعت عامہ کا یہ بیان ہے کہ جس طرح صحیح تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ حکام کی عدالت اور اہل معاملات کی دیانت اور مالداروں کی سخاوت اور بخشش اور عام لوگوں کی نیک نیتی کے باعث وقت پر بارشیں ہونے اور فصلوں کی کثرت اور کاروبار کی برکت اور بلاؤں اور آفتوں کے دفع ہونے اور مالوں کی ترقی اور زیادہ سے زیادہ اہل ہنر اور کمال کے پیدا ہونے کے مانند آسمانی برکتیں نازل ہوتی ہیں اسی طرح دین حق کی شوکت دیندار بادشاہوں کے عروج اور ان کی حکومت کے ظاہر ہونے اور مذہب حق کے لشکروں کی قوت اور شہروں اور دیہات میں احکام شرعیہ کے پھیلنے کے سبب سے زمین کے قطروں میں اسی طرح کی آسمانی برکتیں بلکہ ان سے کئی گنا زیادہ ظاہر ہوتی ہیں چنانچہ برکات سماویہ کے نزول میں روم اور ترکستان کے حال کے ساتھ ہندوستان کے حال کا موازنہ کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہندوستان کے اس وقت یعنی ۱۲۳۳ھ ہجری کے حال کو کہ اس کا اکثر حصہ حرب بن چکا ہے آسمانی برکات کے نازل ہونے اور اولیاء علمائے اور علمائے کرام کے ظاہر ہونے میں اسی ملک کے اس وقت دو سو یا تین سو سال کے پہلے حال کے ساتھ قیاس کرنا چاہیے ولیکن اس کے مخصوص فائدے سو شہید مومنوں اور غازی مسلمانوں اور طاقتور بادشاہوں اور لڑائی کرنے والے جوان مردوں کی نسبت ان کا حاصل ہونا بیان

کا محتاج نہیں اور صاف باطن لوگوں کی نسبت اس جہاد کا یہ فائدہ ہے کہ تھوڑے وقت میں بہت سی بڑی بڑی ترقیاں پاتے اور تھوڑی ریاضت سے ولایت کے مرتبوں پر کامیاب ہوجاتے ہیں اور علماء کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فائدے ہیں کہ علوم حقہ پھیلتے ہیں اور پڑھنے پڑھانے والے زیادہ ہوتے ہیں علماء قاضی مفتی مجتہد کے مرتبوں پر فائز عام لوگوں کو مقبول مذہب کی طرف عام دعوت کرکے امامت باطنہ کے منصب پر کامیاب ہوتے ہیں اور عقائد حقہ اور احکام پسندیدہ کے پھیلانے کے باعث نیابت انبیا کو حاصل کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ظہور ہوتا ہے اور عام صلحا کی طرف نسبت کرنے سے ان کے یہ فائدے ہیں کہ نیکو کار لوگوں کی عزت اور بدکار لوگوں کی بے عزتی اور پسندیدہ جائز امور کی مشہوری اور ناپسندیدہ ناجائز امور کی گمنامی کی وجہ سے صلاح اور پرہیزگاری کی طرف انکی رغبت زیادہ ہوتی ہے اور نیز اہل اسلام کے بادشاہوں کی اطاعت اور باعزت علماء اور بزرگ اور اولیاء کی تعظیم اور بڑی بڑی جماعتوں میں داخل اسلام ہونے کے باعث ان کی عبادات کے اجر کئی گنا بڑھ جاتے ہیں اور عام مومنوں کی طرف نسبت کرنے سے اس کے منافع یہ ہیں کہ معاملات میں ان کی نیتیں صحیح ہوجاتی ہیں اور اللہ عزوجل کی مہربانیوں دین حق کے انوار کے پھیل جانے کے باعث ان کے دلوں میں عبادات کی طرف محبت اور رسوم شرعیہ کے مشہور ہونے کے سبب سے انکی متابعت اگرچہ تقلیداً ہو پیدا ہوتی ہے اور نیز برکات سماویہ کے نازل ہونے اور ذوالاقتدار بادشاہوں کی عدالت اور سخی لوگوں کی سخاوت کی وجہ سے ان کو معاش میں فراخی حاصل ہوتی ہے اور قوانین شرعیہ کی متابعت کے باعث ان امور معاشیہ اور معادیہ انتظام پاتے ہیں اور بدکاروں اور فاسقوں کی طرف نسبت کرنے سے اس کے یہ فوائد ہیں کہ بنی آدم کے دلوں میں حق مذہب کے انوار کی سرایت اور عام لوگوں کی عقلوں میں برے افعال کی برائی مضبوط ہوجانے اور حق مذہب کے مشہور ہونے کے باعث ان کے دل میں فسق و فجور کے کراہت پیدا ہوجاتی ہے یا حدود اور تعزیرات کے ڈر اور اپنے خویش و اقران کی طعن و تشنیع کے خوف کے مارے اظہار بدعات و منکرات سے دست کش ہوجاتے ہیں اور توبہ کی توفیق پاتے ہیں اور منافقوں کی بہ نسبت اس کے یہ فائدے

ہیں کہ قتل کے خوف یا ایمان داروں کی عزت اور سرکشوں کی ذلت دیکھ کر بظاہر دین حق پر
مستقیم رہتے ہیں اور بظاہر ہو کر کفار کی جماعت میں داخل نہیں ہوتے اور ان کے حق میں یہ
امید بھی ہو سکتی ہے کہ حق مذہب کے انوار کے پھیل جانے اور آسمانی برکتوں کے نازل
ہونے اور اہل اسلام کے شوکت کے دیکھنے اور اولیاء عظام اور علماء کرام کے ساتھ میل جول
کرنے اور ان کے انوار کے عکس اور ان بزرگوں کی نصیحت کے تاثیر کرنے کی وجہ سے مذہب
حق کا نور ان کے دل کی تہ میں اثر کر جائے اور ذمی کافروں کی طرف نسبت کرنے سے اس
کے یہ فائدے ہیں کہ آسمانی برکتوں کے نازل ہونے سے ان کی معاش فراخ ہو جاتی ہے
اور بادشاہوں کی عدالت کے باعث چوروں اور رہزنوں سے وہ مطمئن ہو جاتے ہیں اور
امید ہے کہ اہل حق کے ساتھ خلط ملط رکھنے اور ان کی رسموں کے مشہور ہونے اور ان کے
امور معاش اور معاد کے انتظام کے دیکھنے کے باعث اسلام کی طرف راغب ہو جائیں اور
اہل حرب کی طرف نسبت کرنے سے اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے
جائیں گے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی کیونکہ اگر وہ مارے نہ جاتے تو مدت تک اپنے
کفر پر قائم رہتے پس خواہ مخواہ ان کا کفر بڑھتا رہتا اور جس قدر کفر بڑھتا عذاب بھی
زیادہ ہوتا اور انکی اہل بچوں کے حق میں یہ فائدہ ہے کہ غلام ہو جانے کی وجہ سے انکی
اہل حق کی صحبت حاصل ہو جاتی ہے جس سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ بھی ان کے رنگ سے
رنگے جائیں مختصر طور پر منافع جہاد بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس مقام میں اس کے فوائد کا
مفصل طور پر احاطہ نہیں ہو سکتا القصہ شریعت کے کارخانے میں اہل ایمان پر جہاد کا واجب
ہونا دنیا کے کارخانہ میں بارش اتارنے اور نہروں کے جاری کرنے کے قائم مقام ہے
اور بعض بد طینت لوگوں کا ہلاک ہونا خلاف وہ اہل اسلام جو کہ جہاد سے مانع ہوتے ہیں
اور اپنے باطن کی خباثت اور کافروں کی محبت کے باعث غازیوں اور مجاہدوں کی مخالفت
اختیار کر کے اپنے آپ کو ہلاکت کے بھنور میں ڈال دیتے ہیں۔ اور خبیث منافقوں کی جماعت
میں اپنے آپ کو شامل کرتے ہیں اس قسم کے چند فاسد الاستعداد اشخاص کا ضائع ہو جانا
جہاد کے عام فائدوں میں خلل انداز نہیں ہو سکتا وہ بارش ہی کو دیکھو کہ اس کے عام فائدے

تمام مخلوقات کے حق میں ظاہر ہیں یا آبگیر نہروں اور سیلابوں کی طغیانی کے باعث چند لوگوں کی عمارتیں گر بھی جاتی ہیں۔

## خاتمہ متفرق فائدوں کے بیان میں

### اور یہ پانچ افادوں پر مشتمل ہے

**پہلا افادہ** - جاننا چاہیے کہ سرود کا سننا بغیر مزامیر کے اور بے ریش لڑکوں کے ساتھ میل جول کرنا بدون شہوت کے اگرچہ ممنوعات شرعیہ سے نہیں لیکن اس قسم کے امور کو راہ حق کے سالکوں کے لئے خصوصاً راہ نبوت کے طالبوں کے حق میں خالی خلل سے نہ سمجھنا چاہیے اس کا بیان اس طرح ہے کہ اس قسم کے امور مبتدیوں کے حق میں بھی مضر ہیں اور منتہیوں کے حق میں بھی مضر ہیں۔ مبتدیوں کے حق میں ان کے مضر ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ تمام روحانی طبیبوں نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ راہ حق کے سالکوں کے لئے حقوق نفس کا پورا لینا ضرور ہے اور حظوظ نفس یعنی نفس کے مزوں کے پیچھے پڑنا مضر ہے خاص کر ایسے مزے جن کی لذت صلب نفس میں راسخ ہو جائے اور انکی شیرینی سویدائے دل میں محکم بیٹھ جائے اور ان کی طلب میں نفس سرگشتہ و حیران ہو جائے زیادہ تر مضر ہیں اور یہ حالات بالکل ظاہر ہے کہ اس قسم کے امور حقوق نفس کے قبیل سے نہیں کیونکہ ان کے ترک کر دینے کی وجہ سے کبھی جسم میں ضعف اور ناتوانی نہیں ہوتی جیسے کھانے پینے کے چھوڑ دینے سے (ضعف پیدا ہو جاتا ہے) اور نیز ان کے ترک کر دینے سے کبھی انتشار حواس اور طبیعت کی بے چینی اور عقل کی پراگندگی نہیں ہوتی جیسے نیند اور استراحت کے ترک کر دینے سے (یہ امور پیدا ہوتے ہیں) اور علیٰ ہذا القیاس کبھی ان کے ترک کر دینے سے اس امر کا خطرہ نہیں ہوتا کہ کسی شرعی حرام میں واقع ہو جائے جیسے جماع کے چھوڑ دینے سے (اس امر کا خطرہ ہوتا ہے) الغرض اس قسم کے امور کو کوئی عاقل حقوق نفس کے قبیل سے نہیں شمار کر سکتا پس معلوم ہوگیا کہ اس قسم کے امور حظوظ نفس کے سوا اور کچھ نہیں۔ بلکہ اس قسم کے حظوظ سے ہیں جن سے طالب کو پرہیز کرنا نہایت مؤکد و ضروری ہے کیونکہ رسیلی آواز اور شہوت داعیہ؎ ایسی چیزوں سے پیدا ہوں جن کی لذت دل کی تہ میں گھس جاتی ہے اور ان کا اثر دور دور اثر دراز تک نفس کے دامن میں لگا رہتا ہے اور انکی طلب میں نفس کو بجا

؎ دل لگنے اور ایسا خطرہ۔ جو نفسانی خواہشوں کا محرک باعث ہوتا ہے۔

جوش اور اضطراب رہتا ہے۔ علاوہ ازیں اس قسم کے امور ان مباحات کی جنس سے ہیں جنکا من وجہ امور محرمہ سے پیوند لگا ہوا ہے اور بعض وقتوں میں بعض شخصوں کو کھینچ کھانچ کر گناہوں تک لے جاتے ہیں مثلاً راگ کے سننے کے ساتھ دل کا کمال تعلق مزامیر اور باجوں کے سننے کی طرف کھینچ لے جاتا ہے اور بے ریش لڑکوں کے ساتھ کثرت سے اختلاط اور تنہائی میں ان کے ساتھ بیٹھنا شہوت کے پیدا ہونے کا سبب ہو جاتا ہے چنانچہ اہل فطانت اور تجربہ کاروں پر پوشیدہ نہیں۔ اور اس قسم کے مباح امور سے پرہیز کرنا اہل تقوی اور نیکو کاروں کا شعار ہے چنانچہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون بصراحت مذکور ہے اور کسی شخص کو اپنے تقویٰ اور صلاح کے بھروسے پر ایسے امور میں قدم نہ ڈالنا چاہیے کہ کلام ہدایت التیام - ان[1] الشیطان یجری من الانسان مجری الدم اس قسم کے شبہات کے دور کرنے میں شافی اور کافی ہے۔ ولیکن منتہیوں کے حق میں راگ کے سماع کا عادی ہونا ایک اور قسم کا نقصان پہنچاتا ہے اور امردوں کے ساتھ دل کا تعلق ایک اور قسم کا ضرر پہنچاتا ہے ولیکن سماع غنا کے عادی ہونے کا نقصان پس اس کی تفصیل ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے بیان اس کا اس طرح ہے کہ ہر انسان سلیم الوجدان اپنے باطن میں دریافت کر سکتا ہے کہ کیفیت غضبیہ اور ملکہ شجاعت دو علیحدہ علیحدہ امر ہیں اگرچہ ہر دو کے آثار اور احکام آپس میں ہم جنس اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں مثلاً نہب و قتل کہ غضب کے عارض ہونے سے بھی صادر ہوتے ہیں اور ملکہ شجاعت سے بھی لیکن اول یعنی غضب جلدی زائل ہونے والے عوارض سے ہے اور اس سے افعال کا صادر ہونا بے انتظام ہوتا ہے اور ثانی ملکات راسخہ سے ہے اور افعال کا صدور اس سے انتظام اور استحکام کے ساتھ ہوتا ہے اور اول کیفیات مذمومہ سے ہے اور ثانی ملکات[2] محمودہ سے پس کیفیت غضب کا طاری ہونا اور اس کے آثار کا صادر ہونا اگرچہ آثار شجاعت کے ظہور کا مخل نہیں بلکہ اس کا موید ہے لیکن اس کیفیت کا غلبہ اور نفس پر اس کا مسلط ہو جانا اور اس کے مقتضی کی (اس طرح) پیروی کرنا کہ جس کام کا

[1] یعنی شیطان کا دخل انسان کے باطن میں ایسا ہے جیسے خون جو انسان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ [2] ملکہ اس خلق کو کہتے ہیں جو بلا تکلف انسان سے صادر ہو۔

غضب حکم کرے اسکو کر ہی ڈالے خواہ عقل اور عرف کے مطابق ہو خواہ اور مخالف ملکہ شجاعت کو بے رونق کر دیتا ہے اور جس طرح صاحب شجاعت متین یا تمکین ہوتا ہے اسی طرح صاحب غضب سبک مزاج اور بے وقار ہوتا ہے جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو چکا تو اب اصل مقصود میں غور کرنا چاہیے اور کمال تعمق سے نظر کرنی چاہیے کہ وہ جوش اور ہیجان کہ آواز خوش کے سننے سے انسان کے باطن میں پیدا ہوتا ہے اگرچہ فی نفسہ امور قدسیہ الٰہیہ سے نہیں کیونکہ اس قسم کے حالات فاسقوں فاجروں بلکہ بدعتیوں اور کافروں کے نفس پر بلکہ سب حیوانات کے نفس پر وارد ہوتے ہیں لیکن انوار عبادات اور طاعات کے اختلاط اور خالق الارض والسمٰوٰت کی محبت کی آمیزش کے سبب سے سالک راہ حق کے لیے بظاہر ایک قسم کی تائید سی معلوم ہوتی ہے اور عامی طور پر حالات محمودہ سے شمار ہو جاتا ہے لیکن جب ایمانی کے آثار و مقامات کے سامنے اس کی وہی مثال ہے جیسے کیفیت غضبیہ کو شجاعت کے سامنے اور جس طرح سونے یا چاندی کے ٹکڑے کے نیچے آگ لگاتے ہیں تو آگ کی تیزی کی وجہ سے اس ٹکڑے میں ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے تاکہ پانی کی طرح ہو کر جھاگ اس پر ظاہر ہو جاتی ہے اور اس کا خلاصہ نیچے بیٹھ جاتا ہے پس فی الحقیقت امر مرغوب وہی ہے جو نیچے بیٹھ جاتا ہے اور یہ جھاگ جو اوپر چڑھ آئی ہے کسی کام کی نہیں فاما[1] الزبد فیذھب جفاء واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض اسی طرح راگ کے سننے سے جو جوش ظاہر ہو کر سننے والے کے تمام باطن کو گھیر لیتا ہے یہ منجملہ ان امور کے ہے جن کی طرف نفس کو رغبت ہوتی ہے اور احکام بہیمیہ جو کہ انوار قدسیہ سے ملے ہوئے ہیں اس قدر ابھرتے ہیں کہ گویا آسمان پر سر بلند کرتے ہیں اور حب ایمانی کے احکام و آثار تہ میں بیٹھ کر پوشیدہ ہو جاتے ہیں اور یہ ہیجان اور جوش امور معتد بہا میں کسی طرح کارآمد نہیں۔ ہاں ایک قسم کا طلسم ہے جو عالم ملکوت کے تماشائیوں کے نظارہ کے لیے ظاہر ہو گیا ہے پس اس قسم کے امور کے پیچھے پڑ جانا اور ان کے حاصل کرنے کے سببوں کا عادی ہو جانا حب ایمانی کے مقامات کو بے رونق کر دیتا ہے کیونکہ حب ایمانی کے صاحب کا کام سراسر اطمینان و تسکین اور وقار و تمکین ہے اور اہل وجد کا کام سراسر اضطراب اور پیچ و تاب ہے و لیکن امردوں کے ساتھ دل لگانے کا نقصان پس اسکا

---

[1] وہ جو جھاگ ہو جاتا ہے سوکھ کر اور جو کام آتا ہے لوگوں کے سو رہتا ہے زمین میں۔

بیان اس طرح ہے کہ ان کے حق میں اگرچہ حظوظ نفسانیہ سے محظوظ ہونا (چنداں) مضر نہیں لیکن تہ دل میں کسی چیز کا راسخ ہو جانا ان کے حق میں زہر قاتل ہے اور دل کا تعلق امر دوں کے ساتھ اسی قبیل سے ہوتا ہے یا اس کی طرف کشاں کشاں لے جاتا ہے چنانچہ صاحب وجدان سلیم پر پوشیدہ نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اکابر سالکان راہ حق سے جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اس قسم کے امور سے کچھ منقول نہیں بلکہ جو کچھ ان کے کلام ہدایت التیام سے اہل فطانت کے ذہن میں ظاہر ہوتا ہے وہ ان امور سے پرہیز و اجتناب کا اشارہ اور ان کی کراہت کا شعار ہے چنانچہ ماہرین اہل حدیث پر یہ امر پوشیدہ نہیں ولیکن جناب سرور کائنات علیہ افضل التحیات والتسلیمات کا ان امور کی تحریم پر تصریح نہ فرمانا بس ایک حکمت خاصہ پر مبنی ہے۔ بیان اس کا اس طرح ہے کہ یہ امور وہ بالفعل مفاسد شرعیہ میں سے کسی مفسدہ پر مشتمل نہیں باوجودیکہ ان امور کی طرف نفس کی کمال رغبت کی وجہ سے اور مخلوقات کے تمام ان اصناف میں ان کے کمال رواج کے سبب سے ان سے پرہیز کرنا عام لوگوں کے حق میں نہایت دشوار دکھائی دیتا تھا پس اگر اس قسم کے امور سے شریعت میں صریح نہی وارد ہوتی تو قطع نظر اس سے کہ ان امور کے سبب سے کوئی مفسدہ ظاہر ہوتا یا کوئی مضرت ان پر مرتب ہو محض ان امور کے کرنے سے ایک معصیت شرعیہ کا ارتکاب لازم آجاتا اور اکثر امت مرحومہ شقاوت عصیاں میں گرفتار ہو جاتی بناءً علیہ صرف ان امور کی کراہت کے شعار پر اکتفا کی گئی۔ پس طالب راہ حق کو مناسب ہے کہ اس قسم کے امور کا عادی نہ ہو جائے اور اپنے دل کے سویدا میں ان کو جگہ نہ دے اور ان کی طلب میں سرگشتہ و بیقرار نہ ہو وے صمیم قلب سے ان کی طرف التفات نہ کرے ہاں اگر بطور اتفاق کبھی اس قسم کے امور پیش آجائیں تو ان کے انکار پر زور دینا چنداں ضروری نہیں اور اس کام کے کرنے والوں کے حال سے تعرض نہ کرنا چاہئے تا تشدد فی الدین اور تحریم حلال لازم نہ آئے اور اگر اپنے عقیدت مندوں بلکہ تمام طالبان راہ حق پر جنہوں نے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا جوئی میں کمر ہمت چست کی ہوئی ہے اس امر کی کراہت ظاہر کرے اور اس سے ممانعت کا ارشاد کرے تو احسن و اولیٰ ہوگا۔ بہر حال جن لوگوں نے ان امور کو قرب الٰہی کا وسیلہ جان کر عبادات شرعیہ کی مد میں داخل کر رکھا ہے پس یہ لوگ بلاشک اہل بدعت ہیں۔

دوسرا افادہ۔ جو کچھ اس کتاب میں تخلیہ (از اخلاق رذیلہ) اور تحلیہ (با خلاق جمیلہ) کا ذکر مرقوم ہوا ہے وہ دو وجہ پر متحقق ہوتا ہے وجہ اول طریقہ اصحاب یمین کا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ مسلمان اپنے افعال اور اقوال کو میزان شرع سے تول کر ضروری مقدار تخلیہ اور تحلیہ کی حاصل کر کے اپنی سعی جمیل پر اجر جزیل کا امید وار ہوتا ہے اور ان حظوظ نفسانیہ اور لذات جسمانیہ سے جو جائز و مباح ہیں۔ پرہیز نہیں کرتا مثلاً مال و منال کے جمع کرنے اور امتعہ و اقمشہ[1] کے فراہم کرنے میں نہایت کوشش کرتا ہے اگرچہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ و نفقات واجبہ کے ادا کرنے اور قرابت داروں و خویشاوندوں پر خرچ کرنے پر سستی اور تساہل نہیں کرتا علیٰ ہذا القیاس بس اس شخص کی سعی مشکور[2] ہوگی اور اس کا صاحب بقدر اعمال کے ماجور ہوگا اور اپنی طاعات و عبادات کے حساب پر جنت کے درجات سے کامیاب ہوگا۔ دوسری وجہ طریقہ سابقین ہے اس کا بیان اس طرح ہے کہ یہ لوگ صرف قدر ضرورت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنی عالی ہمت کی بدولت کار عزیمت کو اختیار کرتے ہیں اور ماسوی اللہ سے اپنا تعلق قطع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال اور اپنے مساعی و اعمال اور جوارح و اعضا سے منقطع العلاقہ ہوتے ہیں اور ان سب چیزوں کو اپنے منعم حقیقی اور مولائے تحقیقی کا مال سمجھتے ہیں مثلاً اپنے ہاتھ کو اپنا ہاتھ نہیں جانتے اور اپنے سر کو اپنا سر خیال نہیں کرتے اور تمام حشمت و شوکت اور مال و منال اور تمام اسباب دنیا کو حضرت حق جل شانہ کا ملک سمجھ کر ان پر کسی قسم کا بھروسہ ہرگز نہیں کرتے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا جوئی میں ان کے صرف کرنے میں کسی طرح کا دریغ اور قصور نہیں کرتے اور یہ وسوسہ ان کے خیال میں کبھی نہیں گزرتا کہ ہماری زندگانی اور معاش کس طرح گزرے گی مثلاً اگر ان کو طعام کی طرف سخت حاجت ہو اور اس حال میں اس کے خیرات کر دینے میں اپنے مولائے حقیقی کی رضا سمجھیں تو اس کے خرچ کر دینے میں کچھ حرج نہ کریں گے حتیٰ کہ جو مشقتیں اور کوششیں انہوں نے اپنے مولیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کی ہیں ان کو بھی ہرگز اپنا ملک نہیں سمجھتے مثلاً اگر ان کے تمام اعمال حق جل و علا کسی سرکش کافر کو بخش دے یا بلا سبب نیست و نابود کر دے تو ہرگز گلہ کا حرف اور شکایت کی حکایت ان کے وہم و خیال میں کبھی ہرگز نہ گزرے گی ہمارے اعمال مفت جاتے

---

[1] امتعہ جمع متاع یعنی اسباب خانہ و اقمشہ جمع قماش یعنی فراش و بچھائے منقش۔ [2] یعنی اس کی کوشش کی قدر دانی کی جائے گی۔

رہے یا کوئی چیز تھی جو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی بلکہ جانتے ہیں کہ مالک حقیقی نے اپنے خاص ملک میں تصرف کیا ہے ہمارا ان کاموں کے ساتھ کسی طرح کا کچھ علاقہ نہیں بلکہ ان اعمال کا ہمارے ہاتھ سے صادر ہونا اس چیز کی مثل ہے جسے اس کا مالک ایک صندوق میں جو محض اس کا مملوک ہے رکھدے پس اس صندوق کو اس چیز سے ہرگز کسی طرح کا تعلق نہیں مثلاً اگر مالک اس چیز کو بالکل برباد کردے تو صندوق ہرگز اعتراض کی مجال نہیں بلکہ بعضے ان بزرگواروں کو ایسا مقام عطا فرماتے ہیں کہ اس مقام میں قیام کرنے کے لوازمات سے یہ بات ہے کہ اس مقام کے صاحب کے دل سے فوارہ کی طرح رحمت ربانی اور عام لوگوں کی خیر خواہی جوش زن ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر ان کو اطلاع ہو کہ ان کے بڑے بڑے اعمال بعضے گنہگاروں کو عطا فرما دیئے گئے ہیں اور انہیں اعمال کے سبب سے انکا کاروبار درست ہوگیا ہے اور ان کا حال بدمآل روبا صلاح ہوگیا ہے تو البتہ ان بزرگوں کو ان کے اعمال کے ذریعہ ان گنہگاروں کی ہلاکت سے نجات پانے کے سبب سے بڑی خوشی اور فرحت پہنچیگی اسلئے کہ خدائے تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے نے ان کے اعمال کے سبب سے نجات پائی ہے چنانچہ شیخ سعدی شیرازی نے شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کے احوال سے نقل کیا ہے کہ یہ بزرگوار ایک رات مناجات میں اس بیت کے مضمون کو ادا فرماتے تھے۔ بیت

چہ بودے کہ دوزخ زمن پر شدی مگر دیگراں را رہائی بُدے

القصہ جب یہ بیخی امور دنیا و عقبیٰ سے تبری اور بے تعلقی اس کے دل کے اندر جائے گیر ہوجاتی ہے اور اس کی طبیعت کی تہ میں مستحکم ہو کر بیٹھ جاتی ہے اور مقام فنائے ارادہ پورا پورا اسے حاصل ہوجاتا ہے تو عنایت غیبی اس کو برگزیدہ کرکے بمنزلہ چیلہ خاص کے کردیتی ہے جس طرح کے بادشاہان ذوالاقتدار اپنے بعض مطیعین کو تمام رعایا سے ممتاز کرکے چیلہ خاص کا خطاب انہیں دیدیتے ہیں پس جس طرح چیلہ خاص کو اپنے مولیٰ کی امتعہ و اقمشہ میں تصرف کرنے کی مطلق اجازت ہوتی ہے اور اپنے مولیٰ کی تمام سلطنت کو اپنی طرف نسبت دے سکتا ہے مثلاً بادشاہ ہندوستان کے چیلہ خاص کو پہنچتا ہے کہ کہے ہماری سلطنت شہر کابل سے لیکر سمندر کے کنارہ تک ہے اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان عالم مثال

اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے مطلق ماذون و مجاز ہوتے ہیں اور ان بزرگواروں کو پہنچتا ہے کہ تمام کلمات کو اپنی طرف نسبت کریں مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے معنی اس کلام کا یہ ہے کہ عرش سے فرش تک ہمارے مولیٰ کی سلطنت ہے اور سب چیزوں کی طرف ہماری نسبت متساوی ہے یا اس طرح کہیں کہ کسی چیز کو ہمارے ساتھ خصوصیت نہیں کہ وہ چیز ہماری طرف منسوب ہو اور اس کے سوا دوسری چیزیں ہماری طرف منسوب نہ ہوں واللہ اعلم بالصواب۔

**تیسرا افادہ**۔ جو حالات و مقامات اور فضائل اس رسالہ میں مندرج ہیں جو شخص ان سے متصف ہو جائے یا صرف انکی دریافت علمی سے بہرہ مند ہو جائے اس کو لازم ہے کہ ان مومنوں کی تعظیم و تکریم اور حق شناسی میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے جو ان امور سے[1] عاطل اور غافل ہیں بلکہ ہر ایک کے حال کے مطابق اس کی تعظیم کا حق بجا لاوے کیونکہ ہر مسلمان اللہ جل شانہ کا نام پاک لینے سے کوتاہی نہیں کرتا پس اولاً تو عظمت اس نام کی خاطر اس کی تعظیم کرنی چاہیے یہ نام پاک نہایت جلیل القدر نام ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز وزن نہیں رکھتی اور اس کی کنہ کمال میں ادراک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے اجر و ثواب کی نہایت نہیں ثانیاً اپنے ابتداء اور انجام کے حال کا ملاحظہ کر کے تکبر کی بری صفت سے بری ہو کر اپنا بندوبست کرے کیونکہ ابتدائے آفرینش میں ہر کوئی محض بے عقل اور بالکل ناکارہ ہوتا ہے۔ اور انجام کسی کو معلوم نہیں کہ کیا ہوگا پھر اپنے حق میں خود بینی کس بھروسہ پر کرے ثالثاً حضرت حق جل شانہ کی عموم رحمت کے لحاظ سے (ہر ایک کی تعظیم میں کوشش کرنی چاہیے) کیونکہ اس کی رحمت و قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ ایک لمحہ میں انسان کو خواہ مومن ہو خواہ کافر قطب الاقطاب بنائے پس کافر کو ایک لمحہ میں نعمت ایمان سے ممتاز کر کے اسی وقت اس کو نعمت قطبیت سے مشرف کرے اور اس کی رحمت اور انعام محنت اور استعداد پر موقوف نہیں بلکہ محنت اور استعداد بھی اس کے انعام عام میں سے ہے اگر کسی کو بڑے عرصہ میں نہایت سخت محنتیں کرنے کے بعد کوئی نعمت عطا ہو تو یہ خیال نہ کرے کہ بخشش انہی محنتوں کے سوا کسی کو حاصل ممکن نہیں ہو سکتا ہے کہ اس سے ہزار درجہ بڑھ کر بلا محنت ایک لحظہ

---

[1] عاطل یعنی خالی جو ان صفات سے موصوف نہیں ہوئے۔ غافل بے خبر۔

میں عطا فرمائے کسی نے خوب کہا ہے ۔ بیت

دادِ حق را قابلیت شرط نیست — بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

چوتھا افادہ ۔ جاننا چاہیے کہ جو کچھ تہذیب اخلاق یعنی خصائل رذیلہ سے اپنے نفس کو خالی کرنا اور اخلاق فاضلہ سے اپنے آپ کو موصوف کرنا اور اصلاح اعمال و عبادات کے متعلق پہلے تفصیل وار بیان ہو چکا ہے یہ سب کچھ اس شخص کے حق میں ہے جو خدائے تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اور باوجود رضائے مولیٰ کے حضرت ذوالجلال کی بارگاہ میں مقبولیت اور عزت اور اقبال حاصل کرنا چاہیے اور مطلق نجات کا دارومدار ان امور پر منحصر نہیں بلکہ نجات کا مدار صرف کلمہ (توحید) پر ہے کہ صدق دل اور اعتقادِ درست سے پڑھ لے اور بُرے عقیدہ اور کلمہ کفر سے بچتا رہے اگرچہ بڑے بڑے کبیرے گناہ جیسے زنا وغیرہ اُس سے صادر ہو جائیں لیکن جس شخص نے تصدیق کامل اور اذعان دل سے کلمہ (اسلام) کہہ لیا وہ ضرور نجات پائیگا اور بہشت میں پہنچے گا اور جو شخص کلمہ کے مضمون پر اعتقاد کامل اور تصدیق صحیح رکھتا ہوگا وہ ضرور سب کر ناشائستہ کاموں کو قبیح ہی جانے گا اور دل میں ان سے بیزار اور پشیمان ہی ہوگا گو بالکل ان کو ترک نہ کر سکے بلکہ ہر روز چند بار بلکہ سو سو بار ان کا مرتکب ہو اور گناہوں کا ارتکاب بھی مختلف صورتیں رکھتا ہے پس گناہ کا ارتکاب اس صورت سے کہ گناہ کرتا جائے اور عین مشغولی گناہ کی حالت میں خدا تعالیٰ کو غفور رحیم جانے اور یہی جانتا گناہ کرتے پر اس کی دلیری اور جرأت کا موجب ہو جائے یہ صورت ارتکاب معاصی کی صورتوں میں سے بدترین صورت ہے کیونکہ اس صورت سے گناہ کرنا گویا حضرت حق سبحانہ تعالیٰ سے استہزا کرنا ہے معاذ اللہ من ذٰلک یہ صورت مرتکب گناہ پر غضب الٰہی کے متوجہ ہونے کی باعث ہو جاتی ہے اور جو شخص گناہ کرنے کے وقت میں اپنے آپ کو ہلاک شدہ اور گیا گذرا ہوا اور مستحق عذاب کا جانے گو بعد میں توبہ بھی نہ کرے اس شخص کا انجام انشاءاللہ تعالیٰ نیک ہوگا اور اس کی نیک انجامی کا تعین مشیت خداوندی کے حوالہ ہے اگر چاہے تو اسے ایسے نیک عمل کی توفیق دیدے جو تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور سب خطاؤں کو محو کر دے یا کسی شفیع کو اس کی شفاعت کی توفیق اور قوت دے کر اس کی شفاعت اس کے حق میں قبول فرمائے یا بدوں ان دونوں امر کے کسی طور پر اس کی

آمرزش کردے یا اس کے گناہوں کی سزا دنیا میں یا قبر میں یا حشر میں یا جہنم میں بھگتا کر بہشت میں پہنچا دے۔

پانچواں افادہ- چونکہ مرد مسلمان کی زندگی اور موت سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے مطابق ہونا کمال ایمان کی علامت ہے اور زندگانی میں تو اس کے کام کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے اور موت کے بعد مردہ بدست زندہ ہوتا ہے جو کچھ اغیار چاہتے ہیں کرتے ہیں لہٰذا مرد مسلمان محب سنت اور مبغض بدعت کو چاہئے کہ جس وقت قریب الموت ہونے کے آثار نمودار ہونے لگیں توبہ استغفار کر کے اپنے ایمان کو ارحم الراحمین کے سپرد کردے اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا ہر وقت میں معین و مددگار ہے اور ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اپنا ایمان ہر وقت و زمان میں اس کے حوالہ اور سپرد کر رکھے لیکن اس کو اس وقت کام میں زیادہ کوشش کرنی چاہئے کہ غفلت اور بے ہوشی کے طاری ہونے کا وقت ہے اور اپنی تجہیز یعنی گور و جنازہ دفن و کفن کے واسطے وصیت تجویز کر کے لکھ کر نگاہ رکھے اور دفن کرنے والوں کو اس بات پر آگاہ کردے کہ جو شخص کوئی عمل خلاف طریقۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میری تجہیز و تکفین اور دفن میں کرے گا قیامت کے دن اس سے مواخذہ کروں گا اور خداوند تعالیٰ کے روبرو اس کا دامن پکڑونگا اور معاملہ دفن و کفن میں جس بدعت کا رواج ہو نہایت اہتمام سے اس کی ممانعت کرے جیسے قبروں پر قبہ بنانا اور چونہ۔ گچ لگا کر قبروں کو پختہ کرنا اور مقبروں کی سجاوٹ میں تکلف کرنا اور چراغ جلا کر روشنی کرنا کیونکہ یہ اعمال لعنت کے موجب ہیں خصوصاً جس جگہ ان کو اعمال صالح سے شمار کرتے ہوں اعاذنا اللہ وجمیع المؤمنین من البدعات ورزقنا اتباع المصطفیٰ فی جمیع الحالات۔

## تیسرا باب راہِ ولایت کے سلوک کے طریقے کے بیان میں

### اور یہ باب چار فصل اور ایک تکملہ پر مشتمل ہے

پہلی فصل طریقۂ قادریہ کے اشغال کے بیان میں۔ اور یہ فصل ایک تمہید اور دو ہدایت پر مشتمل ہے

تمہید اشغال طریقۂ قادریہ کا خلاصہ مع کسی قدر تغیر کے "جو سہولت سلوک اور جلد کامیاب ہونے کا موجب ہو۔ اور نہایت کے ہدایت میں درج ہو جانے کا اثر اس میں ظاہر ہو"، اسی

فصل میں تحریر کیا گیا اور چونکہ تمام اشغال ذکر اور فکر میں مندرج ہیں اس لیے اس فصل کو دو ہدایت پر تقسیم کیا گیا۔

# پہلی ہدایت ذکر کے طریقوں کے بیان میں

اور یہ ہدایت چار افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ پہلے پہل ذکر یک ضربی کرنا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی ہیئت پر دو زانو بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے بڑی شدت اور بلند آواز سے نکال کر اپنے منہ کے سامنے ضرب لگائے اور اس لفظ مبارک کا تلفظ کرتے وقت ایسا خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ ایک نور اس کے منہ سے نکلا ہے اور جس وقت ضرب تمام ہو جائیگی اس وقت ایک لمبی سی آواز گھڑیال کی آواز کی طرح خیال میں رہے گی بیان اس کا یہ ہے کہ جب انسان زور سے بلند آوازی کے ساتھ کوئی آواز نکالنا چاہتا ہے پہلے اس سے کہ کوئی سنائی دینے والی آواز پیدا ہو ایک جنبش ظاہر ہوتی ہے اور اس جنبش کو صوت خیالی کہہ سکتے ہیں اور جس وقت زور کی جہری آواز تمام ہو جاتی ہے اس کے تمام ہونے کے بعد اور پہلے اس سے کہ دم اپنی جگہ پر آجائے اور منہ اور لب اور زبان کی ہیئت و شکل اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرے ایک ایسا امتداد صوتی خیال میں رہتا ہے۔ کہ کان کو اس کے سننے سے کچھ حصہ نہیں لیکن آواز کرنے والا جانتا ہے پس اس پچھلی آواز متخیل کو زیادہ تر کھینچے اور اس آواز کے ساتھ نور متخیل کو زیادہ لمبا اور پھیلا ہوا چادر نورانی کی طرح بنا کر اپنے منہ کے سامنے سے سر پر ڈالے اور تمام بدن کو سر سے پاؤں تک اس کے ساتھ احاطہ کرے پھر اس آواز متخیل سے بھی سکوت اور خاموشی اختیار کر کے اس طرح خیال کرے کہ چادر نورانی ہر طرف سے اس کے بدن میں اندر چلی گئی ہے اور سینہ کے وسط میں جا کر جمع ہو گئی ہے اور پھر چند بار بسبب تکرار اسی نور کے تر بتر ہو کر تمام جسم کی جگہ وہی نور قرار پکڑنے لگا اور اس کے سکوت میں اپنے لحاظ کو ذات بحث کی طرف متوجہ کرے اور پھر اس لحاظ کے ٹھیرنے اور نور کے سینہ میں جمع ہونے کے بعد پھر اسی طرح ذکر کرے اور اس ذکر کو کثرت سے لگاتار کرتا رہے۔ تاکہ قابو میں آجائے۔

**دوسرا افادہ۔** ذکر یک ضربی کے راسخ ہونے کے بعد طریق مسطور ذکر دو ضربی شروع کرے اس کا طریق اس طرح ہے کہ نماز کی ہیئت پر دو زانو بیٹھ کر لفظ مبارک اللہ کو وسط سینہ سے زور سے بلند آواز کے ساتھ نکال کر داہنے زانو میں ضرب کرے پھر تخیل آواز کے امتداد کو آہستگی سے داہنے کندھے تک کھینچ کر وسط سینہ میں پہنچائے اور اس طرح خیال کرے کہ اس لفظ کے ہمراہ نور برآمد ہوا ہے اور زانو اور پہلو اور کاندھے اور داہنے ہاتھ کی جا بجا تمام وہ نور ہو گیا ہے یعنی یہ سب اعضا باطل و نابود ہو گئے ہیں اور اس نور نے ان کی جگہ لے لی ہے پھر ذرا سی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں نور کا اعضا مذکور کے جا بجا ہونا لحاظ میں رکھے تا اس کے ذہن میں اس نور کی صورت جا بجا ان اعضا کے خوب بیٹھ جائے بعد ازاں اسی لفظ کو اس نور کے ہمراہ سینہ کے وسط سے داہنے شانہ تک کھینچ کر دل پر شدت اور زور سے ضرب لگائے اور ایسا خیال کرے کہ وہی نور جو اس کے داہنے جانب پر محیط ہو گیا تھا دل میں اتر گیا ہے پھر تھوڑی دیر سکوت کرے اور اس سکوت میں اس طرح خیال کرے کہ وہی نور جو اس کے دل میں اتر گیا تھا اس شخص کے تمام بدن کے اندر سرایت کر گیا ہے۔

**تیسرا افادہ۔** طریقہ ذکر سہ ضربی کا یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب داہنی طرف میں اسی طریق سے لگائے جو مذکور ہوا اور دوسری ضرب بائیں جانب میں اسی طریق پر لگائے اور تیسری ضرب دل میں لگا دے۔

**چوتھا افادہ۔** ذکر چار ضربی کا طریق یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ کر ایک ضرب طریق مذکور پہ داہنی جانب میں لگا دے اور دوسری بائیں جانب میں اور تیسری دل میں اور چوتھی اپنے روبرو لگا دے اس وضع پر کہ اس چوتھی ضرب کے ساتھ یہ خیال کرے کہ گویا جو نور اس کے ساتھ برآمد ہوا ہے نیچے سے احاطہ کرتا ہے تاکہ اس شخص کو سارا گھیر لیا ہے اور وہ شخص بالکل اس میں محو اور مستغرق ہو گیا ہے بلکہ اس شخص کے بدن کی جگہ وہ نور قرار پکڑتا ہے۔ فائدہ۔ اس طریق مذکور پر اس ذکر کی غایت اور نتیجہ یہ ہے کہ اسم ذات کے ذکر کا اثر ذاکر کے تمام بدن پر اجمالاً و تفصیلاً احاطہ کرے اور بشریت کی ظلمت تمام بدن سے عموماً اور اعضائے مذکورہ سے خصوصاً نکل جائے اور فنائے جسمانی کی تمہید ہو جائے اور فکر ذکر کے ساتھ مخلوط ہو جائے اور ذکر سے مراقبہ کی طرف انتقال

کرنے میں قریب تر ہو خلاصہ یہ کہ جب افکار چہار گانہ کے آثار یک ضربی سے لے کر چہار ضربی تک
ظاہر ہو جائیں اس وقت فکر کے ساتھ مشغول ہونا چاہیے۔

## دوسری ہدایت اقسام فکر کے بیان میں

### اور یہ سات افادے پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ پہلا مراقبہ وحدانیت کا مراقبہ ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت کو کہ لاشریک لہٗ اس کا مبین ہے ہر جگہ لحاظ کرے کہ ہر زمان و مکان میں وہی ذات پاک یگانہ و یکتا موجود ہے اور اس ملاحظہ کی تین صورتیں خیال میں گزرتی ہیں اول یہ کہ ہر چیز کی نفی کر کے اس کی جگہ حق تعالیٰ کے وجود کو سمجھے دوسرے یہ کہ وجود حق تعالیٰ کو ان چیزوں کا عین خیال کرے یہ دو طریق مراد نہیں ان دونوں طریق سے پرہیز اور اجتناب کو لازم سمجھے اور تیسری صورت جو اس جگہ مراد ہے وہ یہ ہے کہ اس کے وجود کو یگانہ اور تمام اشیاء کا غیر ہر جگہ میں تصور کرے نہ ان چیزوں کی نفی کرے اور نہ ان کو عین خداوند تعالیٰ کا جانے مثال اس کی اس طرح ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ جس معنی سے فارسی میں لفظ "ہست" کے ساتھ اور ہندی میں لفظ "ہے" کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں وہ معنی ہر جگہ موجود ہے اور کسی چیز کا عین نہیں بلکہ ہر چیز کا غیر ہے باوجود آنکہ کوئی چیز اس سے خالی نہیں۔

دوسرا افادہ۔ مراقبہ وحدانیت کے استحکام اور استقرار کے بعد مراقبہ صمدیت کرے اور اس کے دو مرتبے ہیں ایک ابتدا اور ایک انتہا اس کی ابتدا سے تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تمام چیزوں کے لیے محتاج ہوئے اور اس کے تمام اشیا سے مستغنی اور بے نیاز ہونے کا اجمالاً ملاحظہ کرے پس جب یہ مرتبہ محکم ہو جائے تو اس کے انتہا کے حاصل کرنے کی طلب کرے اور اس سے یہ مراد ہے کہ اپنے محتاج ہونے کا اس کی طرف تمام امور معاش و معاد میں تفصیل وار ملاحظہ کرے بایں طور کہ یہ ملاحظہ نہایت محبت اور الفت اور نہایت عجز اور زاری کے ساتھ ممتزج اور ملا ہوا ہو یعنی اس طرح ملاحظہ کرے کہ مجھے ہر چیز میں اس کی طرف حاجت ہے اور اس کی امداد اور اعانت کے بغیر کسی کام کا سرانجام نہیں ہو سکتا خواہ بڑا کام ہو یا سہل اور ہلکا سا کام ہو امور معاش سے ہو یا معاد سے اور اس مراقبہ سے اس کو بڑی الفت اور محبت اور ایک راہ جناب کبریائی میں

حاصل ہو جائے گی کہ اپنی جان اور مال اور عزت وغیرہ کو اس کی مرضی میں بلکہ صرف اس کے نام پر فدا کرنا سہل اور آسان معلوم ہوگا بلکہ اس کو اپنے فخر و اعتبار اور عزت اور مرتبے کی ترقی کا سبب شمار کرے گا۔ اور یہ امر اس کے اعتقاد میں بخوبی مستقر و مستحکم ہو جائے گا مثال اس کی اس طرح ہے کہ جس شخص کو ہمیشہ کے لئے کسی بادشاہ کی طرف سے انعام و جاگیریں موروثی اباً عن جدٍ ملی ہوئی ہیں اور تمام اس کی معاش اور عزت و اعتبار کا کاروبار انہیں کے وسیلہ سے بنا ہوا ہے اگر اس بادشاہ کی طرف سے کسی کام کے سرانجام کے لئے مامور ہو تو اس مہم کے بہم پہنچانے میں جانبازی کو بھی اپنا فخر سمجھے گا اور اس مراقبہ سے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے معنی بخوبی ذہن نشین ہوتے ہیں اور اس مراقبہ کے ثمرات سے توحید الٰہی کا انکشاف ہے کہ باوجود کثرت انعام اور کثرت کارکنندوں کے صاحب اس مراقبہ کو ایک ہی فاعل اور ایک ہی موثر ہر فعل اور ہر جنبش سکون میں ظاہر ہو جاتا ہے اور فاعل حقیقی کی ذات پاک ہے۔

**تیسرا افادہ۔** اس مراقبہ کے بعد شغل دورہ کرے اور اس شغل کے چار اسم ہیں اسماء حسنیٰ سے یعنی سمیع اور بصیر اور قدیر اور علیم ان چاروں میں سے ہر ایک کے ساتھ اسم ذات کو ضم کرے پس مراقبہ کے طور پر بیٹھ کر خاطر کو جمع کرکے حضور دل سے اپنے خیال میں کہے کہ "اَللّٰہُ سَمِیْعٌ" اور اس ناف سے "جو لطیفہ نفس کا مقام ہے" وسط سینہ تک کھینچے جو لطیفہ سر کا مقام ہے اور اسی طرح سمجھے کہ اس کی روح جو تمام بدن میں ہر چیز کے سمجھنے اور ادراک کرنے والی چیز صرف وہی ہے اکٹھی اور فراہم ہو کر ذکر مذکور کے ہمراہ ناف سے وسط سینہ تک پہنچ گئی ہے اور اگر ناف سے وسط سینہ تک روح کا انتقال کرنا اس پر دشوار ہو تو ایسا خیال کرے کہ ان دونوں اسموں یعنی اللہ اور سمیع کے درمیان اسی طرح رگھری ہوئی ہے کہ لفظ اللہ اس کے اوپر ہے اور لفظ سمیع اس کے نیچے ہے پس اس تدبیر سے روح کا انتقال ان دونوں اسموں کے انتقال کے ہمراہ آسان ہو جائیگا پھر اللہ۔ بصیر۔ کے ہمراہ بطور مذکور لطیفہ اخفیٰ تک جس کا مقام سر میں تالو کے مقابل میں ہے پہنچا دے پھر "اَللّٰہُ قَدِیْرٌ" کو اخفیٰ سے چوتھے آسمان تک پہنچائے اور اپنی روح کو اس کے تابع اور ہمراہ کرے پھر اَللّٰہُ عَلِیْمٌ کو وہاں سے عرش معلی تک پہنچائے اور اس ذکر کی استعانت سے روح کو چوتھے آسمان سے عرش مجید تک ترقی دے اور چاہیے کہ تیسری

اور چوتھی منزل میں یعنی چوتھے آسمان اور عرش مجید پر روح کو کچھ دیر تک یعنی گھڑی آدھ گھڑی بھی جتنا ہو سکے ٹھیرا کر اس جگہ روح کو چپ و راست دور و سیر کرائے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان مقاموں میں روح کا ٹھیرنا مشکل ہوتا ہے بلکہ بوجھل چیز کی طرح خود بخود نیچے گر پڑتی ہے۔ پس اس چیز کی تدبیر اس طرح ہے کہ چڑھنے کے وقت آسمانوں میں سوراخ کے طور پر خیال سا راستہ بن جائیگا تو وہاں روح کے ٹھیرنے اور اقامت کرنے کے لئے اس راستہ کو خیال کی کوشش سے بند کرے تاکہ روح اس جگہ توقف کرے۔ پھر انہیں بدلقول کے ساتھ عرش مجید سے لطیفہ نفس تک اسی وضع و ترتیب سے جو مذکور ہو چکی ہے نزول کرے اَللّٰہُ عَلِیْمٌ کے ذکر کے ساتھ عرش سے چوتھے آسمان تک اور اَللّٰہُ قَدِیْرٌ کے ذکر کے ساتھ چوتھے آسمان سے لطیفہ اخفیٰ تک اور اَللّٰہُ بَصِیْرٌ کے ذکر کے ساتھ اخفیٰ سے سر تک پھر اَللّٰہُ سَمِیْعٌ کے ذکر کے ساتھ سر سے لطیفہ نفس تک اترے اور آہستہ آہستہ اس ذکر کو زیادہ کرے تاکہ اس کے آثار ظاہر ہوں منجملہ اس کے آثار کے ذاکر کی روح کی نورانیت ہے اور ارواح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اور ملائکہ عظام کے ساتھ ملاقات کرنا اور جنت و دوزخ اور آسمانی مقامات کی سیر کرنا جیسے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور وغیرہ اور لوح محفوظ کی سیر کرنا اور وہاں کے واقعات منکشف ہونا اور انہیں امور کی خاطر روح کو آسمان پر ٹھیرا کر وہاں دور و سیر کرانا مناسب ہے۔ اور وہاں کے عجائبات کا دیکھنا مختلف طور پر واقع ہوتا ہے ہر کوئی بموجب اپنی قوت ادراک اور اپنی استعداد اور اپنے حال کے مناسب دیکھتا ہے اور ارواح اور ملائکہ کی ملاقات کے ضمن میں ان کے ساتھ ہم کلامی کا موقع بھی مل جاتا ہے اور کبھی کسی نیک صلاح پر جو سالک کی راہ کے مفید ہوتی ہے یا اور کسی امر پر اس کو اطلاع دیتے ہیں اور اس کی بدولت سالک کو ایک قسم کی لطافت اور ذاتِ پاک الٰہی کے ساتھ قرب اور انس میسر ہو جاتا ہے اور اپنے جسم سے بیگانگی سی حاصل ہو جاتی کہ اور ایک قسم کی نورانیت بہم پہنچتی ہے جو کہ شغل نفی میں اعانت و امداد کرتی ہے اور ہر چند روح بشری عالم قدس اور سمٰوات میں عروج کرنے کے قابل نہیں لیکن ذکر الٰہی اس کا بدرقہ ہو گیا ہے پس جہاں پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی بدرقہ مذکورہ کی معاونت سے پہنچ

جاتی ہے۔

**چوتھا افادہ** - بعد ازاں شغل نفی کو شروع کرے بیان اس کا یہ ہے کہ بمقتضائے فرمودۂ خداوندی اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الانوار الٰہی ہر جگہ موجود ہیں جس طرح کہ وجود حق ہر جگہ ثابت ہے چنانچہ مراقبہ وحدانیت میں وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکا ہے اور انوار اس وجود کو لازم ہیں پس جس جگہ وجود ہے اس جگہ انوار بھی متحقق ہیں اور جس طرح وجود کا احاطہ معلوم ہو چکا ہے اسی طرح اس کے انوار کا وجود سمجھنا چاہئے اور باوجود یکہ انوار سب جگہ موجود ہیں لیکن انسان کی قوت دراکہ اشیائے کثیفہ ظلمانیہ یعنی اجسام فلکی و عنصری کے خیالات کے اختلاط کی وجہ سے ان کے ادراک سے محجوب اور محروم ہے نہ انوار کی غیبت اور دوری کیوجہ سے اور ذات بحث تک واصل ہونے کیلئے حجب کا طے کرنا جن سے مراد انوار ہیں ضروری امر ہے اور اکثر لوگوں کے حق میں بدوں ان کے ادراک کے ان کا طے کرنا محال ہے اور جو بعض بلند فطرت والوں کو بدون انکشاف انوار کے ذات بحث کا وصول میسر ہو جاتا ہے پس یہ اکثر لوگوں کے انکشاف انوار کی طرف محتاج ہونے میں قدح نہیں کرتا پس ان انوار کے ادراک کے لئے اپنی قوت دراکہ کو خیالات مذکورہ سے پاک اور صاف کرنا چاہئے تاکہ انوار الٰہی مدرک ہو جاویں اور جوں ہی طالب کی قوت دراکہ کا آئینہ خیالات مذکورہ کے زنگ سے مصفا اور مصقول ہوگا فوراً وہ انوار ہر جگہ موجود ہیں بلا وقت دریافت ہونے لگ جائیں گے اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شغل نفی کرے اور شغل نفی کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے خیال سے اشیا کو نیست و نابود کرے اگرچہ فی الحقیقت کوئی چیز نیست نہ ہوگی اور حقیقۃً اشیاء کو نیست و نابود جاننا بالکل خیال باطل اور محض جھوٹا وہم ہے جو کچھ موجود ہے وہ موجود حقیقی تبارک و تعالیٰ کے موجود کرنے سے موجود ہے اور اس کے وجود پاک کے ساتھ ہر موجود چیز کو ایک خاص ربط حاصل ہے بس کسی چیز کے وجود کے فی الواقع نفی کرنا ممکن نہیں اور اس امر کا مقصد کرنا گویا خالق تعالیٰ کا مقابلہ کرنا ہے علاوہ ازیں نفی واقعی کے ساتھ کوئی غرض بھی متعلق نہیں کیونکہ غرض تو اپنے مدرکہ کا صاف کرنا ہے

---

۱؎ اللہ آسمانوں کی اور زمین کی روشنی ہے ۲؎ یعنی اشیاء کثیفہ ظلمانیہ جیسے اجسام فلکیہ اور عنصریہ کے خیالات۔

جب مدرکہ صاف ہو گیا اپنا مدعا حاصل ہو جائے گا نفی واقعی سے کچھ مطلب نہیں ہر چند تمام عالم
کی نفی کرنا ایک دشوار سا کام نظر آتا ہے لیکن اس جگہ صرف دو مرتبے ہیں اور بس کیونکہ تمام عالم کی
نفی اور عالم کے ایک جزء کی نفی برابر ہے انسان کو اپنے خیال کا ایک مچھر کے پر سے خالی کرنا اور
تمام افلاک سے خالی کرنا یکساں ہے ہاں البتہ اپنے وجود کی نفی کرنا ایک مشکل سا کام ہے اسلیے
نفی کے دو مرتبے مقرر کرنے چاہئیں اول اپنی نفی دوسری تمام عالم کی نفی اور دوسرے مرتبہ کے سہل
اور پہلے مرتبہ کے دشوار ہونے کا سبب یہ ہے کہ قوت دراکہ اپنے آپ کے علم اور دانست سے
ہر وقت متلبس اور ملتجی ہے اور اپنے غیر کا دریافت کبھی کبھی ہوتا ہے پس دوسری نفی میں کسی چیز کو اپنی
قوت دراکہ میں داخل ہونے سے منع کرنا ہے اور پہلی نفی میں جو چیز قوت دراکہ میں قرار پذیر ہو
جائے گیر ہو چکی ہے اس کا نکالنا چاہتا ہے پس باہر کی چیز کو داخل ہونے سے روکنے اور اندر
گھسی ہوئی چیز کو باہر نکالنے میں جو فرق ہے وہ پوشیدہ نہیں کہ اول بہ نسبت دوسرے کے نہایت
سہل اور آسان ہے یا اس کا فرق اس طرح سمجھنا چاہئے کہ جس شخص نے بارش کبھی کبھی دیکھی ہو
اس کو بارش کی نفی کرنا آسان ہے بہ نسبت اس شخص کے جو عین بارش میں کھڑا ہے اور متواتر قطرے
اس کے بدن پر پڑ رہے ہیں بنا علیہ خود اپنی نفی میں جسم کی نفی سہل تر ہے لیکن جسم کے جس مقام پر علم
اور دانست کا قرار ہوتا ہے اس کی نفی دشوار تر ہو جاتی ہے اور کبھی سر کی نفی جو کہ ادراک اور
اظہار کا مقام ہے مشکل ہو جاتی ہے اور بعض لوگوں کو جو کہ اپنے سانس اور دم کی آمد و رفت پر
زیادہ مطلع رہتے ہیں ان کو اپنے حلق اور سینہ کی نفی سخت مشکل پڑتی ہے الغرض جس چیز پر آگاہی
اور اطلاع زیادہ تر ہو اس کی نفی بھی مشکل اور سخت تر ہوتی ہے پس پہلے پہل تمام عالم کی نفی کرکے
اپنے بدن کی نفی کرے اور اس جگہ کی نفی سے شروع کرے جس کی نفی دشوار معلوم ہوتی ہو کہ اس
عضو کی نفی سے یکبارگی تمام بدن کی نفی ہو جائے گی اور اصل اور عمدہ نفی کے حاصل کرنے
میں کسی کامل صاحب نفی کی توجہ ہے۔ کہ اپنی نفی کرے ہمت کے ساتھ متوجہ ہو کر التقا کرے اور
اس کام سے بے خبری پر اول اول نفی کا ظہور مختلف صورتوں سے ہوتا ہے کہ سینہ اور شکم کے مقام
میں اوّل ایک خلا سا معلوم ہوتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو بے سر گمان کرتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو

۱؎ یعنی خلا پن اور خالی ہونا۔

بغیر دونوں ہاتھوں کے خیال کرتا ہے اور کبھی سمجھتا ہے کہ میں چھوٹا سا ہو گیا ہوں اور کبھی اپنے آپ کو بغیر ضخامت اور جثہ کے ایک طول کا طول خیال کرتا ہے گویا ایک گوشت کی نلکی سی ہے کہ دم بدم لمبی اور باریک ہوتی چلی جاتی ہے اور سہل طریقہ تصور کا یہ ہے کہ اپنے سینہ یا شکم میں خلا کا خیال کرے جس طرح توپ کا گولہ ایک طرف سے دوسری طرف پہنچ جاتا ہے اور بدن کے اس مقام کو خالی چھوڑ جاتا ہے پھر اس خیالی سوراخ کو آہستہ آہستہ فراخ تر اور کشادہ تر کرتا جائے تاکہ انجام کو پہنچے اور اس کی سخت ترین صورت یہ ہے کہ ایک معنوی غیبی چیز جس سے مراد فنا ہے عالم غیب سے اس کی طرف متوجہ ہو کر یکبارگی اس کے جسم کو نیست و نابود کر دے جیسے سخت پتھر ایک کمزور ٹھیکری پر پڑ کر اس کو چور کر دیتا ہے اور کبھی اس کا تصور اس طرح سے بھی کر سکتے ہیں کہ اس کی جان نکل گئی ہے یا گوشت کا ٹکڑا جس کا نام دل ہے وہ اس کے وجود سے نکل کر معدوم ہو گیا ہے اور چونکہ جسم بغیر جان اور دل کے باقی نہیں رہ سکتا پس وہ جسم بھی بے جان ہو کر مضمحل ہو گیا ہے اگرچہ اس کام کے واقف کے نزدیک ان مختلف صورتوں کا بیان کرنا تطویل بلا طائل[1] ہے لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عمل نفی کا معنی بیان کرنے سے اس کی صورتوں میں سے کسی صورت کا تعین کسی بڑے زیرک قوی الذکا کو بھی میسر نہیں ہوتا اور گاہ گاہ باوجود دریافت کرنے بہت سی صورتوں کے کند ذہن غافل کو بھی ان مذکورہ صورتوں کے علاوہ کوئی اور ہی صورت ظاہر ہوتی ہے غرض کہ اس کی مختلف صورتوں کا دریافت کرنا فائدہ سے خالی نہیں جس وضع پر اس کا اجمالاً نمودار ہو اس کو بخوبی اپنے خیال میں پکڑ کر اس کے زیادہ کرنے میں کوشش کرے تاکہ تمام بدن کی نفی انجام کو پہنچے اور نفی کی دشواری کے وقت میں کلمہ لاموجود الا اللہ ولا فاعل الا اللہ کو دونوں کلموں کے معنی سمجھ کر جس جگہ کی نفی مشکل ہو پڑے اسی جگہ پر قوت خیال کے ساتھ ضرب کرے انشاء اللہ یہ شغل اس کے لئے کافی ہوگا۔ اور کبھی بعد نفی کے ایک اس قسم کا خلا ظاہر ہوتا ہے کہ اگر خیال کرے کہ تلوار کی ضرب اس کے بدن پر لگے تو بدن اس کا مانع اور مزاحم نہ ہوگا جس طرح خلا میں سے ضرب خالی گذر جاتی ہے اسی طرح اس کے درمیان سے خالی کی خالی نکل جاتی ہے اور کبھی ایک تاریکی

[1] یعنی بے فائدہ کلام کو طول کرنا۔

کا جل کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس کے ارد گرد ایک نورانی چمک باریک خط کی طرح ہوتی ہے لیکن وہ خط نورانی مکدر اور تاریکی کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے جیسے شعلہ آگ کا کنارہ دھوئیں کے اختلاط کے سبب سے بہت باریک اور مکدر دکھائی دیتا ہے اور نیز وہ خط نورانی بالاستقلال نہیں محسوس ہوتا بلکہ تاریکی کے ضمن میں دریافت ہوتا ہے اگر اس کی طرف استقلال کی نظر متوجہ کریں تو اسی وقت معدوم ہو جاتا ہے اور سوائے تاریکی کے کوئی دوسرا مدرک نہیں ہوتا پس اس تاریکی کا نام رکھتے ہیں نور نفی اور اس شغل کی نفی کو بخوبی مزاولت کرنا چاہیے کہ امور مکدرہ سے جو خس وخاشاک کے حکم میں ہیں اسی شغل کے سبب سے طالب کا ذہن مصفا ہوتا ہے اور سالکوں کو اکثر اوقات اس شغل کی حاجت پڑتی ہے۔ فائدہ۔ طالب کو چاہیئے کہ شغل نفی کے ساتھ مشغول ہونے کے دنوں میں شغل یادداشت بھی کرے اور اس کی حقیقت شغل دائمی ہے ذات بیچون و بیچگوں کی طرف نشست و برخاست اور کسب و کار اور مصیبت و آزار اور کھانے پینے وغیرہ ہر وقت میں ادھر ہی دھیان لگا رہے۔ بایں طور کہ کوئی امر اس التفات سے مانع نہ ہو جیسے جب کسی شخص کو کسی چیز کی محبت یا کسی کام کا اہتمام دل میں راسخ ہو جائے تو حوائج ضروریہ اور اشغال معاشیہ کے عین اشتغال کے وقت اس کا دل کما ینبغی اسی امر کی طرف متوجہ رہتا ہے چنانچہ ہر صاحب وجدان پر پوشیدہ نہیں پس جو لوگ حق سبحانہ وتعالیٰ کی یاد سے غافل ہیں ان کو چاہیئے کہ تمثیل مذکور کو اپنے وجدان سے دریافت کرکے خدائے تعالیٰ کی یادداشت کو ممتنعات عقلیہ یا محالات عادیہ سے نہ شمار کریں بلکہ اس کو سہل اور آسان سمجھ کر اس کے حاصل کرنے پر کمر ہمت چست باندھ لیں اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ جس طرح بعض اشخاص کو بعض چیزوں کی یادداشت حاصل ہوتی ہے لیکن وہ اس چیز کی یادداشت کے حاصل ہونے پر متنبہ نہیں ہوتے مگر بوقت حاصل ہونے کے کسی ایسے امر کے جو اس چیز کی یادداشت حاصل ہونے پر مشعر ہو مثلاً ہر شخص کو اپنے بدن کی طرف التفات دائمی حاصل ہے اور اس علم کا علم نہیں ہوتا مگر جب کسی شخص کے ساتھ بیٹھے یا کوئی درد پہنچے اسی طرح بعض سالکوں کو خدائے تعالیٰ کی یادداشت حاصل ہوتی ہے اور اس کے حصول کا شعور نہیں ہوتا مگر بوقت عارض ہونے غفلت یا کسی اور امر کے جو امر یادداشت میں خلل انداز ہو اور یادداشت

حق کے ملکہ کے بعد دوسری یادداشت کو بھی اس کے ساتھ ضم کرنا چاہیے جس کا بیان دوسرے باب میں مفصل گزر چکا ہے۔

**پانچواں افادہ**۔ جب اپنی نفی اور تمام عالم کی نفی طالب کے قابو میں آگئی تو اب نفی النفی اور فنار الفنا کو شروع کرے یعنی جس چیز کے ساتھ اپنی اور تمام موجودات کی نفی کرتا تھا اب اس کو معدوم اور نیست کرنا چاہیے اور چونکہ نفی النفی نیستی محض ہے اور اس کی علامت غفلت اور بودگی اور قوت ادراکہ کا محض خالی ہونا ہے یہاں تک کہ اگر اس شغل میں کمال ملازمت کریگا تو اس کا بدن معدوم ہو جائیگا اور اس سے کچھ اثر باقی نہ رہے گا اگرچہ یہ غفلت کی حالت طالب کو پسند خاطر نہ ہو گی لیکن چونکہ آئندہ کارآمد ہے اس لئے اس کو عمل نہ چھوڑے بلکہ عمل لائے اور نفی النفی کے ناپسند ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس شغل میں ادراک اور دریافت کا نابود کرنا ہے اور جب ادراک نہ رہا کچھ معلوم نہیں ہوتا اور انسان کی دل لگی اور مانوسی ادراک ہی کے سبب سے ہوتی ہے اور اگرچہ شغل نفی میں بھی ہر چیز کو اپنے ادراک سے دور کرتا تھا لیکن اس کے خیال میں ایک صفائی سی باقی رہتی تھی اور دل لگی کا سبب بنی رہتی تھی جس طرح صاف طبیعت والے میدان صفائیں مانوس ہو جاتے ہیں اسی طرح نفی میں بھی ایک قسم کی انسیت ہوتی ہے برخلاف نفی النفی کے کہ اس مقام میں انسیت کا مدار بالکل کچھ باقی نہیں۔

**چھٹا افادہ**۔ شغل نفی کی تکمیل و اتمام کے بعد دو صورتیں پیش آتی ہیں کبھی تو توحید صفاتی منکشف ہو جاتی ہے اس کا مجمل بیان اس طرح ہے کہ صاحب اس شغل کا اپنے آپ کو اس طرح گمان کرتا ہے کہ جو کثرت جہان میں ہے وہ اس سے صادر ہو رہی ہے اور اس کی تصویر اس طرح نمودار ہوتی ہے کہ اپنے بدن کی فراخی اور نہایت کشادگی خیال میں بیٹھ جاتی ہے اور یہ فراخی اس مرتبہ تک پہنچتی ہے کہ اس کا خیال عالم اجسام سے جس میں سب سے اوپر عرش مجید ہے اس کے تمام اطراف سے متجاوز ہو جاتا ہے اور تمام جہان کو اپنے آپ میں دیکھتا ہے افلاک و عناصر جبال و بحار۔ اشجار و احجار حیوان و انسان سب کو اپنے جسم کے اجزاء و اعضا خیال کرتا ہے اس حالت میں آسمانوں کے مکانات پر اطلاع اور زمین کے بعض مقامات کی سیر کہ اس کی جگہ سے دور دراز فاصلہ پر ہوتی ہیں بطور کشف حاصل ہوتی ہے اور اس کا وہ کشف

مطابق واقع ہوتا ہے لیکن اپنے آپ کو واقعی تمام عالم کا کل نہ سمجھے۔ بلکہ اس طرح اعتقاد کرے کہ یہ خیال مخالف واقع اس مرتبہ کے آثار سے ہے اور اس حالت میں توقف اور درنگ نہ کرے کہ یہ منزل مقصود کا راہ راست نہیں۔ اگرچہ فی الجملہ راستہ ہے لیکن راہ راست سے بہت دور اور سیر وسلوک کی دشواری اور مسافت کے لمبا ہونے کا باعث ہے اس حالت سے انوار کی طرف جو کہ ذات پاک کے حجب میں انتقال کا قصد کرے اور کبھی بعد تمامی شغل فنا کے رنگارنگ کے انوار دکھلائی دینے لگتے ہیں اور یہی صورت طالب کی مقصد براری کا راستہ ہے اور وہ انوار ذات بحت حضرت حق جل علاء کے حجب میں اور ان کے طے کرنے کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں اگر عنایت الٰہی شامل حال ہو تو ایک لحظہ بھر میں ہزارہا حجب طے ہو جائیں لیکن طالب کے ایک حجاب سے دوسرے حجاب کی طرف انتقال کرنے کے لئے سبب عادی یہ ہے کہ ان انوار میں سے ہر ایک کو اپنی قوت خیالیہ سے اس قدر وسیع کرے کہ تمام جہان کا احاطہ کرکے قید مکان سے فضائے لامکان کی طرف تجاوز کرے۔ بعد ازاں انتقال کا پختہ ارادہ دل سے اٹھا کر اس امر کی درخواست بارگاہ خداوندی سے کرے اور اپنی نظر خیالی سے اس نور میں اس قدر غور کرے کہ ایک اور انوار اس نور کے اندر ہی سے ظاہر پڑے اور اس کو بھی پہلے نور کے طریقے پر وسیع کرے اور اس سے تیسرے نور کی طرف انتقال کرے اور لگاتار اسی طرح انوار کی سلسلہ جنبانی کرتا جائے۔ اور بسا اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ انسان ان ہی حجب میں اٹک جاتا ہے اور اس کو اصل مقصود کی طرف پہنچنے کا راستہ نہیں ملتا اور ان سب حجابوں سے آخر تک حجاب میں بھی (بعض سالکوں کو) توقف اور اٹکاؤ لگ جاتا ہے اور کبھی بعض طالب اسی کو مقصود اصلی سمجھ کر اسی جگہ ٹھیر جاتے ہیں۔

ساتواں افادہ۔ جس شخص کو عنایت خداوندی اور جذبہ غیبی کی امداد سے سب حجاب طے ہو جائیں وہ ذات بحت کی معرفت کے مقام میں پہنچ جاتا ہے اور اس جگہ عمدہ عمدہ حالات اور رنگارنگ اطوار پیش آتے ہیں اور جو خوض و فکر اس جگہ کرتا ہے اس کا نام سیر فی اللہ ہے اور یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ اس مقام میں تفاوت اور تبدیل احوال نہیں ہوتا بلکہ بموجب مضمون آیہ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ہر وقت اس ذات پاک کی ایک جُدا سے جُدا شان

جلوہ گر ہوتی ہے اور صرف طالب کے دل کے احوال کے تبدل سے غیب میں کبھی تبدل تفاوت اس کی بصیرت آنکھ میں ظاہر ہوتا ہے اور چونکہ مطابق حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام آدمی کا دل ایک پر کے ریشہ کے حکم میں ہے جو صاف میدان میں پڑا ہوا ہے اور ہواؤں کے جھونکے اس کو الٹا سیدھا زیر و زبر کرتے رہتے ہیں انسان کے دل کو قرار نہیں لہذا شیون ذات کو بھی اس طرف سے قرار نہیں بلکہ دم بدم تبدل ہوتے رہتے ہیں اور شیون الٰہیہ کے تفاوت کے سبب سے یہ بات ہوتی ہے کہ معاملات مختلف مطابق استعدادات بنی آدم کے پیش آتے ہیں اور سیر فی اللہ کا بیان بڑی لمبی چوڑی تفصیل رکھتا ہے کہ اس کی تحریر ان اوراق میں دشوار ہے لیکن جو سلوک کہ متعارف ہے اور اس فن کی تصنیف شدہ کتابوں میں منضبط ہے وہ مقام معرفت تک ختم ہو جاتا ہے پس بس۔

## دوسری فصل اشغال طریقہ چشتیہ کے بیان میں نئے طریق پر جو قوت اثر اور جلدی سے تھوڑے زمانہ میں بہت سے فوائد کے ظاہر ہونے کے موجب ہوں اور مجاہدات اور ریاضات متعارفہ کے لحاظ سے آسان دکھلائی دیں

اور یہ فصل دو ہدایتوں پر مشتمل ہے

## پہلی ہدایت اشغال طریقہ چشتیہ کے بیان میں

اور یہ ہدایت پانچ افادوں پر مشتمل ہے

**پہلا افادہ**۔ طالب کو چاہیئے کہ پہلے باوضو دو زانو بطور نماز بیٹھ کر اس طریقہ کے بزرگوں یعنی حضرت معین الدین سنجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ حضرات کے نام کا فاتحہ پڑھ کر بارگاہ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور وسیلہ سے التجا کرے اور نیاز بے انداز اور زاری بے شماری کے ساتھ اپنے کام کے فتح یاب کے لئے دعا کرکے ذکر دو ضربی شروع کرے اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ مبارک اللہ کو دو بار متصل کہے اور دونوں کے اتصال کے واسطے پہلے لفظ کے آخر کو ضمہ دے اور اس دو بار کہنے کو ایک ذکر قرار دے

اور دو ذکروں کے درمیان فرق اور امتیاز کے لئے لفظ اللہ کو جو دوسری بار دو نون ذکروں میں کچھ کلا وقت کے طور پر کہے یعنی حرف "ہا" کو جزم دیکر پڑھے اور خوب زور کے ساتھ سینہ سے نکال کر اور جہر اور شدت اور مد کے ساتھ کہے اور دوسرے لفظ کو جہر اور شدت اور مد اور قوت میں پہلے سے زیادہ کرے اور پہلے کے ساتھ خیال کرے کہ ایک نور اس کے سینہ سے نکل کر اس کی لب تک پہنچکر وہاں ٹھہر گیا ہے اور دوسری بار میں اسی جگہ سے نکل کر بسبب قوت اور کثرت کے جو دونوں انوار کے مجتمع ہونے سے حاصل ہوئی ہے اس کے منھ سے باہر آکر اس کے سر کے اوپر پہنچ گیا ہے پس اس نور کو بلند تر بقدر ایک ہاتھ کے تصور کرے اور اسی ذکر کو حضور دل سے تکرار کرتا رہے اور حضور دل کے لئے اتنا قدر بھی کافی ہے کہ (جانے) یہ اسم مبارک اس ذات پاک کا نام ہے جو اپنے نام کے ہمراہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے اس نام پاک کا اپنے مسماے پاک و منزہ سے غائب ہونا ممکن نہیں۔ اس کریم مطلق کے فضل کامل سے پختہ امید یہ ہے کہ ذاکر کو بہت جلد نور معلوم ہونے لگ جائے گا پس یہ ذکر اس قدر کرے کہ وہ نور چھاتے (سائبان) کی طرح اس کے سر پر ہو جائے پھر بسبب کثرت اور تہ بہ تہ ہونے کے اس کے تمام بدن پہنچکے اس کے بدن کو اندر باہر سے گھیر لے اور اس کا بدن اس نور میں گم ہو جائے۔

**دوسرا افادہ**۔ جب یہ معنی بخوبی حاصل ہو جائے اور اس کی مشق اور ملکہ اس طرح میسر ہو جائے کہ ہر وقت بلا تکلف اس طرح کرے اور ذاکر کے قابو میں آجائے تب دوسرا ذکر شروع کرے اور وہ ذکر لفظ الا اللہ ہے اس میں بھی اور شدت اور جہر اسی طور پر مطلوب ہے جس طرح پہلے میں مذکور ہوا لیکن فرق اتنا ہے کہ اس کلمہ کو نیچے کی جانب اپنے دونوں زانوؤں کے درمیان ضرب کرے اور نور کو جس قدر ذکر اول میں اوپر کی جانب بلند خیال کرتا تھا اس میں اتنا ہی نیچے کی جانب خیال کرے اور اس نور کو نیچے سے اوپر لاتا جائے۔ تاکہ نور فوقانی اور نور تحتانی آپس میں مل کر ایک نورانی ستون کی طرح ثابت ہو جائے کہ گویا اس کا بدن اس کے اندر گم ہو گیا ہے۔

**تیسرا افادہ**۔ پھر ملائمت اور آہستگی کے ساتھ تیسرا ذکر شروع کرے اور اس ذکر میں

پہلے ذکر کے طور پر صرف لفظ اللہ کہے بدون ضرب اور شدت اور جہر مفرط کے اور اس لفظ مبارک کو اپنے خیال میں اس نور کے اندر جو اس کے بدن کے جا بجا بھی وہی ہو گیا ہے چار دو یا مصقل کی طرح گردش اور حرکت دے کہ اگر کچھ کدورت اپنے بدن وغیرہ کے خیال سے اس میں رہ گئی ہو اس کو مصفی اور مصقول کرے اور تمام وہ نور صاف اور چمکیلا اور خوب روشن و براق ہو جائے۔

**چوتھا افادہ۔** جب یہ نور اس طرح صاف ہو جائے کہ اس کا شعاع ہر طرف سے دور دور جا پڑے اور اس کا تصفیہ اور تصقیل بھی ذاکر کے قابو میں آجائے اس وقت چوتھا ذکر شروع کرے اور وہ ذکر نفی و اثبات یعنی "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" ہے پس "لا" کو اپنے خیال میں کھینچکر زمین و آسمان کا محیط کرے اور تمام ذرہ ذرہ کو گھیر کر "الٰہ" کو اپنے اندر تمام کرے اور لا کے کھینچنے کا طریق یہ ہے کہ اپنے منھ کے سامنے ممتد اور وسیع خیال کرے تا آنکہ عرش مجید تک جا پہنچے پھر اس کو متحرک تصور کرے کہ تمام عالم میں جنبش کھا کر دائرہ کی طرح ہو کر پھر اپنے مقام میں پہنچ گیا ہے۔ اور لفظ اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ جانب فوق میں عرش مجید کے اوپر ضرب کرے اور لفظ لَا اِلٰہ میں ہر چیز کی معبودیت کی نفی فی الواقع اور فی الحقیقت اور اپنے وجود اور تمام اشیاء و کائنات کی نفی اپنے خیال سے لحاظ درست اور تصور بحت کے ساتھ مستقر اور مستحکم کرے اور بضرب اِلَّا اللّٰہ میں ذات بحت کی طرف اشارہ کرے جو کلام مجید کا منطوق ہے[1] یعنی اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی اس ذکر کے تکرار کے ساتھ اس ذات بحت کا نور عرش کے اوپر سے دریائے موجزن کی طرح اس کثرت اور وسعت سے آئیگا کہ تمام عالم کو محیط ہو جائیگا بلکہ تمام عالم اس میں گم ہو جائیگا جس طرح پہلے ذکر میں فقط ذاکر کا جسم محو و گم ہو گیا تھا۔ اس طریق سے ذکر نفی و اثبات طالب صادق کے لئے حصول کمالات مقصودہ میں کافی ہے پس بدرست چاہئے اور اس ذکر کو کثرت اور مبالغہ سے کرے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقیات کے لئے کسی دوسرے شغل کا محتاج نہ ہو گا۔

**پانچواں افادہ۔** اس ذکر سے منزل مقصود کی طرف انتقال کرنے کا طریق یہ ہے اس نور کے استقرار کے بعد عرش کے اوپر فائض ہو کر تمام عالم کو محیط ہو گیا ہے اسی نور میں مراقبہ کرے

[1] یعنی معنی کلمہ یعنی رحمٰن تبارک و تعالیٰ عرش مجید پر جا برا جا۔

اور ذکر کو چھوڑ دے اور دوسرا طریق یہ ہے کہ اپنی نفی اور تمام عالم کی نفی جو نور مذکور کے احاطہ کے طفیل ہوئی تھی قصدی لحاظ سے ملحوظ کرے اس طرح اپنے قابو میں لائے کہ اولاً بدون لحاظ کے بھی اپنی اور تمام کائنات کی نفی ایسے آسان ہو جائے اگرچہ نفی اس نور سے منفک نہیں ہوتی لیکن اس شخص کو چاہیے کہ نفی کو مقصود لذاتہ بنا کر شغل نفی کو مستحکم کرے پھر استحکام نفی کے بعد یا توحید صفاتی ظاہر ہوگی یا انوار کا مشاہدہ ہوگا دوسرا طریق مطلب یابی کا راستہ ہے پس جس طریق پر فصل اول میں مذکور ہوا ان نورانی حجابوں سے تجاوز کرتا جائے تاکہ سب سے اخیر حجاب سے جو نسبت بیرنگی سے نامزد ہے فائز ہو اگرچہ اس طریق کی نسبت کو مہتاب کے نور کے ساتھ جو پھیلا ہوا ہو تشبیہ دیتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت بیرنگ ہے ایک گونہ رنگ جو معلوم ہوتا ہے اس میں غور کرتے ہی بے معلوم ہو جاتا ہے کوئی رنگ خیال میں نہیں گزرتا اور جب اس حجاب اخیر سے بھی تجاوز واقع ہو جائیگا تو ذات بحت کا وصول جو منتہائے سلوک ہے متحقق ہو جائیگا۔

# دوسری ہدایت فوائد متفرقہ کے بیان میں

اور یہ ہدایت دو افادہ پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ آسمانوں کے حالات کے انکشاف اور ملاقات ارواح اور ملائکہ اور بہشت دوزخ کی سیر اور اس مقام کے حقائق پر اطلاع اور اس جگہ کے مکانوں کے دریافت اور لوح محفوظ سے کسی امر کے انکشاف کے لئے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا ذکر کیا جاتا ہے یاحیّ کو ذکر خیالی سے سینہ کے درمیان سے لب تک لائے اور اپنی روح کو اس کے نیچے پیوستہ کر دے اور پھر لفظ یا قیوم کو سینہ سے نکالے اور چونکہ اس لفظ مبارک کا تلفظ پہلے لفظ کے تلفظ کے متصل واقع ہوتا ہے اس لئے ضرور ان دونوں مبارک اسموں کا اثر دوسرے لفظ کا تلفظ کرتے وقت قوت پکڑ جاتا ہے پس لفظ اخیر کے تلفظ کے ہمراہ دونوں لفظ مبارک کی استعانت سے بایں طور کہ یہ اسم مقدس روح کے نیچے ہو جائے اور روح دونوں اسموں کے درمیان رہے روح کو عرش کے اوپر پہنچائے اور اس جگہ پہنچکر توقف کرکے دور دور سیر کرے اور سیر و دور میں اختیار ہے خواہ عرش کے اوپر سیر کرے یا اس کے نیچے اور آسمانی مواضع میں سیر کرے یا

پڑی جاتا ہے جیسے کعبہ معظمہ یا اور اماکن متبرکہ اور پھر عرصہ کے بعد جب اس عالم کی بیداری اور برداری چاہئے انہیں دونوں اسموں کی امداد سے اوپر سے نیچے کو انتقال کرے یا حیُّ کے ذکر خیالی کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرنے کی تیاری کرے اور یا قیُّومُ کی ہمراہی سے تدریجاً اپنے مکان تک پہنچے اور نزول میں آسمانوں کو جدا جدا ملحوظ رکھے۔

دوسرا افادہ۔ کشف قبور کے لئے ذکر سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِکَةِ وَالرُّوحِ مفید ہے اس کا طریق اس طرح ہے کہ پہلے اسم یعنی سُبُّوحٌ کے ساتھ ناف سے دماغ تک یعنی لطیفہ اخفیٰ کے مقام تک پہنچے اور دوسرے اسم یعنی قُدُّوسٌ کے ساتھ وہاں سے عرش مجید کے اوپر اور تیسرے اسم کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرکے ضرب کے طور پر دل میں مارے اور دل کے دروازہ فوقانی سے داخل ہو کر دروازہ تحتانی سے باہر نکل کر قبر کی طرف متوجہ ہو اور اگر ایک بار میں مدعا حاصل نہ ہو تو تنگ دل نہ ہو اور اس تکرار میں حضور اور توجہ اور التجا اور زاری سے کوشش کرے اور فضل الٰہی سے پختہ امید رکھے کہ کشف مطلوب حاصل ہو جائیگا اور اس کشف قبور کو ناواقف لوگ قرب الٰہی کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ دوری کا موجب ہے۔

## تیسری فصل اشغال طریقہ نقشبندیہ کے بیان میں

اور یہ فصل ایک تمہید اور دو ہدایت پر مشتمل ہے

تمہید۔ لطائف شش گانہ جو انسان کے اندر ہیں ان کے مواضع کو معلوم کرنا چاہئے لطیفہ قلب بائیں پستان کے نیچے ہے اور لطیفہ روح داہنے پستان کے نیچے اور لطیفہ سر دونوں کے درمیان وسط سینہ میں اور مقام لطیفہ نفس عین ناف ہے۔ اور لطیفہ خفی کا مقام پیشانی ہے جہاں سر کے بال ختم ہو کر پیشانی شروع ہوتی ہے اور سجدہ کے سبب سے اسی جگہ نشان پڑتا ہے اور لطیفہ اخفیٰ تالو کے مقام میں سر کی اگلی جانب میں واقع ہے جس جگہ بچوں کے سر میں جنبش اور حرکت محسوس ہوتی ہے۔

پہلی ہدایت اقسام ذکر کے بیان میں اور اس ذکر کے بیان میں جو طریقہ نقشبندیہ میں رائج ہے

اور یہ ہدایات چار افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ چھیوں لطیفوں کو اسی ترتیب پر جو تمہید میں مذکور ہوئی ہے بخوبی ذاکر بنانا چاہیے اس حیثیت سے کہ خود ان کے ذکر پر آگاہ اور مطلع ہو اور تلقین کرنے والا جس نے اپنے لطیفہ میں ذکر کو جاری کیا ہوا ہے پوری ہمت کے ساتھ طالب کے لطیفہ میں اس ذکر کو القا کرے اور دعا اور التجا کے وسیلہ سے محض فضل الٰہی سے مدد چاہے اور قوت ہمت کے ساتھ توجہ کرے اور توجہ کا ادنیٰ اثر یہ ہے کہ جنبش ظاہر ہو جائے از قبیل جنبش نبض نہ اس معنی کر کہ ہاتھ رکھنے سے معلوم ہو بلکہ اس معنی کر کہ صرف التفات کرنے سے معلوم ہو جائے بلکہ ترقی کرکے اور کاموں کے اشتغال کے وقت انسان کو اپنی طرف متوجہ کرے اور ایسا نہ چھوڑے کہ اس سے بالکل غفلت کرے پس اس حرکت کو نام پاک الٰہی کے مقارن اور ہمراہ جانے اور اس طرح سمجھے کہ اس حرکت کے ساتھ اللہ اللہ کہتا ہے اور اس نام مقدس کے مسمّٰی کے ساتھ حضور اور انس پیدا کرے پس ان لطائف کے اذکار کی جدا جدا مزاولت اور مشق کرکے یکبارگی سب سے ذکر کرے یہاں تک کہ ان سب کا ذکر آن واحد میں معلوم ہوا کرے اور اس ذکر لطائف کو اچھی طرح پختہ کرے اور رسوخ کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ جس وقت چاہے اس شغل میں مشغول ہو سکے مرشد ملقین کرنے والا اگر اس کا اور زیادہ کرنا فرمائے تو اس کے حکم کی تعمیل کرے اور لطائف ششگانہ میں سے ہر ایک کے لئے ایک جداگانہ نور ہے جو ان بزرگواروں کی کتابوں اور رسالوں میں مفصل مذکور ہے اور لطائف کا ذکر کثرت سے کرکے ہر لطیفہ کو اپنے نور سے منور کرے اور اگرچہ یہ نورانی کرنا لطائف کا بہتر اور خوب تر ہے لیکن راہ سلوک میں طول مسافت پیدا کرتا ہے اور اس راستہ کا طول چنداں ضروری نہیں جب انسان جب نورانیت میں پہنچتا ہے خود بخود انوار لطائف کا معائنہ کر لیتا ہے اور مزاولت اور مشق کے بعد ہر لطیفہ کو اپنے نور سے بلکہ جس نور سے چاہے رنگین کر سکتا ہے اور اذکار لطائف کے وقت میں صرف یہی مطلب بڑی کوشش اور محنت سے بمشکل سرانجام پذیر ہو سکتا ہے اور بعد ازاں عجب نورانیت کے مقام میں بغیر کوشش اور محنت کے حاصل ہو سکتا ہے۔ پس ابتدا میں لطائف کے اپنے انوار کے الوان سے رنگین کرنے میں کوشش کرنا ایسا ہے جیسے سکندرنامہ کے مضامین کی تقریر ابجد خواں کو تعلیم کرنا پس مناسب اس طرح ہے۔ کہ ادنیٰ مراتب

بقدر ضرورت استعمال کریں۔ اور وقت کو غنیمت سمجھ کر بہت جلدی ان مراتب سے گزر جائیں۔ اور بلند مقامات میں مطابق استعداد اور روح کے توقف کریں۔

**دوسرا افادہ۔** بعد ازاں حبس نفس کے ساتھ نفی و اثبات کرے اس کا طریق یہ ہے کہ دوزانو مؤدب ہو کر رو بقبلہ بیٹھے اور اپنا دم بند کرکے زبان تالو سے لگا کر لا کو لطیفہ نفس سے کھینچے۔ اور لطیفہ سر پر قدرے توقف کرکے پھر لطیفہ خفی پر بھی تھوڑا سا وقفہ کرتا ہوا لطیفہ اخفی تک پہنچے غرض کہ ایک خیالی حرکت نفس سے اخفی تک کرے اور اس حرکت کی امتداد کے درمیان مقام لطیفہ سر اور اخفی میں لحاظ کو بالاستقلال متوجہ کرکے ان کے امتیاز کے لئے قرار کرے اور الٰہ کو لطیفہ اخفی سے کھینچکر لطیفہ روح کی طرف متوجہ ہو کر اِلَّا اللّٰہ کو لطیفہ قلب میں ضرب کرے اور ان خیالی حرکتوں میں کوئی ظاہری جنبش اعضا میں سے کسی عضو پر حتی کہ سر اور منہ اور لب اور زبان پر بھی بالکل نہ واقع ہو اور اس ذکر کو بلحاظ عدد طاق عمل میں لائے ایک بار ذکر کرکے اپنے دم کو چھوڑ دے پھر اطمینان اور دم کے ٹھیر جانے کے بعد دوسری بار کرے اور جب حبس نفس کی برداشت زیادہ ہو جائے ذکر کے عدد میں بھی زیادتی کرتا جائے اور زیادت کا ادنی مرتبہ اکیس بار ہے جب اکیس بار تک پہنچ جائیگا اور اس کی خوب مزاولت اور مشق کرلے گا اور ایک ایک نشست میں سینکڑوں دفعہ تک نوبت پہنچا دے گا۔ اس وقت البتہ اس کے لطائف میں گرمی اور صفائی پیدا ہو جائے گی اور اس ذکر سے ایسا معلوم کریگا کہ گویا ایک گھومتا ہوا شعلہ ہے کہ اس کے تمام لطائف کو احاطہ کرکے خط آتشین کی طرح ممتد ہو گیا ہے۔

**تیسرا افادہ۔** نفی و اثبات کی خوب مشق کرنے کے بعد سلطان الذکر کو عمل میں لائے اور اس کا بیان یہ ہے کہ جو جزو انسان کی ہے اس کے لئے ایک وحدت ثابت ہے اور ہر ایک تعین کی شناخت کے لئے اس کا جدا گانہ نام مقرر ہے سوائے نام کل کے۔ پس وہ جزو بھی ایک وجہ سے تمام اجزاء انسانی پر مشتمل ہے جا بجا ان اس کے لئے ایک زبان بھی مقرر ہے اور بموجب ارشاد حضرت حق تبارک و تعالیٰ کے کہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ[1]

---

[1] اور کوئی چیز نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تنزیہ کرتی ہے مع اسکی حمد و ثنا کے ولیکن تم انکی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

تسبیح خواں وہ تمام اجزاء ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ ولیکن انسان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ پس حقیقت سلطان الذکر کی یہ ہے کہ اپنے تمام اجزاء کے ذکر کو ایک قسم کے ادراک سے دریافت کرے اور اس پر پوری آگاہی اور بخوبی اطلاع حاصل کرے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے بدن کی ہر جگہ کو بالعموم والشمول لطائف ششگانہ کی طرح سمجھے اس لئے کہ بالکل ظاہر ہے کہ لوگوں کی نظر میں لطائف کے مقامات اور باقی بدن بالکل مساوی ہیں جب لطائف کے مقامات سے ذکر کو پہچان لیا اور اس کی کیفیت پر اطلاع پائی اسی طرح اپنے تمام بدن کے ساتھ ذاکر ہو اور تلقین کرنے والے کو چاہیئے کہ خود سلطان الذکر کرکے بطور مذکور طالب پر القا کرے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کبھی تو تمام بدن میں جنبش ظاہر ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضا بغیر اس کے ارادہ کے اپنی جگہ سے منتقل ہو جاتے ہیں اور کبھی رعشہ[1] کی طرح حرکت ظاہر ہو جاتی ہے اور کبھی رونگٹے کھڑے ہو جانے کی سی حالت ہو جاتی ہے یا چیونٹیاں سی اس کے بدن پر چلنے لگتی ہیں اور تمام بدن میں خنکی اور سبکی معلوم ہوتی ہے اور کبھی ذاکر کے بدن میں ایسی خنکی سرایت کر جاتی ہے کہ سخت گرمی کے وقت اس کو سردی معلوم ہونے لگتی ہے اور اسی طرح ہلکا ہو جاتا ہے کہ گویا اس کے تمام بدن سے آلائش کو دور کر دیا ہے جیسے کوئی شخص حمام میں کیسہ مالی سے غسل کرے اور ظاہری غسل میں یہ سبکی صرف چمڑے پر ہی رہتی ہے اور سلطان الذکر میں اندر صاف ہو جاتا ہے اور یہ بھی خارق عادت امور میں سے ہے کہ سخت اختلاج کی مانند اس کا تمام بدن قابو میں نہیں رہتا اور یہ بھی ایک محض کرامت ہے سلطان الذکر والا تمام بدن اور در و دیوار خس و خار و در سنگ و خاشاک سے بے شبہ اونچی آواز سے ذکر سنتا ہے اور ہم نشینوں کا سن لینا کرامت مذکورہ میں زیادتی ہے اور کبھی سلطان الذکر والے کو ایک نور بھی معلوم ہوتا ہے۔ فائدہ۔ پیر و مرشد کو مرید میں سلطان الذکر وغیرہ ذکر لطائف کے حصول کے دریافت کرنے کا یہ طریق ہے کہ پیر اپنے آپ کو خالی کرکے اس کی طرف متوجہ ہو اس وقت جو کچھ اپنے آپ میں معلوم کرے جان لے کہ یہ مرید کے ذکر کا عکس ہے اور اس کے شغل کی کیفیت ہے۔

[1] ایک بیماری کا نام ہے کہ اس سے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء میں لرزہ اور کپکپی ہو جاتی ہے۔

چوتھا افادہ۔ جب سلطان الذکر بقدر مذکور قابو میں آجائے اور ارادے کے وقت تکلیف کے سوا ہی ظاہر ہو جائے تو نفی کا شغل کرے اور شغل نفی کے ساتھ یادداشت کے شغل کو جوڑ دے اس کے بعد نفی النفی کا شغل کمائے پس خواہ مخواہ سالک پر یا تو توحید صفاتی کھل جائے گی یا جب نورانیت ظاہر ہو جائیں گے اور یہ دوسرا امر کامیابی کا طریق ہے پس سالک کو چاہیئے کہ جس طرح پہلی فصل میں مذکور ہو چکا ہے اس پردے سے نکل جائے اور اس پردہ کو طے کرتے ہوئے مراقبہ صمدیت کا شغل کرے تاکہ انجام کار اس پردے تک پہنچ جائے جس کا نام نسبتِ بیرنگی ہے اگرچہ اس طریقے کی نسبت کو دریا کے اس پانی سے نسبت دیتے ہیں جو خس و خاشاک اور رنگ و خاک کی آلودگی سے صاف ہوتا ہے لیکن گہری نظر کے بعد قابل تعبیر کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی اور نسبت بیرنگی کے بعد ذات بحت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور متعارف سلوک ختم ہو کر سیر فی اللہ پیش آتی ہے اور اس سیر کی اثنا میں بہت عمدہ حالتیں اور عجیب مقامات ظاہر ہوتے ہیں اور جس مرشد کے حضور میں طالب سیر فی اللہ میں ترقیاں کر لیگا وہی مرشد وہاں کے مقامات کی حقیقتوں سے آگاہ کر دیگا۔ فائدہ۔ اس طریقے کے امام یعنی خواجہ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ بیت

اول ما آخر ہر منتہی ست ۔۔۔۔ آخر ما جیب تمنا تہی ست

پس طالب کو چاہیے کہ اسی امر کی تلاش میں رہے جس کو آنجناب نے جیب تمنا تہی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کا اجمالی مطلب یہی ہے کہ طالب اپنے ارادوں اور قصدوں سے اس طرح خالی ہو جائے جیسے اسی کتاب کی چوتھی فصل میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگا۔

## دوسری ہدایت متفرق فائدوں کے بیان میں

اور اس میں دو افادے اور ایک فائدہ ہے

پہلا افادہ۔ کشف ارواح اور ملائکہ اور ان کے مقامات اور زمین و آسمان اور جنت و نار کی سیر اور لوح محفوظ پر مطلع ہونے کے لئے دورے کا شغل کرے اور اس کا طریقہ پہلی فصل میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے پس زمین و آسمان اور بہشت و دوزخ کے جس مقام کی طرف متوجہ ہو اسی شغل کی مدد سے وہاں کی سیر کرے اور اس جگہ کے حالات دریافت کرے وہاں

کے رہنے والوں سے ملاقات کرے اور بعض اوقات ان سے بات چیت بھی میسر ہو جاتی ہے اور آئندہ یا گذشتہ یا کسی دنیوی یا دینی امر کی صلاح اور مشورت معلوم ہو جاتی ہے۔

دوسرا فائدہ - جاننا چاہیے کہ آئندہ واقعات کے کشف کے لیے اس طریقہ کے بزرگوں نے کئی طریق لکھے ہیں اور سب سے بہتر یہی ہے کہ رات کے تیسرے پہر کو جاگ کر نہایت ہی حضور قلب کے ساتھ کمال آداب اور مستحبات کے ساتھ وضو کرے اس کے بعد دو ماثورہ دعائیں جو گناہوں کے کفارے کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں پوری لاتی کے ساتھ پڑھے۔ اور اس کے بعد نہایت ہی خضوع اور خشوع اور قلب و قالب کے اطمینان کے ساتھ سارے آداب و مستحبات پورے کر کے صلوٰۃ تسبیح ادا کرے اور تمام ترین میں گناہوں کے کفارے کی دعائیں اور اللہ جل شانہ کی درگاہ پاک میں اپنے گناہوں کی معافی کی التجا کو ملحوظ خاطر رکھے پھر تہ دل سے تمام گناہوں سے توبہ کرے اور اس حد تک التجا کرے کہ اس کے تہ دل میں گناہوں کی معافی اور توبہ کے قبول ہونے کا ظن پیدا ہو جائے پس اشغال طریقت میں سے جس شغل کی مہارت رکھتا ہو اسی میں مشغول ہو جائے اور اس سارے شغل میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی درگاہ میں اس مطلوب واقعہ کے کشف کے واسطے اس طرح التجا کرتا رہے کہ اس کی تمام ہمت اسی واقعہ کے انکشاف کی طرف متوجہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کی جناب سے پختہ امید ہے کہ اوپر سے الہام کے نازل یا تہ دل سے اس واقعہ کے ظاہر ہو جانے کے باعث انکشاف ہو جائیگا اور وسوسوں کے وارد ہونے اور الہام کے نازل ہونے میں یہ فرق ہے کہ الہام ایک ایسا امر ہے جو دل میں نازل ہو کر ٹھیر جاتا ہے اور مضبوط ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور وسواس ٹھیرتا نہیں اور اس کے آنے جانے کا کوئی مقرر طریق نہیں چور اور کیسہ بر کی مانند ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری طرف سے چلا جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز دل کو ایک طرف سے دبا کر چلی گئی ہے اور دوسری دفعہ دوسری طرف سے اور اگر طریق مذکور سے واقعہ کا انکشاف نہ ہو تو چاہیے کہ نہایت التجا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرے کہ اے اللہ میں بیخبر ہوں اور تو سب چیز دل کو جانتا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ میں نے اس طریق سے فلاں واقعہ کے

انکشاف کے واسطے کوشش کی ہے اور مقصود حاصل نہیں ہوا پس اپنے بندوں میں سے کسی کی زبان پر وہ کلام جاری کر جس سے میں اپنا مطلب معلوم کر لوں اس کے بعد اپنے کانوں کو ان آوازوں کی طرف متوجہ کرے جو لوگوں سے سونے یا جاگنے کی حالت میں صادر ہوتے ہیں اور فال کے طور پر ان کے کلام سے اپنی مراد کا استنباط کرے اگر اس طرح سے بھی انکشاف مطلوب حاصل نہ ہوا۔ تو چاہیے کہ اسی وقت یعنی رات کے تیسرے پہر کو انکشاف واقعہ مطلوبہ کی نیت پر دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں تین دفعہ سورۂ فاتحہ اور تین دفعہ آیۃ الکرسی اور پندرہ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے بعد ازاں سر سجدہ میں رکھ کر نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ حصول کشف کی نیت پر ایک سو ایک بار کلمہ یَا خَبِیْرُ اَخْبِرْ لِیْ کہے پھر دعا کر کے سو رہے انشاء اللہ تعالیٰ اشارۃً خواہ صراحۃً خواب میں اس واقعہ کا حال ظاہر ہو جائیگا

فائدہ۔ اشغال مبتدعہ میں سے شغل برزخ بھی ہے جو کہ اکثر متاخرین میں مشہور ہو گیا ہے بلکہ بعض بزرگوں کے کلام سے بھی پایا جاتا ہے اور شغل مذکور کی صورت یہ ہے کہ وسوسوں کے دور کرنے اور ارادے جمع ہونے کے لئے پوری تعیین اور تشخیص کے ساتھ شیخ کی صورت کو خیال میں حاضر کرتے ہیں اور خود نہایت ادب اور تعظیم اپنی ساری ہمت سے اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں گویا بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے روبرو بیٹھتے ہیں اور دل کو بالکل اسی کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور شغل کا خلل تصویر کے حال سے معلوم کر سکتے ہیں اس لئے کہ تصویر کا بنانا کبیرہ گناہ ہے اور اس میں دیکھنا خاص کر تعظیم اور توقیر کے ساتھ حرام ہے اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ اپنے اطلاق سے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تصویروں کے سامنے عکوف منع ہے ادب اور تعظیم اور محبت کے ساتھ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر حضور کو لازم پکڑنا عکوف ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص ظاہری صورت کے ساتھ یہ عمل کرے بیشک گنہگار ہے اور اس گنہگار اور راہ حق کے طالب کے عمل میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ اول میں تو ایک کاغذ جیسی چیز پر رنگین تصویر ہوتی ہے اور ثانی میں چہرے کے رنگ اور بالوں اور خط و خال کی کیفیت پوری تصویر صفحہ خیال میں منقوش ہوتی ہے اگرچہ ظاہر میں تو یہ بت پرستی نہیں لیکن

باطن میں صاف بت پرستی ہے کاغذی صورت تصویر کے دقائق کو خیالی صورت کی مانند بیان نہیں کرتی حالانکہ بے جان ہونے میں دونوں برابر ہیں پس تصویری معنی میں کاغذی صورت سے خیالی صورت زیادہ ہے اس لیے کہ دونوں میں صرف اسی بات سے فرق کر سکتے ہیں کہ پہلی صورت میں تو شریعت کے ظاہری انتظام میں خلل آتا ہے اور دوسری صورت میں ظاہری انتظام کو تو کچھ نقصان نہیں پہنچتا لیکن اس کام کے کرنے والے کے نفس میں اس کی تاثیر کے لحاظ سے جو خرابی موجود ہے وہ دوسری صورت میں پہلی صورت سے کہیں بڑھ کر ہے پس اس وجہ سے چاہیے کہ حرام ہو اور اس سے قطع نظر شغل برزخ کا رواج ناقص لوگوں کو پہلی صورت تک پہنچا دیتا ہے اور وہ ظاہری تصویریں بنا کر جو تعظیمی حرکتیں تصویر والوں کے سامنے کرتے ہیں ان تصویروں کے سامنے بجالاتے ہیں اور صاف بت پرستوں کی صورت میں ہو جاتے ہیں اور صریح حرام کام کی طرف شغل برزخ کے پہنچا دینے میں کچھ شک نہیں پس چاہیے کہ یہ بھی حرام ہو اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بت پرستی کی پیش بندی کے لیے مطلقاً تصویر سازی حرام ہو گئی ہے اور دوسری شریعتوں میں شگل کا حال اور مردے یا زندے غائب کی خصلتیں معلوم کرنے کے مانند بعض صحیح اغراض کے لحاظ سے جائز تھی پس جب تصویر سازی میں شارع علیہ السلام نے اس قدر احتیاط فرمائی ہو تو آپ کے متابعت کرنے والوں کو بھی چاہیے کہ اس احتیاط کے طریقہ کو اختیار کر کے شغل برزخ کو حرام اور قبیح جانیں اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا پورا واقف ہے وہ جان لے گا کہ اگر اس مبارک زمانہ میں اس امر کا اتفاق ہوتا تو بیشک اس سے منع فرماتے اور اس کی حرکت ظاہر ہوتی۔

## چوتھی فصل مجددی طریقے کے اصطلاحات کے حل کرنے کے بیان میں

اور اس میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے

تمہید۔ جاننا چاہیے کہ حضرت شیخ عبدالاحد اور ان جیسے طریقہ مجددیہ کے بزرگوں کے نزدیک لطائف کے مقامات اس طرح مرتب ہیں کہ لطیفہ قلب کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے اور لطیفہ روح کا مقام لطیفہ قلب کے مقابل داہنے پستان کے نیچے اور لطیفہ سر کا مقام

بقدر دو انگشت بائیں پستان سے اوپر سینہ کو مائل اور لطیفہ خفی کا مقام اسی اندازے پر داہنے پستان کے اوپر وسط سینہ کو مائل اور لطیفہ اخفیٰ کا مقام سینے کے درمیان اور لطیفہ نفس کا مقام پیشانی کے آغاز میں جہاں اوروں کے نزدیک لطیفہ اخفیٰ کا مقام ہے پہلے چاہیے کہ لطائف مذکورہ کو ذکر سے جاری کرے اور ان کو ذاکر بنائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب مؤدب ہو کر نہایت خضوع اور خشوع اور التجا کے ساتھ باوضو اپنے مرشد کے سامنے خاموش ہو کر بیٹھ جائے اور دل کو جمع کر کے خیالات کو دور کرے اور زبان اور باقی سب اعضا کو ہلنے سے بالکل روک رکھے اور اسم مبارک اَللّٰہ کو دل سے کہے اور مرشد کو چاہیے کہ تمام خشوع کے ساتھ مرید کی تلقین کی طرف متوجہ ہو جائے اور اپنے لطائف میں ذکر کر کے درست ہمت کے ساتھ طالب کے لطائف میں ان کا القا کرے اور جب لطائف شش گانہ کا ذکر معلوم ہو جائے تو سلطان الذکر کے حاصل ہونے کے لیے لطیفہ نفس پر بہت توجہ کرنے سے سلطان الذکر حاصل ہو جاتا ہے اور لطائف کے ذاکر ہو جانے اور سلطان الذکر کے حاصل ہو جانے کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر ہو کہ نفی اور اثبات ہے اس حد تک استعمال کرے کہ غفلت نہ آ جائے اور اس ذکر سے اپنے بدن کی نفی مقصود ہے لیکن جب تمام عالم کی نفی اس سے زیادہ آسان ہے اور بدن کی نفی میں اس کو بھی دخل ہے لہذا ناچار تمام عالم کی نفی کو اپنے دل میں ٹھہرا لینا چاہیے اور اس کے بعد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ذکر سے اپنے بدن کی نفی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ لَا کو ناف سے کھینچ کر دماغ تک پہنچائے اور جن جن مقاموں سے لَا کا گزر ہو ان کی نفی سمجھتا جائے اور اِلٰہَ کو لطیفہ روح تک پہنچائے اِلَّا اللّٰہ کو قلب میں ضرب کرے اور لطیفہ روح کے مقام اور بدن کی اس تمام جانب کو لفظ اِلٰہَ کے ساتھ نفی کر دے اور اِلَّا اللّٰہ کے لفظ ساتھ لطیفہ قلب کے مقام اور باقی تمام بدن کو نفی کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اثبات کا ملاحظہ کرے اور اس ذکر اور نفی دونوں کو خیالی قوت سے کہا کرے اور زبان سے ہرگز تلفظ نہ کرے اور اس ذکر کے بحضور اور شعور ہمراہ قوت خیالیہ میں نفی کے خیال سے انشاء اللہ تعالیٰ اس

کے بدن کی نفی اس طرح مضبوط اور پختہ ہو جائے گی کہ اپنے تمام وجود بلکہ تمام عالم کی نفی قوت خیالیہ میں ہمیشہ قائم رہے گی اور جس وقت نفی کا شغل طالب کے خیال کی تہ میں جم جاتا ہے درویشی کے معاملے ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں خاص کر دوائر کا انکشاف کہ شغل نفی کے سوا کما حقہ ان کا انکشاف متصور نہیں اور جس قدر نفی زیادہ کامل ہوگی اسی قدر انکشاف زیادہ ہوگا پس مراقبات دوائر سے پہلے نفی کی تکمیل اور ترقی میں کوشش کرنی چاہیئے اور بدن کا مطلقاً معلوم نہ کرنا کمال نفی ہے اور نفی کے کمال میں اس چیز کے سوا جو دوائر کے انوار کو معلوم کرتی ہے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور اس کے بعد نفی النفی اور فناء الفنا پیش آئے گا اور وہ مدرک چیز بھی باقی نہ رہے گی اور محض غفلت طاری ہو جائے گی اور مراقبات دوائر کے ساتھ مزید نفی میں کوشش کرتا رہے جس وقت نفوس محبت کے کمال اور انتہا کو پہنچے گا نفی النفی اور فناء الفنا حاصل ہو جائینگی۔ اگرچہ نفی النفی کا شغل اس طریقہ کے بزرگوں کے کلام میں صریح طور پر مذکور نہیں لیکن دوائر کے انکشاف اور معاملات کے ظہور اور انوار کے رسوخ کے لئے اس شغل کا ہونا ضروری ہے اور اس جیسے اشغال کے ان بزرگوں کی تصریح نہ کرنے کا یہ سبب ہے کہ انکی تاثیر کی قوت کے باعث مریدوں پر نفی اور نفی النفی طاری ہو جاتی تھی پس صرف انکی توجہ ان اشغال سے بے پرواہ کر دیا کرتی تھی لیکن نفی کے حاصل ہونے کے سوا دائروں کا انکشاف اور ان کے انوار کا رسوخ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے خواہ وہ نفی صرف شیخ کی تاثیر سے حاصل ہو خواہ خود اپنے کمانے سے حاصل ہو واللہ اعلم بحقیقۃ الحال مقصد اس طریقہ کے مستعملہ الفاظ کی تفسیر کے بیان میں مراقبہ احدیث سے دوائر کا شغل معلوم ہوتا ہے اور اس کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات مقدس کی وحدانیت کا لحاظ کرے اور اس لحاظ کو قلب سے نکال کر اوپر کی طرف متوجہ کر کے عرش مجید سے بھی اوپر کو لے جائیے یہاں تک کہ اس کا اثر ظاہر ہو جائے اور اس کا اثر یہ ہے کہ دل کے اوپر کی جانب سے نورانی اسطوانے کی مانند لمبا سا نور ظاہر ہو کر عرش مجید تک پہنچتا ہے اور اس نورانی اسطوانے کا شعاع تمام جہان کو گھیر لیتا ہے۔ پس اس نور کا جوہر وہی اسطوانہ ہے جس کی جڑ دل کے اوپر کی جانب میں

ہے اور اس کا سر عرش مجید تک جا پہنچکر اس کا شعاع سارے جہان میں پھیل جاتا ہے اور اس نور کا ظاہر ہونا دائرہ امکان کا شروع اور اس نور کا عرش مجید تک پہنچنا نصف دائرے کے حاصل ہونے کی علامت ہے اور اس سے آگے بڑھ جانا اس کے پورا ہونے کی علامت ہے اور صرف اس لمبے نور کا ظاہر ہونا امکان کا دائرہ نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی وسعت اور فراخی جس کا مبداء اور منتہے مقرر اور ممتاز نہ ہو وہی دائرے کی حقیقت ہے پس دائرہ اسی وقت ہوگا کہ نور کا شعاع ہر طرف پھیل کر تمام جہان کو گھیر کر عالم امکان سے تجاوز کر جائے اور اس کا کوئی اندازہ اور حد نہ ہو۔ اور چونکہ یہ دائرہ عالم امکان کو گھیر لیتا ہے اسی واسطے اس کا نام دائرہ امکان رکھا گیا ہے اور سیر قلبی کے دوائر میں سے یہ پہلا دائرہ ہے اور دوسرا دائرہ ولایت قلبی کا ہے جسکو ولایت صغری کہتے ہیں اور اس دائرے میں اقربیت کا مراقبہ کرنا ہوتا ہے اور اس دائرے میں دل کے نیچے کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے اور تمام دل آفتاب کی مانند ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی ساری طرفوں اور اس کی ہر جگہ سے نور چمکتے ہیں اور جو انوار کے ہر جہت سے پیدا ہوتے ہیں دائرہ اول کی مانند موجودات ممکنہ سے تجاوز کر کے امکان کی حد تک پہنچکر غیر متناہی ہو جاتے ہیں اور اصل قلب باقی رہتا ہے اور یہ نہیں کہ قلب بالکل نیست و نابود ہو جائے اور صرف انوار ہی باقی رہ جائیں بلکہ تمام اطراف سے دل مصدر انوار بن جاتا ہے مگر نادر طور پر قلب نہیں بھی رہتا اور اس دائرے اور پہلے دائرے میں دو طرح کا فرق ہے اول تو یہ ہے کہ پہلے دائرے میں نور کا چشمہ قلب کی فوقانی جانب ہے اور اس دائرے میں تمام قلب انوار کا چشمہ بن جاتا ہے۔ دوم آنکہ پہلے دائرے میں پھیلا ہوا انوار اسی کے دل کے اوپر والے لمبے نور کا شعاع ہے اور اصلی نور تو اتنا ہی ہے کہ ستون کی مانند دل سے اوپر کو گیا ہوا ہے اور باقی دائرہ آفتاب کے شعاع کی طرح اسی ستون سے پیدا ہوا اور اسؔ دائرے میں سارے کا سارا دائرہ اصلی نور ہے جو دل سے نکل کر عالم امکان سے متجاوز ہو گیا ہے اور کبھی اس دائرے میں توحید کا بھید کھل جاتا ہے یعنی وہ پھیلا ہوا وجود کہ تمام ممکنات اسی کے ساتھ قائم ہیں اس طرح معلوم ہونے

ؔ یعنی دائرہ ولایت قلبی۔

لگتا ہے کہ تمام ممکنات کے وجود کو ایک ہی جاننے لگتا ہے اور کثرت کی وجہ سے جو امتیاز ہیں سب اس کی آنکھ میں نابود ہو جاتے ہیں اور اس کی بصیرت کی آنکھ اسی پھیلے ہوئے وجود پر پڑتی ہے اور اس وقت قلب بالکل فنا ہو کر صرف نور ہی نور باقی رہ جاتا ہے۔ تیسرا دائرہ ولایت کبریٰ کا دائرہ ہے اور تین دائرے اور ایک قوس اس ولایت کے ضمن میں ہیں پہلے دائرے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پاک کے معیت کا مراقبہ کرے اور اس طرح سے شروع کرے کہ اس کی ذات پاک کو بیچونی اور بیچگونی اور مکان اور جہت سے نہایت پاک ہونے کے باوجود اپنے نزدیک اور اپنے ہمراہ جانے اور اپنے آپ کو اس سے دور اور غائب نہ جانے بلکہ اپنے کاموں میں اس کو شریک اور شامل سمجھے اور معیت کو اقربیت لازم ہے۔ اور اقربیت کو معیت لازم نہیں اس لیے کہ معیت کیواسطے قرب کے باوجود اعانت اور مددگاری بھی ضروری ہے جب تک کوئی شخص دوسرے کا مددگار نہ ہو اس کو اس کے ساتھ معیت حاصل نہیں ہوتی اگرچہ وہ اقرب ہی ہو اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ [illegible] اور سلوک میں اقربیت معیت سے مقدم ہے اور جس شخص نے معیت کو اقربیت [illegible]یا ہے پس قرب اور معیت کے ظاہری معنی کو متحد یا متقارب جان کر اقربیت کی زیادتی کا لحاظ کر کے اس ترتیب کو اختیار کیا ہے لیکن سلوک میں فی الحقیقت اقربیت معیت سے بہت پہلے آتی ہے اسی واسطے اقربیت کا مراقبہ پہلے چاہیے اور صرف نزدیک اور ہمراہ ہونا معیت کا معنی نہیں بلکہ اس لفظ سے کاموں میں شامل ہونا اور اعانت اور امداد اور ایک رنگ سے رنگین ہونا سمجھا جاتا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ فارسی میں ہمراہی کا لفظ اور ہندی میں ساتھی کا لفظ اسی سے خبر دے رہا ہے اور قرآن مجید کی یہ آیتیں اس معنی پر عادل گواہ کافی ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ[1] وَاِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ[2] وَاِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا[3] حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استمداد اور استعانت کے موقع پر مع کے لفظ کو استعمال فرمایا ہے پس ظاہر ہو گیا کہ معیت میں

---

[1] اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے [2] اور بیشک میرا پروردگار میرے ساتھ ہے عنقریب مجھ کو راستہ دکھا دیگا [3] بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

امانت منزه ذات ہے اور اقربیت امانت کے سوا متحقق ہوتی ہے پس اقربیت کا مراقبہ معیت کے مراقبہ سے اول چاہیئے ہر حال میں اسی طرح سے مراقبہ کرتا ہوا اس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی معیت کا لحاظ طالب علم کے ذہن میں پختہ ہو جائے اور کمال رسوخ کی یہ علامت ہے کہ تنہائی میں اپنے آپ کو تنہا نہ جانے مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ تنہائی میں اس کو کوئی گناہ پیش آئے تو جس طرح لوگوں کے سامنے یہاں تک شرمندہ ہوتا ہے کہ اُسے گناہ کی طاقت نہیں رہتی اور اس کے اعضاء گناہ کی طرف چلنے سے بخود بخود رک جاتے ہیں اور سست ہو جاتے ہیں اسی طرح اللہ جل شانہٗ کے قرب اور معیت کے لحاظ کا اثر اس میں ظاہر ہونا چاہیئے اور دوسرے کے سامنے گناہ کے قصد سے جو رکاوٹ پیش آئے اور اس دوسرے شخص کے حال کے موافق کمالی اور نقصان میں درجے مختلف ہوتے ہیں مثلاً بازاری تماشا آدمی پیش آوے اور انسان کو گناہ کرنے سے روکے یا باپ یا استاد یا مرشد یا طاقتور عادل انتقام لینے والا بادشاہ آجائے اور اس کی وجہ سے رکاوٹ پیش آوے پس ہر شخص جانتا ہے کہ پہلی اور دوسری صورت میں فرق ہوگا بلکہ باپ سے اور طرح کی رکاوٹ ہوگی اور استاد سے اور طرح کی وعلیٰ ہذا القیاس پس اللہ تعالیٰ سے کس قدر شرم چاہیئے جو وجوہ عنایات اور کمالات کو جامع ہے اور مخلوقات کے وصفوں کو اس کی وصفوں سے ہرگز کچھ نسبت نہیں اگر باپ کی عنایت سے شرمندہ ہوتا ہے تو اس کی عنایت کا کچھ ٹھکانا نہیں اور اگر استاد یا مرشد کی تعظیم گناہ کرنے سے روکتی ہے تو اس کی تعظیم کا قیاس کرنا چاہیئے اور اگر بادشاہ کی ہیبت گناہ سے مانع ہوتی ہے۔ پس سچے بادشاہ عادل مطلق کی ہیبت کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس ظاہری بادشاہ سے اس کو کیا نسبت ہے وعلیٰ ہذا القیاس اگر جنگل اور میدان ہو تو اپنے آپ کو تنہا نہ جانے اور اگر عبادت کی خلوت میں ہو تو اپنے محبوب اور مطلوب کو اپنی آنکھوں کے سامنے بلکہ تمام چیزوں سے زیادہ قریب سمجھ کر سراسر انست والفت ہی معلوم کرے اور وحشت اور بیگانگی کا کچھ اثر معلوم نہ کرے جب یہ آثار مترتب ہوں تو معیت کے معنوں کے حصول کا شکر ادا کرے اور یہ معیت اس وقت ولایت کبریٰ کی علامت ہوگی کہ اس دائرے کا نور دونوں مذکورہ دائروں کی نسبت صفائی میں بہت ہی زیادہ

ف یعنی اللہ تعالیٰ کی۔

اس کے ہمراہ ہو اور اصلیت یہ ہے کہ مختلف رنگوں والے نور ذات پاک کا حجاب ہیں ان کا طے کرنا ضروری ہے پس شغل کے کمال اور اس کی خوبی اور دائروں کی تفاوت اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں قرب اور عزت کے موافق یہ حجاب طے ہوتے رہیں۔ ایک دائرے میں کم اور دوسرے میں زیادہ یہاں تک کہ ذات بحت کے ادراک تک پہنچ جاتا ہے دوسرے دائروں میں محبت وغیرہ کے ساتھ اقربیت کے لحاظ کی مانند دائرے کے آثار کا ظاہر ہو۔ جس کے آثار پہلے بیان کے بموجب واضح ہو جاتے ہیں اس دائرے میں اکمال نہیں گو ان آثار کا حاصل ہونا نہایت ہی عجیب اور مرغوب کمال ہے۔ لیکن اس ولایت کا معنی جو سلوک کا مقصود ہے انوار دوائر کے انکشاف کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا اور دائرے کی حقیقت اپنے کمال تک نہیں پہنچتی پس دوائر کی تکمیل دونوں چیزوں سے ہے اول انوار کا انکشاف دوم قرب و معیت و محبت وغیرہ آثار کا حاصل ہونا اور ہر دائرہ کا صاحب اپنی عزت اور سعی کے موافق کامیاب ہو سکتا ہے لیکن نچلے دائرے والا بلند دائرے والے کی طرح اپنے مطلوب پر فائض نہیں ہو سکتا مثلاً اگرچہ صاحب دائرہ قلبی اپنے کسی مطلب کو پہنچتا ہے لیکن جس طرح دائرہ محبت والا کامیاب ہوتا ہے دائرہ قلبی والا کامیاب نہ ہوگا اس کے بعد یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ[1] یعنی ذات پاک کے ساتھ اپنی محبت اور اپنے ساتھ اس کی محبت کا مراقبہ ہے اور اس موقع پر اڑھائی دائرے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت کے تین مرتبے ہیں اول ابتدائی مرتبہ جو آدمیوں کے درمیان دوستی اور آشنائی کے جا بجا ہے ابتدائی محبت میں محب اپنے فائدے اور محبوب کی رضا اور خوشنودی دونوں باتوں کا لحاظ کرتا ہے اور اپنی اور محبوب کی جانب کی پاس خاطر نہیں چھوڑتا اور یہ پہلا دائرہ ہے اور جب محبت نے ترقی کی اور محب کی جوجب نیست اور فنا ہونے لگی پہلا دائرہ ختم اور دوسرا دائرہ شروع ہو گیا اور اس دائرے میں اپنے آپ بلکہ تمام مخلوقات پر جانب حق کی ترجیح پیدا ہو جائے گی لیکن اس ترجیح سے وہ عقلی علمی ترجیح مراد نہیں کہ نفع ونقصان کا موازنہ کر کے اور سمجھ کر ترجیح دیگا بلکہ وہ ترجیح مراد ہے کہ اس کے اندر دل سے فوارے کی مانند جوش مارتی ہے اور جب نیستی اور فنا اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ گئی اور محب

---

[1] وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اسے دوست رکھتے ہیں۔

کی جانب سے کوئی نشان نہ رہا تو دوسرا دائرہ ختم ہوا اور قوس شروع ہوئی اور اس کا نام یہ قوس اس واسطے ہے کہ نصف ثانی یعنی محب کی جانب وہاں بالکل نہیں ہے جب تک قوس کی ابتداء ہے جانب کا خیال منسیاً منسیاً ہو جائے گا پھر قوس محبت پوری ہو جائے گی اور اسی میں فناء الفناء کا مقام حاصل ہوتا ہے بعد ازاں اسم الظاہرؔ کا مراقبہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ظاہرؔ اور باطنؔ اللہ تعالیٰ کے دو نام ہیں اور ہر نام کے بے شمار مظہر ہیں۔ اور ہر نام کا مصداق اس کی پاک ذات میں موجود ہے جس قدر عارف زیادہ دقیق ہوگا مظاہر کی شناخت زیادہ کمال کو پہنچے گی اور اس کی پاک ذات میں مصداقوں کا امتیاز بہتر اور زیادہ کامل ہوگا اور تمام جہان اور اجسام اور وہ افعال اور احکام جو تکوین اور تشریع میں ظاہر ہوئے ہیں اسم ظاہر کے مظہر ہیں اور جو کارخانے اس کی رزاقیت سے متعلق ہیں اسی کے ظاہر میں سے ایک مظہر ہیں اور اسی طرح کتاب کے نازل کرنے اور رسولوں کے بھیجنے وغیرہ کے جو کارخانے ہدایت کی شان سے متعلق ہیں دوسرا مظہر ہیں اور ایسا ہی ابلیس سے لیکر سر دو سرائی تک لوگوں کو گمراہ کرنے کے کارخانے۔ اور اسی طرح دو اور مظہر یعنی ثواب اور عذاب بہشت اور دوزخ وغیرہ کہ پہلے دونوں مظہروں پر مترتب ہوتے ہیں بالجملہ اسم ظاہرؔ کے مظاہرہ کا لحاظ کر کے ان بے شمار عوالم ظہور کی جہت سے اس مبارک اسم کے مسمّٰی اس کی پاک ذات کا لحاظ کرے۔ اور یہ نہ جانے کہ یہ ملاحظہ ممکن نہیں بلکہ اجمالی طور پر نہایت ہی سہل اور آسان ہے اور جب بصیرت کی آنکھ زیادہ تیز ہوگی اس کی تیزی کے موافق تفصیلی ملاحظہ بھی زیادہ آسان ہو جائے گا اور اسی دقیقہ کے باعث اس صیغہ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَ خَلْقِهٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ زِنَةَ عَرْشِهٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ کے ساتھ عارف کی تسبیح غیر عارف کے ہزار ہا مرتبہ تسبیح کہنے کے برابر بلکہ بہت زیادہ ہو جاتی ہے اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ جب صیغہ مذکور کے ساتھ تسبیح کہنے والا وسیع المعرفت عارف ہو اور اس کا لحاظ تمام خلق کو گھیرے اپنے لحاظ مطابق ثواب کا مستحق ہوگا۔ غیر عارف کے برخلاف کہ اس کے لحاظ کو کچھ وسعت نہیں بالجملہ جس طرح چاہیئے اس مراقبہ کا شغل کرے اور جب اس مراقبہ کے فیوض کے موارد کہ بالذات تو لطیفہ نفس ہے اور بالتبع باقی لطائف

ہیں اس کے فیوض سے کما ینبغی فیض حاصل کر لیں گے اس مراقبہ کے آثار ظاہر ہو جائیں گے اور منجملہ اس کے آثار ایک اثر فنائے نفس ہے یعنی نفس اپنے آپ اور اپنے افعال سے بے خبر ہو جائے گا اور اس کے اخلاق سدھر جائیں گے یعنی اس کی بد عادتیں نیک عادتوں سے تبدیل ہو جائیں گی اور اس مراقبہ کے فیوض کے ورود میں نفس کے مستقل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقل اسم ظاہرؒ کے مظاہر کا ادراک کر سکتی ہے برخلاف اسم باطنؒ کے اس کے ظاہر کے ادراک میں الہام اور کشف کے سوا اور کوئی راستہ نہیں اور نیز چونکہ لطیفہ نفس کا محل یعنی عقل اور ادراک کا محل ہے اسی واسطے اس لطیفہ کو اسم ظاہر کے لطیفے کے فیوض کے ساتھ زیادہ اختصاص حاصل ہو گیا ہے اور ان آثار کی ترتیب کا یہ سبب ہے کہ اس مراقبہ کی وجہ سے تمام حرکات و سکنات اور اسباب اور مسببات کا صدور اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کی طرف سے اس طرح اس کے دل میں منقش ہو گا کہ کسی ایک تاثیر سے بھی اس کو غفلت نہ ہو گی۔ اور امید اور خوف اور محبت صرف اسی پاک ذات سے متعلق ہو جائیں گے اور سالک کی نظر میں اس کے غیر کا کچھ اعتبار نہ رہے گا اور غیر کو اسی طرح آلہ سمجھے گا جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم ایک آلہ ہے۔ پس عالی ہمت کریم الطبع کے لئے تو صرف اس پاک ذات کی محبت اور الفت کی وجہ سے جو کوئی اس قدر کمالات کے ظہور کا باعث ہے آثار مذکور پورے کے پورے مترتب ہو جائیں گے اور جو شخص علو ہمت اور کرامت طبع میں ادنیٰ مرتبہ پر ہے اس کو بعض آثار محبت کی وجہ سے اور بعض آثار خوف کی وجہ سے حاصل ہوں گے اور بالآخر وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ایک اپنے مقصود پر کامیاب ہو گا اور یہ دائرہ بھی اسی وقت پورا ہو گا جب کہ آثار کے ظاہر ہونے کے سوا انوار میں بھی کما ینبغی ترقیاں ظاہر ہوں جیسے پہلے مفصل طور پر بیان ہو چکا ہے اور اگر یہ دائرہ محبت کے دو دائرے سے مقدم ہوتا تو بہت بہتر ہوتا اس لئے کہ یہ دائرہ محبت کے دائروں میں بڑی امداد دیتا ہے بلکہ حسن ترتیب اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ دائرہ محبت کے دائروں پر مقدم ہو پھر اسم الباطنؒ کی سیر کرنی چاہئے اس کا بیان یہ ہے کہ ان ہی ظاہری چیزوں کا باطن ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسم وہ باطن سے فیض حاصل کر رہا ہے اور اس کی مثال باد شاہت کا انتظام ہے جو کہ نہایت

ظاہر ہے اور اس کا باطن بادشاہ کی عقل اور تدبیر ہے پس چاہیے کہ اپنی سمجھ کے مطابق
بطون کے مظاہر کو معلوم کرکے ان مظاہر میں اسم "باطن" کے اثر کے اعتبار سے اس کے
مسمّٰی کا مراقبہ کرے اور اس ولایت کو ولایت علیا کہتے ہیں اس لئے کہ یہ ملاء اعلیٰ کی ولایت
ہے اور ملاء اعلیٰ سے وہ فرشتے مراد ہیں جو امر کی تدبیر کرنے والے اور احکام الٰہیہ کے اخذ کرنے
والے ہیں جو حکم نافذ ہوتا ہے پہلے وہ اس کو اخذ کرتے ہیں پھر جہان میں ظاہر ہوتا ہے اور
وہ تمام عوالم اجسام اور ان ارواح کا باطن ہیں جو اجسام کے مدبر ہیں اسی واسطے ان کے
کمال کو اسم الباطن سے تعلق ہے اور جسم انسانی سے اس مراقبہ کے فیض کا مورد آگ اور
پانی اور ہوا ہے کیونکہ یہ تینوں عنصر انسانی جسم میں باطن ہیں اور مٹی ظاہر ہے اسی جہت سے یہ
تینوں اسی کے فیض کا مورد ہیں اور صدور آثار میں ان عناصر کا بدل جانا اس کا اثر ہے کیونکہ
آگ اپنی حقیقت سے بدلتی نہیں - بلکہ اپنی طبیعت کے مقتضٰی پر رہتی ہے پس اس کی طبیعت
کا مقتضٰی اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً آگ کا مقتضا غلبہ اور علو ہے جو
کہ انسان میں غرور اور تکبر پیدا کرتی ہے اور کبھی دعویٰ خدائی تک پہنچا دیتا ہے شیطان کو
اسی آگ کا مقتضٰی لعنت کا باعث بنا اور اس کو عظیم الرحمت خدا کی بارگاہ سے بالکل ناامید
کر دیا اور جب اس مراقبہ کے فیض سے مستفیض ہوگی احکام الٰہیہ کی فرمانبرداری میں بلند
ہو جاوے اور ان میں سبقت اور مسارعت کی سعی اس میں پیدا ہو جائے گی اور انسانی اخلاق
میں ہوا کا مقتضٰی حرص اور خواہشیں ہیں اور اس کا بدلنا اس طرح سے ہے کہ حرص اور خواہش
رضیات الٰہیہ کی طرف مشغول ہو جائے اور دنیوی زینت سے منحرف ہو جائے اور انسان میں
پانی کا اثر شستگی اور افتادگی اور تسفل ہے اور اس کی اصلاح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں
سے شکستہ ہو جائے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی درگاہ میں گر پڑے اور رب العزت کی عظمت
کے سامنے پست ہو جائے اور اس سیر میں اسم الباطن کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور یہ سیر بھی اپنے
آثار کے ظاہر ہونے کے باوجود تب ہی تمام ہوگا کہ اسی سیر کے موافق نورانی حجابوں کو
قطع کیا جائے - پھر تجلی ذاتی دائمی کا سیر ہے اور اس کا معنی ظاہر ہے یعنی وہ تجلی جس کا
منشا محض ذات ہے اور دائمی سے یہ غرض ہے کہ یہ تجلی آسمان و زمین کی مانند مستقر رہتا ہے

اگرچہ اس تجلی کے استقرار اور ثبوت میں بے شمار تفاوت ہے لیکن دائمی سے ظاہری معنی کے سوا کوئی اور امر مراد نہیں اور انبیاء اور مرسلین اور اولوالعزم کے کمالات کا ظاہر ہونا اسی تجلی میں منحصر ہے پس اس سیر کے تین درجے ہیں اول اس لحاظ سے کہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا منشا ہے لیکن اس طرح سے علوم ہدایت کا ظاہر ہونا کہ ان میں کسی طرح سے غلطی واقع نہ ہو سکے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں یہ بات ہمیشہ حتیٰ کہ خواب میں بھی موجود ہوتی ہے کیونکہ انکا وجود باوجود فیض کا منبع ہوتا ہے اور اگرچہ ان کو خبر نہ ہو لوگوں کو ان کے منافع پہنچتے رہتے ہیں۔

پس ان کا وجود چراغ کی مانند ہے کہ اس کی روشنی سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں گو چراغ کو خبر نہیں ہوتی۔ پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ اپنے کام میں ہیں اسی واسطے ان کے فیوض تجلی ذاتی دائمی سے متعلق ہیں فرشتوں کے برخلاف کہ وہ ہمیشہ ایک کام میں مستغرق نہیں رہتے بلکہ حکم اور فرمان پہنچنے کے وقت کام بجالاتے ہیں پھر بے کار اور منتظر اور مستعد رہتے ہیں اسی واسطے ملائکہ کے کمالات کا منشا تجلی ذاتی دائمی نہیں ہوتی۔ اور وہ انوار تجلیات جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے ثمرات ہیں اس میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس سیر کے تجلی کا مورد دو وجہ سے خاک کا عنصر ہے اوّل یہ کہ استقرار اور ثبات مٹی کی خاصیت ہے اس لئے اس سیر کے مناسب ہے۔ دوم یہ کہ اس تجلی میں ظہور کے معنی ہیں۔ کیونکہ اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ سارا جہان تجلی ذاتی دائمی سے ہے اور عالم کا ظہور ظاہر ہے اور عالم کے ظہور سے اس تجلی کا ظہور سمجھ لینا چاہئے اور انسان میں مٹی کا عنصر بھی ظاہر ہے اور انسان میں تواضع اور فروتنی کا پیدا ہو جانا مٹی کے عنصر میں اس سیر کے فیض کے ظہور کا اثر ہے اپنے مالک کے سامنے تواضع اور فروتنی کرنا اور اس کے حکم کو قبول کرنے سے سرکشی نہ کرنا اس سے مقصود ہے اگرچہ اپنے مالک کے احکام کی بجاآوری میں اس کے دشمن پر ایک قسم کی تعلی پائی جائے اور جو پستی پامالی کی وجہ سے ہے وہ اس تواضع کا غیر ہے کیونکہ تسفل میں مطلقاً اپنی پستی ہوتی ہے اور تواضع کا یہ معنی ہے کہ دوسرے کے سامنے اپنے بازو کو پست کرے پس تواضع ہر وقت نہیں ایک جدید امر ہے جو پیش آتا ہے تسفل کے برخلاف کیونکہ یہ ایک ایسا امر ہے جو ہمیشہ ساتھ لگا رہتا ہے کبھی جدا نہیں ہوتا اور جس طرح پہلے بیان ہو چکا

ہے ان آثار کے ظہور کا امتیاز کرنا چاہئے اس لئے کہ کبھی عقلمند انسان صفات نفسانیہ میں سے کسی ایک صفت کے تصور کو اس کا حصول سمجھنے لگ جاتا ہے اور جو گفتگو کہ ایک فلسفی حکیم اور کامل عارف کے درمیان جاری ہوئی ہے اس امر کے بیان کرنے کے لئے ایک پوری مثال ہے منقول ہے کہ ایک فلسفی حکیم اور ایک کامل کی آپس میں ملاقات ہوئی ملاقات کے بعد ایک شخص غائبانہ عارف سے حکیم کا حال پوچھا عارف نے فرمایا کہ اس میں اخلاق نہیں اور یہ بات کسی نے حکیم کو پہنچائی حکیم نے اخلاق کی توضیح میں ایک سنہری اور عمدہ کتاب تالیف کر کے عارف کی خدمت میں بھیجدی۔

عارف نے فرمایا کہ میں نے تو کہا ہے کہ اس میں اخلاق نہیں یہ نہیں کہا کہ وہ اخلاق جانتا نہیں۔ پس اس نے جان لیا کہ اخلاق کا علم اور چیز ہے اور اس کا حاصل ہونا اور چیز اور کبھی عبادت کی وجہ سے اور کبھی نفسانی دھوکے سے اور کبھی شیطانی مکر سے کمالات کا تصور ان کے حاصل ہونے سے مشتبہ ہو جاتا ہے اور انسان جہل مرکب کی لاعلاج بیماری میں رہتا ہے اور یہ بے نصیبی کی صریح علامت ہے اور حصول وہی معتبر ہے جو تہ دل سے جوش مارتا ہے وہ نہیں جو زور کے ساتھ اپنے اوپر باندھ لیا جائے اور اس سیر کے پورا کرنے کے واسطے جس طرح کئی بار مذکور ہو چکا ہے انوار کا تبدل ضروری ہے اور اس تجلی کے سیر کا دوسرا درجہ منشا کمالات رسالت ہے رسولوں کے خصائص کو سمجھ کر اس کے منشا کی طرف انتقال کرے اور منشا ہونے کی وجہ سے حضرت ذات کا مراقبہ کرے مخلوقات اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وساطت اور ایلچی گری کے ظہور سے رسالت اور نبوت میں امتیاز ہو سکتا ہے اور ناصح اور واعظ ہونا اور حجتوں اور دلیلوں کے بیان کرنے میں بہت کوشش کرنا اور معجزات کا قائم کرنا اور مناظرہ اور مخاصمہ اور مقابلہ کرنا انبیاء کے برخلاف رسولوں کو لازم ہے کیونکہ انبیاء کو مقابلہ کرنا لازم نہیں۔ اور مرسل الیہ کے حق میں رسول کا قول معتبر ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ معتبر اور سچے ایلچی کو جب کسی قوم کی طرف بھیجتے ہیں اس قوم کی فرمانبرداری کرنے یا نہ کرنے میں اس کی بات مقبول ہوتی ہے اور کمالات اولو العزم کا منشا ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرنا اس تجلی کی سیر کا

تیسرا درجہ ہے کفار کے ہلاک کرنے اور مومنوں کی اصلاح کے بارہ میں قوی ہمت کی بجا آوری کے ساتھ باقی رسولوں سے اولوالعزم کا امتیاز ہو سکتا ہے پس کفار کے ہلاک کرنے میں رسولوں میں سے اولوالعزم کی قوی ہمت کو بڑا بھاری دخل ہے رسول تو صرف امت کا حال ظاہر کرتے ہیں اور کفار کے ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ کے قہر یہ ارادے کے لیے اعضائے انسانی کے جا بجا نہیں ہوتے اور اولوالعزم ملائکہ کی مانند عضو کے قائم مقام ہوتے ہیں اور عضو کے قائم مقام ہونے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں اول آنکہ فرشتے اور اولوالعزم رسول وساطت میں برابر ہوں دوم آنکہ فرشتے مستقل ہوں اور رسول تابع سوم اس کے برعکس یعنی رسول مستقل ہوں اور فرشتے تابع اور تیسری صورت ایک بڑا درجہ ہے جو جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص ہے اور اس کا ظہور جیسا کہ چاہیے بدر کے دن ہوا اور صحابہ میں سے حاضرین بدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کی طفیل اس خاصیت سے بڑا حصہ ملا ہے بالجملہ انبیاء میں سے رسولوں کا امتیاز اور رسولوں میں سے اولوالعزم کا امتیاز اس سیر کے مراقبے اور اس کے آثار حاصل ہونے کے واسطے ضروری امر ہے اور آثار کے حاصل ہونے میں کلام کا وہ خلاصہ جو ہر مقام کی سیر کے منتہا تک پہنچنے کی دلیل ہو یہ ہے کہ اس موقع پر تین امور کا ہونا ضروری ہے۔ اول انوار کا بدلنا جو مکرر سہ کرر مذکور ہوا دوم صفات کا بدلنا چنانچہ یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے اور تازہ یہ ہے کہ جس صفت اور شان میں مراقبہ کیا جائے اسی صفت اور شان میں سے کسی حصہ کا حاصل ہونا بھی تبدل صفات میں سے ہے پس کمالات نبوت کا منشا ہونے کے لحاظ سے جو شخص ذات کا مراقبہ کریگا اس کو نبوت کے معانی میں سے کسی معنی پر ضرور کامیاب کر دینگے اس کا ادنیٰ درجہ نیک خوابیں ہیں اور اسی طرح دوسرے درجہ میں رسالت کا معنی اس پر فائز ہوگا اور غافلوں اور جاہلوں اور سرکشوں کے سمجھانے اور پڑھانے اور مناظرے کا اس کو الہام کیا جائے گا اور تیسرے درجہ سے نافرمانوں اور سرکشوں کے ہلاک کرنے اور مطیعوں اور مخلصوں کے انعام اور اکرام کے بارہ میں اس کو قوی ہمت بخشیں گے اور اس مدعا کو عام طور پر اس طرح جاننا چاہیے کہ اسرار الٰہی میں

سے جس اسم کا مراقبہ کریگا اسی سے کچھ پائے گا۔ جو شخص اس کی رزاقیت کا مراقبہ کریگا اور اس مراقبہ کو کمال تک پہونچائے گا رزاقیت کی کچھ شان اس میں جلوہ گر ہو جائے گی اس کریم مطلق کی بے نہایت مہربانی اس کا باعث ہے کہ کرام کی عادت ہے کہ جو شخص مثلاً کھانا کھانے کے وقت ان کے سامنے جائے اور طمع کی آنکھ اس پر لگائے البتہ اس کو ایک لقمہ دیں گے اور اسی مثال سے اس کلام کے مقصود تک پہنچ سکتے ہیں یعنی جو شخص مثلاً اسم محی کا مراقبہ کریگا گویا اس کی شان احیا کے سامنے جا کھڑا ہوا ہے پس حق سبحانہ وتعالیٰ کے کرم کا مقتضا یہ ہے کہ شان احیا سے کچھ اثر اس شخص کو بخشے۔ سوم اللہ جل شانہ کی خاص عنایت اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ جب خاص بندہ خدا تعالیٰ کے کسی کام کو خوبی سے سرانجام دیتا ہے دو چیز کا مستحق ہو جاتا ہے ایک ثواب دوسرا انعام۔ ثواب اگرچہ بے حساب ہو لیکن مزدوری کی جا بجا اور اس کام کا نتیجہ اور اس کے مناسب ہے اور انعام خلعت فاخرہ کے قائم مقام ہے رضائے مولا جس کا سبب ہے جب انسان اس سے کامیاب ہوتا ہے کما حقہ دونوں کا امتیاز کر لیتا ہے مستجاب الدعوات ہونا اور ملاء اعلیٰ میں عزت پانا انعام کی مثال ہے اور وہ انعام ایسی چیز ہوتا ہے جو ہر کام میں کارآمد ہوتا ہے بہشت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار انعام ہے۔ اور حور و قصور و غلمان اجرت اور مزدوری ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ اور روایت صحیحہ کے بموجب زیادتی سے دیدار خداوندی مراد ہے اور انسان کی ہیئت مجموعی ان اخیر کے دو درجوں کے فیض کا مورد ہے اس فیض کے ورود میں کسی عنصر اور لطیفہ کو خصوصیت نہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ جامعیت کے لحاظ سے رسولوں اور اولوالعزم کے کمالات کا منتہیٰ ذات پاک ہے اور انسان کی تمام اجزاء کی اصلاح ان کمالات کے صاحبوں کا اصل مقصود ہے اسی لئے ان دونوں درجوں کے فیض کا محل ورود مجموعی ہیئت ہوتی ہے پھر حقیقت کعبہ کے ظہور کے اعتبار سے حضرت ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے حضرت ذات کا تمام مخلوق کے واسطے مسجود ہونا کعبہ کی حقیقت ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے اور حقانیت کی وجہ سے معظم ہونا اس مراقبہ کا اثر ہے اہل حق اس

---

لہ یعنی سخی اور فیاض لوگوں کی ۱۲

سیر والے کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا باعث جانتے ہیں اسی واسطے بعض اصحابہؓ کے خیال میں گزرا تھا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہیے اور حضرت آدم صفی اللہ صلوات اللہ علی نبینا وعلیہ تمام ملائکہ کے مسجود اور قبلہ بنے اور حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے بزرگوں یعنی والدین اور بڑے بھائیوں نے سجدہ کیا پھر حضرت ذات سے حقیقت قرآنی کے ظاہر ہونے کے اعتبار سے اس کا مراقبہ کیا جاتا ہے اور اس کی بیچونی کی وسعت کا مبدا اس کا منشا ر ہے پہلے وسعت بیچونی کا تصور کرنا چاہیئے اور اس کا طریق یہ ہے کہ ظہور افعال کے اعتبار یا کسی طرز سے ذات پاک کی وسعت کو ذہن نشین کریں۔ لیکن ظہور افعال کے اعتبار سے اس طرح ملاحظہ کریں کہ ہر حرکت کے بیچھے جو جہانوں میں ہوتی ہے حقیقت میں محرک وہی ہے پس اگر چیونٹی کا پاؤں ہلتا ہے تو اس کے ہلانے سے ہلتا ہے اور اگر فلک الافلاک گردش کرتا ہے تو اسی کے حرکت دینے سے گردش کرتا ہے اور اگر ہم اس کی تحریک کا طریق اور سبیل دریافت کرنا چاہیں تو بیچون اور بیچگون کہنے اور لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کے پڑھ دینے کے سوا کوئی امر معلوم نہیں ہوتا پس جس طرح کہ اس کے افعال میں ایسی وسعت ہے کہ اس نے تمام جہان کو گھیرا ہوا ہے اسیطرح اس کی بیچونی اور بیچگونی کو بھی سمجھنا چاہیئے اور یہ بیان اس کی بیچونی کی بہ نسبت بہت تھوڑا ہے پھر کلام بیچون کی وسعت کو پہچاننا چاہیئے اس لحاظ سے کہ کلام ہر چیز کو بیان کرتی ہے اس میں اس قدر وسعت ہے کہ معدومات اور موجودات سب اس میں سما جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ خواص محکی عنہ کا اثر اس میں پایا جاتا ہے اس کو بیچون کہہ سکتے ہیں اور حقائق عالم پر مشتمل ہونے اور مہیمن ہونے کے باعث قرآن شریف میں بے نہایت لمبی چوڑی وسعت ہے انسانی علم کو اس کے منتہیٰ تک پہنچنا محال ہے اور چونکہ ازلی حقیقت کا ظہور اسی سے ہے اس لئے بیچون ہے اور اس کی بیچونی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ عرب کے مستعملہ حروف اور کلمات سے اس کے مرکب ہونے کے باوجود اس جیسے ایک جملہ کی ترکیب غیر خدا سے نہیں ہو سکتی اور اس کا باعث یہ ہے کہ اس کلام کی ترکیب میں بیچوں ذات نے ایسا بیچون امر امانت رکھا ہے کہ ہزاروں فصیح و بلیغ اس کی کنہ کو پہنچ نہیں سکتے اور انسان جو کہ خاص

صفت کلام کا مظہر ہے اور آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی صفت کی وجہ سے تمام ملائکہ کے معزز ہوئے جب غیر خدا اس جیسے ایک جملہ کی ترکیب سے عاجز ہو گیا تو اس کے غیر سے اس کا سرانجام ہرگز نہ ہو سکے گا پھر قرآن مجید کی مبدئیت کو معلوم کرنا چاہئے اور اگرچہ قرآن مجید غایات اور نہایات پر مشتمل ہے لیکن قرآن مجید کے سوا معرفت کے شروع کی کوئی سبیل نہیں مثلاً بخشی گری اور وزارت اور امارت اور ان کے سوا بادشاہی کے تمام عہدوں کا مبدا نوکری ہے پس یہی نوکری وزارت ہوتی ہے اور یہی نوکری خدمتگاری ہوتی ہے اسی طرح قرآن مجید میں وسعت بیچون کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی اسی واسطے مبدا ہونے کے لائق ہے۔ جب تینوں باتیں ذہن نشین ہو گئیں تو وسعت بیچونی کے مبدا کا معنی جو کہ حقیقت قرآنی کا منشاء ہے سمجھ میں آ گیا پس وسعت بیچونی کے لحاظ سے جو کہ حقیقت قرآنی کا منشاء ہے مراقبہ ذات کا شغل کرے اور اپنے آپ میں آثار کے ظاہر ہونے اور انوار کے بدلنے کو معلوم کر کے کمال وسعت بیچون کا طالب ہونا چاہئے اور اس سیر کے آثار میں سے وہ صفائی اور نزاہت ہے جو اس سر میں پہنچنے والا اپنے آپ میں پاتا ہے اور وہ بیچون اور کمال وسعت بیچونی کے مناسب صفائی طرح طرح کی نیاز اور قسم قسم کی تعظیم کی حقیقت کا منشاء کہ نماز ان سب کو جمع کرنے والی ہے کمال مذکور کی طرف اشارہ کرتی ہے حقیقت قرآن کی منشا ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرنے کے بعد حقیقت صلوٰۃ کا منشا ہونے کے لحاظ سے مراقبہ کرے اور مراقبہ کرنے والی کی نہایت صفائی اور پاکیزگی اس کا اثر ہے پس بول اور پاخانہ کی مانند ظاہری نجاستوں کے ساتھ عین آلودہ ہونے کے وقت اپنے آپ میں صفائی اور ستھرائی معلوم کرتا ہے اس کے بعد ارکان نماز میں مسجودیت معتقدہ سے قطع نظر محض معبودیت کا مراقبہ ہے اور اس کی تصویر یہ ہے کہ مثلاً اس لحاظ سے نماز کا ادا کرنا معبودیت معتقدہ ہے کہ سچے منعم اور آپ کے حاکم نے ہم پر فرض کی ہے اور اس لحاظ سے کہ اس کی ذات اس تعظیم کی مستحق ہے معبودیت محضہ ہے اور اپنی وہ عظمت اور بزرگی اس کا اثر ہے جو بے وجہ اور بے سبب اپنے آپ میں پائے گا یہ عظمت اس عظمت کے برخلاف ہے جو حقیقت کعبہ کے مقام میں معلوم کی تھی اور اس کے بعد حقیقت ابراہیمی کا منشا ہونیکے

لحاظ سے ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے اور اس میں مجمل بات یہ ہے کہ اپنے کمال کے لحاظ سے ہر کامل کو اپنے ساتھ مونس ہوتا ہے اور اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ صاحب کمال کو کبھی کبھی وحدت میں وحشت پیش آتی ہے اور وہ کامل جب اپنے کمال کا ملاحظہ کرتا ہے بجز اس امر کے کہ عجب پیدا ہو اپنے آپ میں ایک مونس اور رفیق گمان کرتا ہے اور اپنے ساتھ اس طرح مانوس ہوتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ کو اپنے ساتھ انست ہے اور کمال ابراہیمی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے منشاء یعنی حضرت ذات کی اپنی ذات کے ساتھ انسیت کا ملاحظہ کر کے مراقبہ کرے پس اور جب یہ مراقبہ اپنے کمال کو پہنچے گا اس مراقبہ والے میں دوستی کا اثر ہو جائے گا اور جو دوسرے آثار کہ بیان کئے گئے ہیں ہر جگہ جاننے چاہئیں اس کے بعد حقیقت موسویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشاء ہونے کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ ہے اور وہ ذات کی محبیت ہے اور محبیت کو ہر کوئی جانتا ہے مراقبہ محبیت ابتداء میں تو اس لحاظ سے ہوتا ہے کہ سالک خدا تعالیٰ کا محب بن جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سالک کا محب ہوتا ہے اور اس سیر میں ذات کے ساتھ ذات کی محبیت کا مراقبہ ہے اور حقیقت موسویہ یہی ہے اور جاننا چاہئے کہ خلت سے وہ علاقہ مراد ہے جو دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے اور محبیت ایک طرف سے ہوتی ہے لیکن خلت سے زیادہ قوی ہوتی ہے پس خلت اس آشنائی کے جا بجا ہے کہ دونوں آشناؤں میں سے ایک کو دوسرے پر پورا بھروسہ ہوتا ہے اور ہر ایک کی عزت اور وجاہت دوسرے کے دل میں پختہ ہوتی ہے اور بادشاہوں کی برنسبت وزیروں اور امیروں کی مانند یہ خلت عمدہ کاموں کے واسطے بننے کا موجب ہوتی ہے اور محبیت کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ صرف محبیت ہو اور محبوبیت تک نہ پہنچے اور عزت اور وجاہت کے لحاظ سے یہ محبیت خلت کے مرتبہ سے کم ہے اور قرب اور حضور کی ہمیشگی کے لحاظ سے زیادہ ہے جس طرح جو خواص نہایت خیر خواہ اور خدمتگاری میں دل سوز ہوتا ہے امیر کبیر کی برنسبت اس کا قرب زیادہ ہو گا دوسری وہ محبیت جو محبیت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر محبوبیت کی سرحد تک پہنچ جائے لیکن محبوبیت تک نہ پہنچے اگر اس مقام سے جو محبیت کا منتہا ہے آگے بڑھ کر محبوبیت تک پہنچ گیا تو یہ محبیت فی الجملہ خلت بھی ہے تیسری وہ محبیت جو محبوبیت تک پہنچ جائے یہ بیشک خلت سے بہت بلند ہے اور جس طرح کہ ابھی آئے گا حقیقت

محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا منشا ہے چونکہ اس جگہ مراتب ولایت کا بیان ہو رہا ہے اور ولایت کا مدار قرب اور دوام حضور پر ہے اور یہ بات محبیت میں خلت سے زیادہ ہے اگرچہ کاموں کے سرانجام اور بڑے بڑے کاموں کا واسطہ ہونے میں خلت زیادہ ہے اسی واسطے اس سلسلہ کے بزرگواروں نے محبیت کو خلت کے پیچھے رکھا ہے اگر محبیت کے مقدم ہونے کی یہ وجہ نہ ہو تو دراصل حقیقت ابراہیمی حقیقت موسویہ سے افضل ہے اس کے بعد اس ملی ہوئی محبیت اور محبوبیت کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ کیا جاتا ہے جو حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا منشا ہے اس کے بعد محبیت کی ملاوٹ کے سوا محض محبوبیت کے لحاظ سے حضرت ذات کا مراقبہ ہے جو حقیقت احمدیہ ہے اس کے بعد صرف حب کا مراقبہ ہے جس کو محب یا محبوب سے کچھ تعلق نہیں اس کے بعد اس لحاظ سے لاتعین کا مراقبہ کیا جاتا ہے کہ اس کی پاک ذات کا ایسا مرتبہ ہے کہ سب تعبیریں اس سے نیچے ہیں کوئی تعبیر اور بیان اس کو نہیں پہنچتا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

## تکملہ راہ ولایت کے سلوک ثانی کے بیان میں

### اور اس میں ایک تمہید اور ایک مقصد ہے

تمہید۔ بے سمجھ طالب جب معرفت ذات کے مقام پر پہنچتے ہیں اور سلوک متعارف کو ختم کر لیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم بھی حضرت غوث الاعظم اور حضرت خواجہ بزرگ نائب رسول اللہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت قطب الاقطاب جناب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور پیشوائے شریعت و طریقت حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی اور حضرت امام ربانی قیوم زمانی حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی وغیرہم قدس اللہ اسرارہم اجمعین جیسے بڑے بڑے اولیاء اللہ کے ہم پایہ اور ہم مقام ہو گئے ہیں اور یہ صریح غلطی اور نہایت ہی برا عقیدہ ہے اس لئے کہ اہل خذلان اور بطلان بھی اس مقام تک تو پہنچ جاتے ہیں اور جب اس مقام میں ان کی رسائی بھی ہوا کرتی ہے تو کس طرح سے اس مرتبہ کو خدا تعالیٰ کی قبولیت کی بارگاہ کے بزرگواروں اور اس کی عنایت کے ملکوں کے بادشاہوں کے کمال کا منتہیٰ سمجھ سکتے ہیں۔ شعر

وَسَوْفَ تَرٰی اِذَا انْکَشَفَ الْغُبَارُ　　اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِکَ اَمْ حِمَارٌ

لہ اور عنقریب دیکھ لے گا جب غبار اٹھ گیا۔ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ گھوڑے پر سوار ہے یا گدھے پر۔

اگرچہ جس طرح سلوک متعارف اس کتاب میں لکھا گیا ہے اہل خذلان اور بطلان کو اس میں رسائی نہیں۔ اس لئے کہ اس کے اکثر اشغال آداب شرعیہ اور تعظیم شرع شریف سے ملائے گئے ہیں لیکن اس جگہ آداب شرعیہ کے ملانے سے قطع نظر محض ان اشغال کا حال بیان کرنا مقصود ہے پس اصلیت یہ ہے کہ بیشک معرفت ذات تک وصول حاصل ہو گیا لیکن رد اور قبول اس وصول کے سوا دوسری چیز ہے مردودانِ درگاہ الٰہی کو اس مقام تک پہنچا دینا اس کے قائم مقام ہے کہ ایک ڈاکو بڑی کوشش کر کے بادشاہی قلعہ میں پہنچ جائے اگر اپنے جرم سے توبہ نہ کی تو قریب ہے کہ بادشاہی غضب میں گرفتار ہو جائے اور سلطانی حکم کے مقابل میں جو بغاوت اور سرکشی اس نے کی ہے اس کے نائل ہونے کا اثر عدالت سلطانی کے محکمے میں ثابت نہ ہو۔ اس بے دین طالب کا یہی حال ہے جو معرفت ذات تک پہنچ گیا ہے۔ ہاں شریعت کے پابند طالب کے حق میں یہ ایک بڑی چیز ہے کہ در اصل ترقی اور کمال کا آغاز اسی مقام سے ہوتا ہے اور یہ مرتبہ ابجد خوانی کے جا بجا ہے اور جو مرتبے ابتدا سے یہاں تک ذکر کئے گئے ہیں مطلوب اور مقصود کمال میں گنے نہیں جا سکتے اور اس امر کی حقیقت اس مثال کے ضمن میں جو آئندہ افادے کے ضمن میں ہے انشاء اللہ تعالیٰ اچھی طرح سے واضح ہو جائیگی پس ضرور اللہ تعالیٰ کی مقبولیت کی بارگاہ کے بزرگوں کے لیے متعارف سلوک کے سوا اور ترقیاں اور مقام ہیں کہ جنہی وجہ سے مقبولانِ حق کے زمرے سے ہو گئے ہیں بلکہ ان کے ممتاز ہونے کے باعث باقی مقبولوں سے انہوں نے امتیاز حاصل کیا ہے پس ان ہی ترقیوں کو ہم سلوک ثانی کہتے ہیں اور صوفیہ کی زبان سے جو القاب ان مقامات کے واسطے مقرر ہیں انکا منتہی قطب ارشاد ہے جو رحمت الٰہی کے افاضے کا واسطہ ہوتا ہے جو کچھ پہنچتا ہے اسی کے ذریعے پہنچتا ہے اور اکثر ناواقف جو سلوک اول ثانی میں تمیز نہیں کرتے بلکہ سلوک ثانی سے بالکل بے خبر ہیں جانتے ہیں کہ سلوک اول کے تمام ہوتے ہی کمال تمام ہو جاتا ہے۔ اور یہ نہیں جانتے کہ پہلے کی انتہا اس دوسرے سلوک کی ابتدا ہے جو اصلی مقصود ہے اور کبھی بارگاہِ الٰہی کے بعض مقبول سلوک اول میں سیر کرنے کے بغیر ہی سلوک ثانی کے مدارج بلند ہمت اور سرفراز ہو جاتے ہیں۔ اس کا نمونہ یہ ہے کہ ایک صاحب عقل اور صاحب ہمت شخص کو

جو بادشاہ کے حضور سے دور ہے بادشاہی احکام پہنچے اور اس نے اس احکام کی بجا آوری میں اس طرح کی کوشش کی کہ تمام رعایا اور سپاہیوں میں نمک حلالی اور بارگاہ سلطانی کی فدویت کے لقب سے مشہور ہو کر حضور کے مقبروں میں سے بہت سے لوگوں کا محسود بن گیا ایسے شخص کو جس وقت حضور میسر ہو گیا ایسی عزت اور امتیاز سے کامیاب ہوگا کہ سلوک اول کے سالکوں کو اس کا حاصل ہونا مشکل ہے اور بعض اوقات سلوک اول میں ہی سلوک ثانی کے درجے حاصل ہو جاتے ہیں اور ایسا شخص صوفیوں کی اصطلاح میں سلوک اول کا سالک ہے اور سلوک ثانی کے درجوں کے لحاظ سے اس کا حال اس صاحب عقل اور ہمت کی مانند ہے کہ جس کا تھوڑا سا ماجرا اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے اور شریعت کے بموجب نیت کے اخلاص اور طبیعت کی صفائی اس کا باعث ہے کہ سلوک اول کے اشغال کو محض عبادت اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے جس قدر اس امر میں اس کی نیت زیادہ صاف ہوگی سلوک ثانی کے مدارج بہت جلدی حاصل ہوں گے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال اور اگرچہ سلوک ثانی میں شرع کا مقصود اور قرآن و حدیث کا بیان کیا ہوا ہے لیکن سلوک اول کی طرح ضبط کیا ہوا نہیں لہذا اختصار کے طور پر لکھا جاتا ہے بعون اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ۔

## مقصد راہ ولایت کے دوسرے سلوک کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ ولایت کے رستے میں دو سلوک مترتب ہیں پہلا تو ضبط اور ربط کے ساتھ تدوین کیا ہوا ہے اور دوسرا منضبط نہیں باوجود آنکہ اس سلوک کا منتہیٰ اصلی مقصود ہے ہمیشہ اہل ولایت یہ سلوک کرتے رہے ہیں اور اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں اور سلوک ثانی کے عدم انضباط کی وجہ سے اکثر اوقات ناواقفوں پر دونوں مشتبہ ہو جاتے ہیں اور ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز اور جدا نہیں جانتے لہذا ہر ایک کی تفصیلی تمثیل سن لینی چاہیئے تاکہ آپس میں جدا ہو جائیں اور واضح ہو جائے کہ مقصود اصلی سلوک ثانی پر موقوف ہے پس مقصود کی یہ مثال ہے کہ رعایا میں سے ایک شخص ہے جس کا وطن دار الخلافہ سے دور ہے بادشاہی مرتبوں کے شوق اس کے دل میں جاگزیں ہو گئے ہیں اور اپنی کامیابی کے رستے کو بادشاہ کے حضور میں منحصر جان کر حضور بادشاہی میں پہنچنے کے واسطے کوشش کر رہا ہے

اور اپنے اصل مقصود کو اپنے دل ہی میں پوشیدہ رکھ کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے ہی کو اپنا
اصل مقصود بتلاتا ہے اور بادشاہی حضور میں پہنچنے سے پہلے اپنے اصلی مقصود کو چھپائے رکھتا ہے
اور یا تو اس وجہ سے کہ اس کے اظہار میں کئی فسادوں کے واقع ہونے کا اندیشہ ہے یا
اس واسطے کہ فی الحال اس کے ظاہر کرنے کا کچھ فائدہ نہیں اس کے اظہار سے خاموش
رہتا ہے پس منزل مقصود کی طرف پہنچنے کے لیے سفر تدبیر کریگا اور رفیقان راہ کے حال
اور منزلوں کے نام کی تفتیش کر کے سیدھا رستہ مقرر کر کے اسباب سفر کو جمع کرے گا اور
سامان جمع ہو جانے کے بعد اپنے خویش و اقربا سے رخصت ہو کر وطن اور ملک کو چھوڑ
کر ان کی محبت اپنے دل میں قطع کر کے اور ان سب کو پس پشت ڈال کر رستے کو قطع کرنا
شروع کریگا رستے کے اثنا میں دائیں بائیں شہر اور باغ اور نہریں اور وہ عجائب چیزیں جو
کبھی نہ دیکھی تھیں ظاہر ہوں گی سیر و تماشا یا شہر کے باشندوں کا حال دریافت کرنے یا سفر
کا تجربہ حاصل کرنے یا ان ہی جیسی کسی اور غرض کے واسطے سیدھے رستے سے پھر کر مسافت
کے بڑھ جانے کو اپنے دل میں گوارا کر لیا - اور یہ بھی دور نہیں کہ اب سیر و تماشا میں ایسا
مشغول ہو جائے کہ اپنے مقصود کو بھلا ہی دیگا یا یادداشت کے باوجود بھی منزل
مقصود تک نہ پہنچے اور اپنی تمام عمر اسی سیر و تماشے میں برباد کر دے اور اتنا تو معلوم ہے
کہ بڑی تکلیف اور بڑی مدت کے گذرنے کے بعد منزل مقصود تک پہنچے گا اور اگر سیدھے
رستے سے نہ پھرا اور منزل بہ منزل راہ راست کو طے کرتا گیا تو البتہ دار الخلافہ کی علامتیں
روز بروز ظاہر ہو کر قرب اور مقصود کے حاصل ہونے کی خوشخبری اس کے کانوں میں
پہنچائیں گے اور جس قدر نزدیک ہوتا گیا فیل خانے اور شتر خانے اور اصطبل اور اچی جیسے
وہ نشان جو دار الخلافہ سے مختص ہیں ظاہر ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ دار الخلافے میں پہنچکر
کسی وجہ سے اپنے مقصود کا وصول کر کے مطمئن ہو گیا۔ اور سفر کی تکلیفوں سے آرام کی طرف
متوجہ ہوا اس کے بعد خاص دیوان میں پہنچکر اس کو بادشاہی اقبال اور بندگی کی شان و شوکت
کے موافق دیکھکر سلطنت کی حقیقت کا بیان کنندہ معلوم کیا اور من وجہ بادشاہ کے حضور
سے کامیاب ہو گیا پھر بادشاہ کے حضور میں پہنچکر اپنے ظاہری پہلے مقصود کو پہنچکر اصلی

دوسرے مطلوب کے حاصل ہونے کے طریق کی تجسس اور تلاش کریگا پس پہلا مطلوب سلوک اول کا منتہیٰ ہے اور دوسرے مطلوب کے حاصل ہونیکا طریق دوسرا سلوک ہے اور ابتدا سے انتہا تک سلوک اول کے ساتھ اس مثال کی تطبیق ظاہر ہے اس واسطے کہ مرشد اور اولیار اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقوں میں سے ایک طریق کا تجسس کرنا اور کسی رہبر کے پاس پہنچکر ایک طریقہ معین کرنا رفیقان راہ کے حال کے اور رستوں کے تلاش کرنے اور ان میں سے ایک کے مقرر کرنے کے قائم مقام ہے اور اذکار جہری ہوں یا سری زبان سے ہوں یا لطائف سے یا سلطان الذکر ہو اسباب سفر کے جمع کرنے کے جابجا ہے اور اپنے خویش و اقارب اور وطن اور ملک کا چھوڑنا شغل نفی کے جابجا ہے اور دائیں بائیں پھر جانا توحید صفاتی کے کشف میں مستغرق ہونے کے قائم مقام ہے - اور اکثر اوقات توحید صفاتی کے واقعات میں اس طرح مستغرق ہوجاتا ہے کہ ذات بحت تک پہنچنے سے غافل ہوجاتا ہے اور بہت دفعہ ایسا اتفاق پڑجاتا ہیکہ وصول کی یاد آوری کے باوجود بھی ان ہی واقعات میں پھنسا رہتا ہے اور ان سے نکلتا نہیں اور اگر نکلا بھی تو دشواری اور دیر سے پہنچا تو ضروری امر ہے اور جو شخص اپنی ہمت کو توحید صفاتی سے ہٹائے رکھتا ہے اور ادھر ادھر پھرنے کے سوا منزل مقصود کے سیدھے رستے پر چلا جاتا ہے (وہ جلدی پہنچتا ہے) اور دار الخلافہ کی علامتیں اور نشانیاں ذات نفس کے نورانی حجابوں کی مانند ہیں - اور وہ حجاب ہزاروں ہیں جن میں سے آخری حجاب نسبت بیرنگی دیوان خاص کی مانند ہے چونکہ اللہ جل شانہٗ کی ذات پاک بیچوں اور بیچگوں ہے اور حجاب کو اس پاک ذات کے ساتھ زیادہ اختصاص ہے اس واسطے وہ نہایت لطیف اور بلاکیف ہے لہٰذا اس کا نام بیرنگی مقرر کیا گیا ہے اور جاننا چاہئے کہ نورانی حجاب سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں بلکہ دونوں طرف سے ہر ایک کیلئے ایک معین حد ہے کہ اس حد تک اسی حجاب کے متعلق ہے بادشاہی مکانات کے دروازوں کے پردوں سے اسکی مثال معلوم کرسکتے ہیں مثلاً جو پردہ دیوان خاص کے رستے میں آئیگا دونوں طرفوں سے اس پردے کا علاقہ ایک معین حد ہوگا اور اس پردے کے خادم اور حاجب اسی حد کی نگہبانی کے ذمہدار ہونگے اور آنیوالے کو اجازت یا ممانعت کے ساتھ اسی حد سے مطلع کردیں گے اور آنیوالے

اپنی اجازت کے ساتھ پہنچائیں گے تاکہ دیوان خاص کے اندر دنی موکل اس کو دوسری حد تک اپنی اجازت کے ساتھ پہنچائیں گے تاکہ دیوان خاص کے اندر دنی موکل اس آنے والے کو اجنبی نہ سمجھیں اور اندر جانے میں اسکے مزاحم نہ ہوں اور دیہات کے جنگل کی ادھر ادھر کی حدیں بھی اس کی مثال ہو سکتی ہے پس اس طرح نسبت بیرنگی کو دراز سمجھنا چاہیئے اور لکھی ہوئی مثال میں اسکی ابتدا دار الخلافہ سے سمجھنی چاہیئے اس واسطے کہ بادشاہ کیساتھ دار الخلافہ کی خصوصیت بالکل ظاہر ہے پس ذات محض کا مشاہدہ اور وصول نسبت بیرنگی کی انتہا ہے سلوک اول پر ابتدا سے انتہا تک مثال تطبیق یہ ہے۔ لیکن سلوک ثانی کی مثال پس وہی شخص جب بادشاہ کے حضور میں پہنچنے کے بعد بادشاہی ملازموں میں شامل ہونے تک کوشش کرنی چاہیئے تو اس کو لازم ہے کہ ہرکارہ سے لیکر وزیر اعظم تک کے بادشاہی دربار کے سب حاضر باشوں کو اپنے آپ سے راضی کر لے تاکہ بادشاہ کے حضور میں حاجت کے وقت انکی زبان سے خیر کا کلمہ صادر ہو اور ہر ایک اپنے مرتبے کے موافق کوشش اور سفارش کرے اور بادشاہ کی مرضیات میں بہت سرگرم اور چالاک رہے دربار اور سیر اور شکار کی آمدورفت اور حضار دربار کی ملاقات سے سستی نہ کرے ایسا نہ ہو اس دربار میں سستی کے داغ سے داغدار ہو کر نظر اعتبار سے گر کر حضور بادشاہ کے لائق نہ رہے اور یہ بات اس مقام سے اس کے نکالنے کا باعث بنے اور اس سے بھی خبردار رہنا چاہیئے کہ راضی کرنا مرتبے کے موافق متفاوت ہوتا ہے جب تک وہ اپنے وطن میں تھا تب تو اس کا راضی کرنا صرف یہی کچھ تھا کہ چوری اور ڈکیتی اور بغاوت اور انہی جیسے اور کاموں سے پرہیز کرے۔ اور اگر مال گذار ہو تو ہمیشہ حیلہ اور تکرار کے سوا وہ مال ادا کر دیا کرے اور جب اس مقام (حضور) تک پہنچے تب اس کا راضی کرنا یہی ہے کہ شاہانہ حقوق اور آداب اور تعظیمات کی رعایت جس طرح کہ چاہیئے بجا لائے اور نذر اور تحفوں اور ہدیوں اور انہی جیسے اور کاموں میں اس مقام کے رہنے والوں کی رضامندی کے لئے بے حساب مالوں کے خرچ کرنے کو خس و خاشاک کے برابر گنے اور ان کی رضامندی کو جان و مال سے بہتر جانے اور حاضر باشی کے بھی کئی مرتبے ہیں مثلاً دار الخلافہ کے رہنے والے من وجہ حاضر ہیں اور قلعہ کے حاضر باش ان سے زیادہ اور دیوان خاص کے ملازم ان سے اوپر اور جو لوگ کہ در و دیوار کے پیچھے خدمت کے واسطے مستعد کھڑے

ہیں ان سے زیادہ اور جو لوگ روبرو رہتے ہیں وہ ان سے زیادہ اور جو کہ اپنی نگاہ کو بادشاہ
کے چہرے پر لگائے کھڑا ہے اور بالکل دوسری طرف توجہ نہیں کرتا سب سے اعلیٰ ہے
پس ان مراتب سے اعلیٰ مرتبہ کو اختیار کرکے اس قدر ہمیشگی کرے کہ بادشاہ کے دل میں
اسکی طرف کچھ الفت پیدا ہو اور بادشاہ کے دل میں اس کی قدر اور وقعت جاگیر ہوجائے
اور بادشاہ کو معلوم ہوجائے کہ یہ شخص نہایت میرا محب اور مطیع ہے اور اس ذریعہ سے
اس کو وہاں کا رہنا میسر ہوگا اس لیے کہ جب ہمیشہ وہ اپنی نگاہ کو بادشاہ کی طرف لگائے رکھے
اور سب اہل دربار کو اس کی طرف بادشاہ کی توجہ کا حال معلوم ہوگا تو خود اہل دربار اس
سے راضی رہیں گے اور اس جگہ اس کے رہنے کو جائز سمجھیں گے پھر اس جگہ کی اقامت سے
اطمینان ہوجانے کے بعد اس کو لازم ہے کہ ہمیشہ حاضر رہ کر بادشاہ کے چہرے کو جس طرح
کہ لائق ہے غور اور تامل کے ساتھ دیکھتا رہے اور جو واقعات اور خبریں کہ دربار میں ہوا
کریں ان کو سن کر ہر خبر خوش اور ناخوش کے بعد بادشاہ کے چہرے کے تغیر کو غور سے معلوم
کرکے اوضاع تغیرات کو اچھی طرح یاد رکھے اور ہر تغیر کے بعد بادشاہ کے حضور سے جو حکم
انعام یا سزا یا صلح وجنگ یا بندوبست کے بارہ میں صادر ہو اس کو بھی دریافت کرکے
خوش خبریوں سے ذلیل غلام کی صحت یابی کی خبر سے لے کر وزیر اعظم کی صحت کی خبر تک
اور بدخبریوں سے ایک چوپائے کی موت کی خبر سے لے کر وزیر اعظم کی موت کی خبر تک وعلیٰ
ہذا القیاس ایک مخبر کے گرفتار ہونے سے لے کر ملک اور لشکر والے زور آور دشمن کے گرفتار
ہونے تک اور دور دراز کے جنگل میں کسی گنوار کے لوٹے جانے سے لیکر خاص قلعہ پر دشمن کی
چڑھائی کرنے تک سب چھوٹے بڑے کاموں کو نگاہ رکھے بالجملہ ان سب کے احاطے کا
قصد کرے اور بہت سی ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں کہ ان پر ایک ہی سزا مترتب ہوتی ہے اس
واسطے ان چیزوں میں بادشاہ کے چہرے کے تغیر میں کچھ تفاوت نہیں ہوتی پس یہ گمان نہ کرے
کہ ہر خبر اور واقعہ میں کوئی علیحدہ تغیر ہوگا بلکہ اگر دوبار تغیر اور چہرہ یکساں پائے تو جان لے
کہ دونوں خبریں برابر ہیں انکی جزا اور سزا میں کچھ تفاوت نہیں ہمیشہ اسی عمل پر رہے تاکہ
اس کی ذہانت اور فہم کے موافق بادشاہ کی مرضی شناسی کا مادہ اس میں پیدا ہوجائے اور

واقعات اور حادثات میں بادشاہ کی مراد پر مطلع ہو جائے اور یہ واقفیت اس حد تک چاہیئے کہ بادشاہ کے کلام کے اصلی لغوی معنی کے بر خلاف اس کی مراد کو اس کے چہرے سے دریافت کرے مثلاً کبھی بادشاہ فرماتا ہے کہ اس چور کی اچھی طرح خدمت کرنی چاہیئے تو اس کی غرض یہ ہے کہ اس کو پوری پوری سزا دینی چاہیئے اور جب مرضی شناسی کا ملکہ حاصل کرنے کے بعد بادشاہی کے کسی کام کو سرانجام دیگا پہلے سے چند گنا زیادہ بادشاہ کی مہربانیاں اس کے حق میں جوش زن ہو جائیں گی۔ اور اہل دربار کی کوشش اور سفارش مددگار ہو جائیگی خواہ مخواہ بادشاہ اس کو کسی عہدے اور منصب سے عزت بخشے گا اور اپنے جس مطلوب کے لئے اس نے اتنی محنتیں اور مشقتیں اٹھائی تھیں انشاء اللہ تعالیٰ اب اس پر کامیاب ہو جائیگا اور بعد ازیں اسی خدمت پر رہے گا یہاں تک کہ ترقیاں کرتے کرتے اعلیٰ مرتبے پر پہنچ جائیگا۔ سلوک دوم کا بھی ایسا ہی حال ہے سالک کو لازم ہے کہ مشاہدہ کے مرتبے پر پہنچے اور سلوک اول کے تمام ہونے کے بعد سلوک ثانی کی طرف توجہ کرے ماموارات اور منہیات کے ہر باب میں عزائم شریعت کا اختیار کرنا اس سلوک کے لوازمات سے ہے اسکی توضیح یہ ہے کہ شریعت کی متابعت ایمان کا لازمہ ہے سالک کے ذمے لازم ہے کہ ہمیشہ شریعت کا تابع رہے اور شریعت کی اتباع کے ساتھ سلوک اول کو ختم کرے اور سلوک ثانی میں عزائم شرعیہ کو جس طرح کہ چاہیئے مضبوط پکڑے اور یہ عزیمت کبھی دل سے ہوتی ہے کبھی اعضا سے۔ مثلاً کلام اللہ شریف کا اتنا ادب کہ اس کو بے وضو ہاتھ نہ لگائے شریعت کا لازم ہے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ بے وضو ہاتھ نہ لگائے اور سلوک ثانی کے سالک کے واسطے لازم ہے کہ اس سے زیادہ ادب کرے مثلاً قرآن شریف کے پڑھنے کے وقت کسی اور کام کی طرف توجہ نہ ہو اور مودبانہ طور پر بیٹھے اور کلام الٰہی کی عظمت کو حاضر کرکے اس سے قرآن شریف کی عظمت کی طرف انتقال کرکے اپنی کمینگی اور گندگی کا خیال کرکے اس بڑی نعمت کی قدر جانے کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ایسی بزرگ اور پاک چیز مجھ ایسے عاجز گندے کمینے کے ہاتھ آئی ہے ورنہ مجھ میں تو اس نعمت کی لیاقت نہ تھی اور ایسے خیال سے اس کا سینہ خوشی کے مارے مالامال ہو جائیگا۔ اور قرآن شریف کی نہایت بزرگی اس کے آنکھوں میں سامنے آکھڑی ہوگی اور ایسی باتیں اگر خود بخود اس

کے ذہن میں آئیں تو بہت بہتر اور اصل مدعا ہے ورنہ ان باتوں کو تکلف سے اپنے ذہن میں لائے
وعلیٰ ہذا القیاس ہر سورہ کی عظمت کو سمجھے اور اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں اسکے شفیع ہونیکو یاد کرے
اور نماز اور زکوٰۃ اور روزہ اور حج اور جہاد اور باقی شعائر اسلامیہ کی عظمت کا اعتقاد بھی
اسی طرح کرے اور مطلقاً شرع شریف اور کعبہ اور انبیاء اور رسولوں کی تعظیم بھی اسی قسم سے ہے
زکوٰۃ کا ادا کرنا اس کی شرائط کے موافق تو ہر مسلمان پر فرض ہے اور اللہ جل شانہ کی رضا میں
مال کا خرچ کرنا ایسی عزیمت ہے کہ سلوک ثانی کے سالک کو لازم ہے اور تہجد وغیرہ کی مانند
تمام نوافل کا اہتمام اسی باب سے ہے اور منہیات کے پرہیز کو بھی دوسرے رنگ سے اپنے
ذمے لازم جانے تاکہ ارباب عزیمت میں سے ہو جائے مثلاً اگر زنا کا وسوسہ اسکے دل میں
گذرے تو اس سے اس طرح متنفر ہو کہ گویا کھانے کے واسطے نجاست اسکے سامنے رکھی گئی
ہے اور تمام منہیات کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے نیز اس سلوک کے سالک کو چاہیئے کہ انبیاء اور
اولیا بلکہ تمام مؤمنین کے حقوق اور تعظیم کے ادا کرنے میں نہایت کوشش کرے کہ وہ سب
اس کے واسطے کوشش اور سفارش کریں اور انبیاء اور اولیاء کی سعی اور سفارش تو نہایت
ظاہر ہے لیکن ہر مومن کی سعی دعاء خیر ہے پس دعاء خیر کی امید پر جو وہاں کام آنے والی ہے
ہر مسلمان کی خاطر داری کرے اور شرع شریف کی عزیمتوں کی اتباع میں سب حقوق اور تعظیمیں
ادا و بجا لاوے جیسے قریب ہی گذر چکا ہے اور قرآن اور سورتوں اور کعبہ اور نماز اور روزہ
وغیرہا سب کو شفاعت کا مرتبہ حاصل ہے پس ان سب کو اپنے آپ سے راضی کرے اور اس
مقام کی رضا کا مرتبہ پہلے بیان سے واضح ہو گیا ہے اور اس سلوک کا اصل اور مدار وجہ اللہ کا
مراقبہ ہے اور وجہ اللہ کا لغوی معنی اللہ تعالیٰ کی توجہ ہے یعنی بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ کا متوجہ
ہونا اور اس کو اس کے آثار سے دریافت کرنا چاہیئے اور اس کے آثار اس آیہ کریمہ
اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کے بموجب ہر جگہ موجود ہیں مثلاً اگر بندہ اپنی آنکھ اور بینائی کے
حال میں غور کرے تو یقیناً جان لے گا کہ یہ بڑی نعمت محض اللہ تعالیٰ کی توجہ سے مجھے حاصل
ہوئی ہے یعنی اللہ عزوجل اس کے حال پر متوجہ ہوا ہے اور اس کی طرف منہ کیا ہے اسی لئے یہ
نعمت اس کو حاصل ہوئی ہے ورنہ یہ عاجز بندہ کسی طرح بھی اس کا مستحق نہ تھا۔ اور نہ کوئی اسکی

خواہش کی تھی اور نہ اسکا تقاضا اسکے دل میں پیدا ہوا تھا اور نہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی خدمت میں
اس بڑی نعمت کے بخشنے کے واسطے کوئی اس کا سفارشی بنا ہے اور نہ اس محض عاجز نے کسی چیز
کا وسیلہ پکڑا ہے پس یہ نعمت عظمیٰ محض اسکے فضل اور رحمت کے باعث ہی حاصل ہوئی ہے
وعلیٰ ہذا القیاس ہزاروں نعمتیں ہیں اور ہر نعمت کا یہی حال ہے بلکہ دراصل جو چیز کہ جہان میں
موجود ہے اگر اچھی طرح اس میں غور کیا جائے تو وہ سب اس بندے کے حق میں جلیل القدر
نعمتیں ہیں پس آسمان اور فرشتوں سے لیکر خس وخاشاک تک ہر چیز اس کے واسطے نعمت ہے
اور اسکو اس کیساتھ خصوصیت ہے باوجودیکہ اسکی استعداد اور کوشش اور خواہش کو اسمیں کچھ
دخل نہیں پس خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں غوض کرے اور علی الدوام اپنے پیش نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ
کی رحمت بلاسبب اور بے وجہ اس مرتبہ پر کہ اسکا بیان کرنا دشوار ہے میرے حال پر متوجہ ہے
اور تمام لوگ اسی رحمت سے فیضیاب ہو رہے ہیں اور ایسا کوئی نہیں کہ اس میں بہت سی نعمتیں
موجود نہ ہوں۔ اور اگر کوئی ایسا آدمی بھی ہو جو کثافت طبع کی وجہ سے ایسی نعمتوں کو اپنے آپ میں
لحاظ نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ اپنے غیر میں دیکھے اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ان سب سے اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ پس پیدائش بلکہ علوق کے وقت سے آپکی آخر عمر تک آپ کے
حالات کو یاد کرے کہ اس قسم کی بڑی بڑی ان گنت نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بے کنار دریا سے
بلا درخواست اور بلا استحقاق اور بلا استدعا کسی کی کوشش اور سفارش کے سوا ہی آنجناب
پر کس طرح فائض ہوتی رہیں صرف آپ کے پیدا ہونے سے ہی کتنی برکتیں اور عنایتیں آنجناب
کے وجود کے ساتھ جوڑی گئیں کہ وہ برکتیں ایک بڑی جماعت کے شامل حال ہوا کرتیں اور آپ
سے محبت اور اعتقاد کا باعث بنتیں اور یہ نعمتیں جو بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
پر فائض ہوا کرتیں دوسری نعمتوں کے ساتھ قیاس کرنے سے ایک سہل امر ہے انکی اس قدر
وقعت نہیں بآنکہ فی نفسہا یہ نعمتیں بھی جلیل القدر ہیں حاصل کلام اس قسم کی بڑی بڑی نعمتوں
کا تصور کرے کہ بلاسبب اور بے وجہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ ذاتیہ سے ہی ہیں چونکہ
اللہ تعالیٰ کا منہ بندے کی طرف ہوتا ہے اسی طرح کے انعامات بلا استحقاق و بلا استدعا و دعا
پہنچتے رہتے ہیں پس وجہ اللہ کے معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے شائونیں

سے وہ بھی ایک شان ہے جو بلا سبب اور بے وجہ اور پہلے استحقاق اور استدعا اور تقاضے اور
دعا اور شفاعت اور وسیلے کے سوا ہی بڑے بڑے انعاموں کے بخشنے کا تقاضا کرتا ہے اسی شان
کا ملاحظہ وجہ اللہ کا مراقبہ ہے پردہ عدم سے میدان ہستی کی طرف لانا ان سب انعامات کا اصل ہے
اور وجہ اللہ کا یہ معنی تمام موجودات کو شامل ہے لیکن بعض کے بعض پر فائق اور متفاوت ہونے کی
وجہ سے ہر ایک کی نسبت وجہ اللہ کے معنی کے انعامات کی وجہیں علیحدہ ہوتی ہیں اور یہ گمان نہ کریں
کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے فعل میں عبث لازم آئیگا اور عبث نادانی ہے اور اللہ جل شانہ
کی ذات اس سے منزہ اور پاک ہے اس واسطے کہ افعال الٰہیہ کی حکمتیں اور مصلحتیں اور چیز ہیں
اور جس شخص پر انعام ہوتا ہے اسکا استحقاق اور استدعا اور چیز ہے اگرچہ فی الواقع حکمتیں
اور مصلحتیں منظور ہیں پس اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں ایسی چیزیں جن کو اس شخص کے ساتھ کچھ
خصوصیت نہیں مثلاً داناؤں اور عقلمندوں کے پیدا کرنے میں اس سچے حکیم کو کوئی مصلحت
اور حکمت ہے اور اگر اس آدمی کے سوا کسی اور کو دانائی اور علم عطا فرما دیتا بلکہ یہ کمال حیوانات میں
رکھ دیتا تو کوئی آدمی اور کوئی امر اس طرف سے پھیر کر دوسری طرف متوجہ نہ کر سکتا۔ پس یہ اس کی محض
رحمتیں اور عنایتیں ہیں کہ ہر کسی کو بہت سے انعامات سے عزت بخشی ہے اور بہت سی نعمتوں کے
ساتھ ہر ایک کی تخصیص فرمائی ہے اور جو شان کہ اس بے غرض رحمت کاملہ کا منبع ہے وجہ اللہ
کے نام سے نامزد کیا گیا ہے اور تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں جو غرض سے خالص ہو کر پہنچ رہی
ہیں وجہ اللہ کے آثار میں سے ہیں اور انہی آثار سے وجہ اللہ پہچانا جاتا ہے اور اس کے مقابل
میں وجہ العبد ہے یعنی بندہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کا بیان یہ ہے کہ ہر مومن بندہ
خواہ پست ہمت ہو یا عالی ہمت کسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے
اور اسکے اوامر بجالاتا ہے پست ہمت تو آگ کے ڈر اور بہشت کے طمع کے واسطے عبادت کرتا
ہے اور عالی ہمت اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت اور وجاہت کے حاصل ہونے اور برگزیدہ اور
منتخب لوگوں کی جماعت میں داخل ہونے اور اعتبار والے خاص ملازموں کے رشتہ میں پروئے
جانیکے واسطے عبادت کرتا ہے اگرچہ آگ سے نجات اور جنت کے درجوں پر کامیابی مذکورہ
عزت کے حاصل ہونے پر یقیناً مترتب ہوتی ہے بلکہ یہ تو اس کے آثار اور توابع سے ہے

لیکن بہت عالی لوگ ان امور کی طرف مطلقًا توجہ نہیں کرتے بلکہ ان کے مدعا کا منتہیٰ تو صرف اسی (خاصوبکی) لڑی میں پرو دیا جاتا ہے۔ پس ضرور ہے ان دو فرقوں میں سے ہر ایک کے دل میں اپنے خالق کے ساتھ پیار اور محبت پیدا ہو جاتی ہے اور روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے بعض بندوں کے حق میں آرزو اور طمع اور خوف کے تمام مراتب محو ہو جاتے ہیں اور اللہ جل شانہٗ کی محبت اسکے دل میں ایسی مضبوط ہو جاتی ہے کہ اوامر کو بجا لاتا ہے اور مراتب قرب میں سے کسی مرتبہ اور جنت کے ثوابوں میں کسی ثواب کے حاصل ہونے کا خیال اسکے دل میں نہیں گزرتا اگرچہ اس پر عزت اور اعتبار کا حصول اسی طرح قطعی اور یقینی ہے جس طرح کہ عزت اور اعتبار کے حاصل ہونے پر ثواب کا حاصل ہونا۔ لیکن اوامر کے ادا کرنے میں عزت اور اعتبار اور ثواب کے حاصل ہونیکی آرزو بالکل نکل جاتی ہے اور ایسے ہی منہیات سے پرہیز کرتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے منع کو ملحوظ رکھتا ہے اور اگرچہ ملاء اعلیٰ میں ذلت سے محفوظ رہنا اور مراتب اہل عزت و اعتبار سے نہ گرنا اور عذاب نار سے بچنا اس پر مترتب ہوتا ہے لیکن اس بندہ کو اسکا ہرگز خیال نہیں ہوتا محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا اس کو مقصود ہے اور چونکہ یہ جانتا ہے کہ اللہ عزوجل کے اوامر کی بجا آوری میں اسکی رضا ہے تو اس رضا کو اپنے حق میں قرب اور عزت اور ثواب جنت کے درجات میں ہزاروں ترقیوں سے بہتر جانتا ہے اور جب کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی نارضامندی تصور کرتا ہے تو اس نارضامندی کو ہزاروں ذلتوں سے بدتر جانتا ہے یعنی اہل عزت اور اعتبار کے مرتبوں سے گر جانا اور ذلیلوں کے زمرے میں داخل ہو جانے بلکہ دوزخ کے ہزاروں عذابوں سے بدتر گمان کرتا ہے پس جس طرح بلا غرض بندہ کی طرف رحمت الٰہیہ کا متوجہ ہونا وجہ اللہ ہے اسی طرح محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے عزت اور وجاہت اور اعتبار کے مرتبوں میں سے کسی مرتبے کے آرزو کے بدون اور جنت کے ثواب کے حاصل ہونے اور عذاب دوزخ سے نجات مل جانے کی امید کے بغیر ہی بندہ کا اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہونا وجہ العبد ہے اور بے شک ان آیات میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔ اَلَمۡ یَجِدۡكَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ٥ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ٥ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ٥ ان تینوں آیتوں میں وجہ اللہ کی طرف

اشارہ ہے اور آخر کی تین آیتوں میں وجہ العبد کی طرف اشارہ ہے اور جب وجہ اللہ کو اپنے آثار
اور مقابل کے ساتھ پہچان لیا تو اس کے مراقبہ کا طریق ہے کہ اپنی نظر کو اسی شان کی طرف متوجہ
کرے جو سوائے کسی غرض کے رحمت کا منشا ہے اور ہمیشہ اپنی نظر کو اس کی طرف لگا کر زبان حال
اور قال سے التجا کرتا رہے کہ جب اس نے بڑی بڑی نعمتیں مجھ کو یا میرے غیر کو بے استحقاق
اور بلا استدعا تو نے مرحمت فرمائی ہیں۔ پس فلاں نعمت اگرچہ وہ نہایت شاندار اور بزرگ ہے
اور میں نہایت نالائق اور عاجز ہوں عطا فرمائیے کیونکہ تیرا عام انعام کسی امر پر موقوف نہیں اور یہ
مراقبہ کبھی بلا جہت بھی ہوتا ہے اور کبھی مراقب کی باطنی توجہ کے موافق یا فوق تحت کی جہت
سے مقید ہو کر متصور ہوتا ہے اور اس مراقبہ کے باعث اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص عنایت
اس کے حال کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور خاص عنایت کی بھی ایک خاص صورت ہوتی ہے جس
طرح کہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے
لیکن جب اس جل شانہ کی خاص عنایت حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا
کرنے میں مصروف ہوئی تھی۔ اسکی خاص صورت بھی ظاہر ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے قول خَلَقْتُ
بِیَدَیَّ میں اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے اور حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا
معراج کے ساتھ اسی طرح کا اختصاص ہے اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے
ساتھ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا بھی اسی طرح کا اختصاص ہے اور ان ہی خاص عنایات
کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے بزرگ لوگ اس سے راضی ہوتے ہیں اور اس کو اس جگہ سر پر
رکھنے سے منع نہیں کرتے اور عزت اور وقار کے ساتھ اس کو جگہ دیتے ہیں پس اس مراقبہ میں شرع
شریف کی عزیمتوں اور بارگاہ الٰہی کے برگزیدوں کو راضی کرنیکا التزام اختیار کرے اور یہ اہل دربار
کے راضی کرنے اور بادشاہ کے چہرے کے دیکھنے کے قائم مقام ہے لیکن بادشاہ کو اس جہالت
کی وجہ سے جو بشریت کا لازمہ ہے کسی کے حال اور انجام کی خبر نہیں ہوتی اسی واسطے بدمعاشی
اور خیانت اور خباثت کے باعث حاضر باشی اور بادشاہ کی طبیعت کی خوشنودی کے باوجود بھی
حاضر باشی کی اجازت کے سوا اس شخص کو کوئی عہدہ نہیں ملتا یہاں تک کہ بہت سا زمانہ گذرنے
کے بعد اسکی کامل خوبی کا تجربہ ہو جائے اور اس سے امن حاصل ہو عالم الغیب کے برخلاف کہ اس کا

علم ہر لائق اور نالائق کے ظاہر اور باطن پہ محیط ہے اور آدمی کے باطن کی حقیقت اس جگہ ظاہر ہے جو نہی وجہ اللہ کا مراقبہ بندے سے اچھی طرح سرانجام کو پہنچا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا مقبول ہو گیا پس ایک مقدس نور جو ازل میں ہر ایک مومن بندے کے حصے میں مقدر ہو چکا ہے اس کو مرحمت ہو جائیگا وہ نور عقل کے نیچے ہے اور عقل اسکی شاخ اور ایمان اسکا پھل ہے آیہ کریمہ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا اسی نور کی طرف اشارہ کر رہی ہے پس اس مراقب وجہ اللہ کو وہ نور دور سے چمکتے ستارے کی مانند نظر آتا ہے اور آہستہ آہستہ نزدیک آتا جاتا ہے حتیٰ کہ ماتھے میں سجدہ گاہ پر پہنچ کر سارے بدن میں سرایت کر جاتا ہے اور آنکھونکے نور کی مانند جو کہ رنگوں اور روشنیوں کو جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ کے مرضیات کا دریافت کرنا اس نور کا خاصہ ہے جس طرح کہ شجاعت جنگ کے فیصلے اور سخاوت لوگونکی نفع رسانی کے واسطے پیدا کی گئی ہے یہ نور اللہ تعالیٰ کی رضا معلوم کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور رضا الٰہی معلوم کرنیکا یہ طریق ہیکہ جب کسی کام کا ارادہ کریگا یا کسی امر کی طرف متوجہ ہو گا تو اس تجلی میں جو اسکے کمال کے مقابل ہے ایک ظاہر تغیر پیدا ہو گا اور تغیر بھی اس قسم کا ہو گا کہ اس سے خوشنودی اور ناراضگی سمجھ سکتے ہیں بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ابھی معاملہ ان کے دل سے تجاوز نہیں کرتا کہ انکو اسی راہ سے رضا یا نارضا پہ مطلع کیا جاتا ہے مثلاً جب وہ کسی معین کام کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اگر رضا اس سے متعلق ہے تو انکے دل میں خوشی اور انشراح اور اس کام کی طرف زیادہ رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر اس کام سے نارضامندی کو تعلق ہے تو اس کام کے کرنے سے نفرت اور تنگی اور دلگیری انکو لاحق ہو جاتی ہے اور جو لوگ کہ انکا حال انکے دل سے تجاوز کر گیا ہے اور مقامات عالیہ پر پہنچ گئے ہیں پس وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا کو اپنے کمال کے مقابل تجلی میں تغیرات کے واقع ہونے سے دریافت کر لیتے ہیں اور یہ تغیر جو تجلیات میں پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے منزہ ہے اس کی تفصیل یہ ہیکہ جو عام آثار کہ اس بیچون وبیچگون پاک ذات سے صادر ہوتے ہیں ان آثار میں کچھ تغیر ہوتا چنانچہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ اسکی وصف ہے اسی طرح ان آثار کی بہ نسبت ایک ہی وصف ہے اسی طرح ان آثار کی بہ نسبت ایک ہی وصف پر ہیکہ ازل سے ابد تک کبھی اسمیں تغیر نہیں لیکن امور خاصہ کے بہ نسبت اس میں تغیر ہوتا ہے اور اس تغیر اور عدم کی مثال آفتاب

ہے آفتاب ایک ہی وضع سے ایک ہی جگہ پر ہے اور اسکے عام آثار اشیا کی استعداد کی بہ نسبت نہایت مختلف ہیں اور یہ اختلاف آفتاب کی ذات یا وضع اور مکان کے اختلاف کا باعث نہیں ہوتا۔ اور قیامت کے دن اس سے خاص اثر مطلوب ہوگا اسی واسطے اسکی وضع اور مکان بدل جائیگا اور اہل محشر کے سر کے قریب آپہنچے گا اور ایسا ہی آثار خاصہ کے ظاہر ہونے کیلئے تغیر اور تبدل ہوتا ہے اور یہ تغیر اسکی پاک ذات میں نہیں تعالےٰ شانہٗ عن ذلک بلکہ اس کے ظہور اور تجلی کیواسطے ایک خاص صورت ہوتی ہے اس صورت میں تغیر ظاہر ہوتا ہے اور یہ تغیر اسکی پاک ذات میں نہیں اور اس کی مثال انسان ہے اس واسطے کہ جس چیز کو لفظ من (ضمیر واحد متکلم) سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ عنصری جسم نہیں اسلئے کہ مرنیکے بعد جسم موجود رہتا ہے اور جو احکام کہ انسان پر مترتب ہوتے تھے سب بدل جاتے ہیں پس وہ حقیقت انسانی جسکی طرف لفظ من سے اشارہ کیا جاتا ہے اس عنصری جسم کے واسطے سے چھپ گئی ہے اور اس نے اسکے ساتھ ایسا اتحاد اور یگانگت پیدا کرلی ہے کہ معاملہ تو جسم سے ہوتا ہے اور اس حقیقت کی طرف نسبت کیا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں کہ میں زید کے پاس گیا اور اسکے پاس دیر تک بیٹھا رہا اور اسکو ایسا ویسا کیا اور جونہی کہ انسان مرگیا جسم کے اپنے حال پر باقی رہنے کے باوجود احکام مذکورہ میں سے کوئی حکم اس جسم پر نہیں کرسکتے اس وقت کوئی نہ کہیگا کہ میں زید کے پاس گیا اور اسکے پاس بیٹھا رہا اس بیچون اور بیچگون کی پاک ذات بھی اسی طرح ایک صورت اور لباس میں چھپ کر ظاہر ہوتی ہے اتنا فرق ہیکہ حقیقت انسانی ایک ہی جسم میں مقید ہوتی ہیں دوسرے جسم کے واسطہ سے اپنے احکام کو ظاہر نہیں کرسکتی اور حق سبحانہٗ کسی صورت میں مقید نہیں اپنے اطلاق پر باقی ہے جس صورت میں چاہتا ہے کلام فرماتا ہے اور اسی صورت میں تغیر ہوتا ہے اور اس جگہ سے واضح ہوگیا کہ بندہ کو اپنے خالق کے ساتھ خاص الخاص معاملات پیش آتے ہیں لیکن اس ذات سے بہت دور ہوتے ہیں۔ پس ہر امر میں اس باکمال آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور نارضا معلوم ہوتی ہے اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ شرعی احکام متفاوت اور تبدل ہو جائیں گے اسلئے کہ احکام شرعیہ اسی طور پر ہیں کہ شارع علیہ السلام سے ثابت ہوئے ہیں۔ اور یہ رضا اور نارضا مباح امور میں پیش آئیگی مثلاً اس بندہ کو معلوم ہو جائیگا کہ اس وقت فلاں جگہ میں جانا اللہ عزوجل کی رضامندی کا موجب ہے اور فلاں جگہ میں جانا اگرچہ مباح شرعی

ہو اسکی نارضامندی کا باعث بنے گا و علی ہذا القیاس ہر امر میں اسکو عجیب قسم کی بصیرت حاصل ہوگی اور یہ دریافت کوشش اور اجتہاد سے نہیں بلکہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے کے برابر ہے اور جب سالک کو یہ کمال حاصل ہو جاتا ہے وہ مکالمہ کے مرتبہ پر کامیاب ہوتا ہے اور اس وجہ کلیم اللہ ہوتا ہے اگرچہ حقیقی کلام درمیان میں نہ آئیگی اسلئے کہ اشارات اور اوضاع سے مقصود اور مراد کا سمجھ لینا بھی ایک قسم کا کلام ہی ہے اور کبھی کلام حقیقی بھی ہوجایا کرتا ہے اور کلام کے اصل مدلول کے برخلاف مراد اور مدعا کو بھی دریافت کر لیتا ہے اور جب یہ کامل بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے مطلع ہو کر اس رضا کے بموجب کسی کام کو سرانجام دیگا اور اس کی کارگزاری ظہور پذیر ہوگی اللہ تعالیٰ کی عنایت کثرت کیساتھ اسکے حال پر جوش زن ہوگی اور اس بارگاہ کے بزرگوار تو خود بخود اسکے سفارشی ہیں اور کار آمد آدمی کو بیکار چھوڑنا حکمت کے مخالف ہے ضرور اسکو کسی خدمت کیساتھ عزت بخشیں گے اور وہ خدمت اسکے حال کے موافق ہوگی پھر اسکو اسی خدمت پر توقف اور استمرار رہیگا یا ایک بلند مرتبے سے ترقی کر کے اس مرتبے پر پہنچیگا کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہوگا اور اہل ولایت ان امور کے پہنچانے پر مامور نہ ہوں جو ان پر منکشف ہوتے ہیں تو انکو اس مقام میں نبوت کا پرتو حاصل ہو جاتا ہے اور اگر انکے پہنچانے پر مامور ہو جائیگی تو پرتو رسالت پر ترقی کر جاتے ہیں اور اگر اسکے باوجود مقابلے اور محاصے کا بھی حکم ہو جائے تو اولوالعزمی کے مرتبہ پر مقرر ہو جاتے ہیں اور بعض اس مقام میں خلیفۃ اللہ ہوتے ہیں اور بعض خلیفۃ اللہ نہیں ہوتے خلیفۃ اللہ وہ ہے جسکو تمام مہموں کے فیصلے کے واسطے نائب کی مانند مقرر کریں اور جو ایسا نہ ہو پس وہ خلیفۃ اللہ نہیں اگرچہ کبھی جو کام کہ خلیفۃ اللہ کے ہاتھوں سے سرانجام پاتا ہے دوسرے کے ہاتھ سے بھی کرا لیتے ہیں ہاں وہ شخص بلاشک صاحب خدمت ہوتا ہے ظاہر ہیں اسکی مثال یہ ہیکہ بادشاہ کبھی وزارت کا کام اپنے خواص سے لیتا ہے پس اگرچہ اس خواص نے وزارت کے کام کو سرانجام دیا ہے لیکن وزیر نہیں ہوا اور یہ مقام راہ ولایت کا نہایت ہے اسکے بعد راہ ولایت کے لئے کوئی کمال نہیں۔ واللہ اعلم۔

## چوتھا باب سلوک راہ نبوت کے طریق کے بیان میں

اور یہ باب چند افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ - طالب راہ نبوت پر بعد تہذیب اخلاق و ملکات قلبیہ اور ادائے عبادات شرعیہ کے
جس طریق پر کہ دوسرے باب میں معلوم ہو چکا - پہلے پہل جو چیز لازم اور ضروری ہے مقام توبہ میں قدم
جمانا ہے تفصیل اسکی یہ ہیکہ اولاً اس طریق کے طالب کو چاہیئے کہ تمام منہیات شرعیہ کو خواہ قبیل
اعتقادیات سے ہوں خواہ افعال واقوال خواہ قبیل اخلاق و ملکات سے خواہ عبادات میں افراط
وتفریط کے قبیل سے ہوں ان سب کو کتاب و سنت سے تنقیح اور تفتیش کرے اگر خود کتاب و
سنت کا عالم ہے تب تو بات بنی بنائی ہے ورنہ علماء محدثین سے استفسار کرے بعد ازاں حضرت
حق کے انعام اور جواد مطلق کی تربیت جو اس ذرۂ بے مقدار کے بارہ میں ارزانی اور مبذول
ہیں اس کو بار بار ملاحظۂ محبت اور تصور درست کے ساتھ اپنے ذہن میں خوب مستحکم کرے
اور اپنی کمال عاجزی اور اس بے نیاز مطلق کی طرف نہایت محتاجی کو اپنی بصر بصیرت کے سامنے لانے
کی کوشش کرے بعد ازاں تنہائی میں بیٹھکر اپنے دل میں ملاحظہ کرے کہ ایسے منعم حقیقی اور بے نیاز تحقیقی
کی ناخوشی اور ناراضی میرے جیسے لا شئ بے مقدار کے حق میں جو سر سے پاؤں تک محض حاجت ہی حاجت
ہے کس قدر قبیح اور ناز یبا ہے اور اس معنی کو اپنے ذہن میں اس طرح مستحکم کرے کہ اس منعم حقیقی
کے ناراض ہونے کا ایک امر عظیم اور خطرناک ہونا اس کے ذہن میں قرار پکڑ جائے یہاں تک کہ اگر اسکی
ناخوشی کے واقع ہونے کا تصور کرے تو اسکے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں پھر اپنے تہ دل سے
اس طرح اذعان اور اعتقاد کرے کہ سب منہیات شرعیہ اسی امر کے موجب ہوتے ہیں جس کے
تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر اس امر کو اپنے ذہن میں ایسا مستحکم کرے کہ
ان منہیات کی قباحت اسکے عقل اور دل کو گھیر لے اور اسکے باطن میں ان منہیات کی نسبت
ایک نفرت عظیم اور بڑی بیزاری و وحشت بیٹھ جائے یہاں تک کہ اپنے آپ سے ان منہیات کے صادر
ہونے کو تہ دل سے ایسا سمجھے جیسا جان اور مال اور آبرو کی ہلاکت اور بربادی کی جگہ میں واقع
ہو جانا - بعد ازاں قرآن مجید اور فرقان حمید کی عظمت کا تصور کرے اور صمیم قلب سے ملاحظہ کرے
کہ یہ ایک صفت ہے صفات ازلیہ ربانیہ سے جسکو عالم امکان کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت
نہ تھی (مگر) حضرت حق جل وعلا نے محض اپنی عنایت (بیغایت) سے زبان عربی کے لباس میں
اپنی وصف ازلی اور کمال ذاتی کو نازل فرما کر اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ

بنایا ہے بمنزلہ اس بات کے کہ ایک بادشاہ عظیم القدر اپنی دستار لیکر اسکا ایک سرا اپنے ہاتھ میں تھامے رہے اور اسکی دوسری جانب ایک ایسے فقیر مفلس اور عاجز بے مایہ کے ہاتھ میں دیدے جو التفات بادشاہانہ کی ہرگز لیاقت نہیں رکھتا تھا اور اسے حکم دے کہ جب کبھی تجھے کوئی حاجت پیش آئے تو اس دستار کو ہلا کر اسی ذریعہ سے مجھے اپنی حاجت جتلا دینا کہ فوراً ہم تیری طرف متوجہ ہو کر تیرے حال زار پر اپنی عنایت کو مصروف کریں گے۔ پس اگر اس فقیر کے حال میں اچھی طرح تامل کیا جائے اور کسی قدر قانون ادب سے دوری اختیار کی جائے اور دو انکشاف بات کہی جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ ظاہر میں اس فقیر کے ہاتھ میں دستار کا ایک کنارہ ہے لیکن حقیقت میں اسکے ہاتھ میں خود بادشاہ اور اس کی سلطنت ہے غرض کہ اس کلام پاک کی عظمت اس کے ذہن میں اس حد تک مستحکم ہو جائے کہ جب قرآن مجید کی طرف نظر کرے اور اس کلام پاک کا تعلق مصحف کے ساتھ ملاحظہ کرے تو اسکی آنکھ مصحف کی طرف نظر کرنے سے خیرہ ہو جائے اور اسکا سینہ اس کلام کی عظمت سے پاش پاش ہو جائے پھر اگر یہ ملاحظہ کرتا ہے کہ وہ کلام پاک مصحف کے واسطے سے میرے قابو میں ہے جس وقت اسکی طرف توجہ کروں بے تکلف زبان پر لا سکتا ہوں اور جس وقت چاہوں جان و مال خرچ کیے بغیر اسکو ہاتھ لگا سکتا ہوں اور اپنے سینہ پر رکھ سکتا ہوں البتہ اس کو اس ملاحظہ کے سبب سے اپنے حال پر نہایت تعجب اور بڑی حیرت آتی ہے جیسے ایک بڑا قیمتی یاقوت ایک بے حیثیت مفلس کے ہاتھ لگ جاتا ہے پس اگر اس کو دیکھتا ہے تو اس یاقوت کی درخشانی کی وجہ سے اسکی نظر خیرہ ہوتی ہے اور اگر اپنی مفلسی اور کم مایگی کا خیال کرکے اس امر کا تصور کرتا ہے کہ میں اسکا مالک ہو گیا ہوں تو حیرانی اور تعجب کے جنگل میں سرگردان ہو جاتا ہے اور جب اس کلام پاک کی عظمت جیسی چاہیئے اسکے ذہن میں قرار پذیر ہو گئی اور اسی کلام پاک کے سبب سے اس صمد بے نیاز کی بارگاہ عالیجاہ میں اپنا ارتباط اچھی طرح سمجھ لیا کہ اب چاہیئے کہ توبہ کا عزم مصمم کرے اور اسکا طریق یہ ہے کہ ایام متبرکہ میں سے کوئی دن اختیار کرکے قرآن مجید کو اپنے ہمراہ لیکر ایک خالی مکان میں داخل ہو جائے اور بارگاہ رب العالمین میں حمد و نیاز بے اندازہ اور الحاح بے قیاس بجا لا کے کہے کہ اے بار خدایا میں ہر طرح سے عاجز ہوں اور تو ہر چیز پر قادر ہے، توبہ، جو راہ نبوت کا پہلا قدم ہے مجھے عنایت فرما اور اس عطا میں اپنی عنایات بے نہایات کو ملاحظہ فرما نہ میری بے لیاقتی اور بے استعدادی سے کہ استعداد اور

ت بھی تیرے ہاتھ میں ہے۔ شعر

تو چوں ساقی شوی در تنگ ظرفی ماند — بقدر بحر باشد وسعتِ آغوشِ ساحلہا

بعد ازاں نماز تسبیح گناہوں کے کفارہ ہونے اور حصولِ حقیقت توبہ کی نیت سے کمال خضوع اور توجہ سے گذارے اور نماز کے اکثر ارکان میں اپنے دل کو طلب تکفیر سیئات اور حصول حقیقت توبہ کی طرف متوجہ رکھے بعد ازاں حق سبحانہ وتعالیٰ کے وہی انعامات اور اسکی ناخوشی کی نہایت قباحت اور منہیات شرعیہ سے کمال تنفر ملاحظہ کرے پس اگر حالت مرتومتہ الصدر اسکے باطن میں ظاہر ہو جائے اور اسکے ظاہر و باطن کو لے لے اور اسکا تمام خیال اور دل اور وہم اسی حالت میں مستغرق ہو جائے تو بہتر ورنہ اس امر کو دوسرے دن پر حوالہ کرکے واپس آجائے پھر دوسرے دن اسی طرح کرے تا وہی حالت ظاہر ہو جائے بعد ازاں اسی حالت کے اثنا میں کلام مجید کی عظمت اور اپنے اور رب العزت کے درمیان اسکے محکم رابطہ ہونیکو ملاحظہ کرے اور جسوقت اس کلام پاک کی عظمت اور رب تعالیٰ اور اسکے بندوں کے درمیان اسکے واسطہ ہونیکی عظمت اسکے سینے کو مالا مال کردے اور اس کلام پاک کی ملابست کی خوشی اور ابتہاج اسکے دماغ کو لبریز کردے پس اسوقت ایک نظر جو کمال تعظیم دل کے ساتھ ملی ہوئی ہو قرآن مجید پر ڈالے اور کہے الٰہی میں نے اس کلام پاک کو تیرے حضور میں شفیع بنایا اور اسے اپنا وسیلہ گردانا اور اس تیرے حبل متین کے ساتھ اپنے آپ کو محکم باندھا بعد ازاں عزائم شرعیہ کی پیروی کرنے اور منہیات شرعیہ سے "یعنی جو اس قسم کے طالب کے حق میں منہیات ہیں کیونکہ ایسے شخص کے حق میں بلا ضرورت رخصت شرعیہ پر عمل کرنا بھی منجملہ منہیات ہے" پرہیز کرنیکو ملاحظہ کرکے عقد توبہ کرے اسکی تصویر اس طرح ہیکہ جیسے کوئی شخص کسی کام کے واقع کرنے یا کسی چیز سے اجتناب کرنیکو اپنے ذمہ لازم کرلیتا ہے اور اس التزام کی پختگی کیلئے اس چیز کی قسم کھاتا ہے جو اس کے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ تر محبوب ہے مثلاً اگر مومن پاک ہے تو حق تبارک وتعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اور اگر اسکے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ محبوب اپنا فرزند یا مال یا آبرو یا جان ہے تو اس چیز کی قسم یاد کرتا ہے (جو اسکے نزدیک احب الاشیا ہے) اور اگر عاشق ہے تو اپنے معشوق کی قسم کھاتا ہے تو البتہ ضرور ایسی مغلظ قسم کھانے کے بعد اس کام کے کرنے یا اس چیز سے اجتناب کرنیکا پختہ ارادہ فولادی میخ کی طرح اسکے تہ دل سے اٹھتا ہے اور اس کے کلام سے

مختلط ہوتا ہے جسکو عقد یمین کہتے ہیں اسی طرح کی قوی ہمت اپنے تہ دل سے اٹھا کر اور قرآن مجید کے توسل کر کے اپنی زبان سے کہے کہ بار خدایا میں نے تیری عنایت پر توکل کر کے اتباع شریعت کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اور جانب شریعت کو اپنے اور اپنے نفس اور مال اور جان اور آبرو اور فرزند و عیال اور استاد اور پیر اور آقا اور تمام مخلوقات کی جانب پر میں نے ترجیح دی ہے اے بار خدایا میں عاجز محض ہوں اور تیری عنایت پر بھروسہ کر کے اس امر عظیم التزام اپنے ذمے لازم کرلیا ہے پس محض اپنے کرم سے اس عقد کو پورا کرائیو۔ بعد ازاں ہمیشہ اس شخص کو لازم ہیکہ عقد توبہ کی مراعات کرتا رہے اور اس امر کی طرف ہمیشہ التفات رکھے کہ میں نے ملک الاملاک کے حضور میں جو قادر علی الاطلاق اور عالم السر والخفیات ہے اور شدید العقاب اور سریع الانتقام ہے اس عقد کو منعقد کیا ہے ایسا نہ ہو کہ ایک سر مو اس سے تجاوز کر جاؤں اور نقض عہد کا داغ ہمیشہ کیلئے میری پیشانی پر باقی رہ جائے مانند اس شخص کے جس نے ایک بادشاہ عالی جاہ صاحب قدرت و انتقام کے محکمہ میں مچلکہ لکھدیا ہو کہ فلاں چیز کرونگا اور فلاں چیز نہ کرونگا تو البتہ اس شخص کو ہر حرکت و سکون اور ہر قول و فعل میں اس مچلکہ کا لحاظ رہیگا یعنی جب کسی فعل یا قول یا کسی حرکت یا سکون کا قصد اس کے دل میں گزریگا تو پہلے پہل اسکو عقل کی ترازو میں تولیگا کہ یہ امر اس نوشتہ کے موافق ہے یا مخالف اس تامل کے بعد اس فعل کو وقوع میں لائے گا اور نیز اس طالب کو لازم ہیکہ ایک مناسبت قوی اور خصوصیت زائد بہ نسبت قرآن مجید کے اپنے دل میں مستحکم کرے مثل مناسبت طالب کے اپنے شیخ سے مثلاً جو شخص کہ طریقہ قادریہ میں بیعت کا ارادہ کرتا ہے ضرور اسکو حضرت غوث الاعظم کی جناب میں ایک اعتقاد عظیم حاصل ہوجاتا ہے اور جس وقت اس کی بیعت اس خاندان عالی شان میں واقع ہوجاتی ہے تو اعتقاد سابق کی نسبت ایک مناسبت زائدہ اسے حاصل ہوجاتی ہے کہ اپنے آپ کو آنجناب کے غلاموں کے گروہ سے شمار کرتا ہے اور اس عالی جناب کے حلقہ بگوشوں کی جماعت میں اپنے آپ کو داخل کرتا ہے اسی طرح قرآن مجید کی عظمت کا اعتقاد اگرچہ ہر صاحب ایمان پر ایمان کی طرح واجب ہے لیکن اس طالب کو اس کلام پاک سے ایک اور ہی مناسبت ہو جاتی ہے بعد ازاں اسی توبہ کو کسی عزیز کے ہاتھ پر جو اتباع کتاب و سنت اور اجتناب بدعت میں اس زمانہ میں اپنے امثال و اقران میں ممتاز ہو ظاہر کرے پس قرآن مجید کو تو اپنا شیخ حقیقی جانے اور اس

عزیز کو شیخ ظاہری پس ضرور ہیکہ اتباع قرآن کو اصل جانیگا اور اس عزیز کے اتباع کو اس کی
فرع اور یہ امر بالکل ظاہر ہیکہ جب اصل وفروع آپس میں متعارض ہوتے ہیں اسوقت فرع درجہ
اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے یہ ہے تصویر مقام توبہ کی اس وجہ پر جو اس طریق سے مناسب ہے
اور اس طرز پر عقد توبہ کرنے میں فوائد عظیمہ اور منافع جلیلہ ہیں اور عمدہ منافع سے توبہ میں
استقامت حاصل ہوتا ہے تفصیل اسکی یہ ہیکہ تجربہ صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہیکہ جب کوئی طالب
کسی عزیز کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو عنایت خداوندی اس بزرگ کی وجاہت کے سبب
سے اس طالب کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور گناہ کے ارتکاب کے مواقع اور منہیات کے
دلدل کے مکان سے طرح طرح کے لطائف غیبیہ اور حیل قدسیہ سے اسکو باز رکھتی ہے اور
یہ امر دو وجہ سے متحقق ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ عزیز باوجود وجاہت عند اللہ کے کامل النفس
قوی التاثیر اور صاحب کشف صحیح ہوتا ہے پس حق جل وعلا اسی بزرگ کو اس طالب کے
فلاں منہیات میں واقع ہونے پر مطلع کر دیتا ہے اور گناہوں سے اسکے بچانے کا حکم فرماتا ہے
پس وہ بزرگ کسی نہ کسی تدبیر سے خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں درمیان اس طالب کے اور
نتائج کے حائل ہو جاتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہیکہ حق جل وعلا اس سبب سے کہ اس بزرگ
پر بڑی عنایت رکھتا ہے غیب الغیب سے ایک لطیفہ ظاہر فرماتا ہے جو اس طالب کی حفاظت
کا سبب ہوتا ہے اور یہ لطیفہ بوجہ من الوجوہ اس بزرگ کی طرف منسوب ہوتا ہے اگرچہ اس
عزیز کو اس معاملہ پر مطلق اطلاع نہ ہو بلکہ اس لطیفہ کا اس طور پر ظاہر ہونا کہ اس بزرگ کی طرف
منسوب ہو محض اس بزرگ کی زیادہ وجاہت کیلئے پردۂ غیب سے ظاہر ہوا ہے جیسے منقول ہے
حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب زلیخا کے ساتھ خلوت میں تنہا ہوئے اور اس
عاشقِ تباہ حال نے حصول وصال میں طمع کیا تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت
دانتوں میں انگلی لئے ہوئے یوسف علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوئی اور اس معاملہ کے درہم برہم
ہو جانے کا سبب بن گئی حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے حال سے مطلق
خبر نہ تھی بلکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے (بحکم خداوندی) حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت
میں ظاہر ہو کر اس معاملہ کو توڑ تاڑ دیا۔ جب یہ دونوں وجہیں ذہن نشین ہو گئیں پس جاننا

چاہیئے کہ یہ دونوں وجہیں قرآن مجید میں اس طرح متحقق اور ثابت ہیں کہ کسی ممکن میں متصور نہیں کیونکہ حقیقت قرآنی ایک امر ہے امور قدسیہ سے کہ حقائق امکانیہ میں سے کسی کے ساتھ اسکو مشابہت نہیں اسلیئے کہ وہ ممکن اور واجب کے درمیان ایک برزخ ہے اور اسکی وجاہت اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس حد تک ہے کہ کسی کو اسکا ادراک بھی ممکن نہیں اس وجاہت کے حاصل ہونیکا تو کیا ذکر ہے کیونکہ یہ کلام منجملہ صفات ازلیہ اور کمالات ذاتیہ حضرت حق سبحانہ کی ہے اور جو علاقہ صفات اور ذات کے درمیان ہے اس کا تصور ممکن نہیں پس ضرور ہے کہ حضرت حق کی عنایت اس طالب کی حفاظت کی طرف بہ اکمل وجوہ متوجہ ہوگی خواہ پہلے طریق سے خواہ دوسرے طریق سے یعنی اس طالب کی حفاظت یا تو اس طریق سے ہوگی کہ اسی حقیقت قرآنیہ کی طرف سے جو کہ نور مقدس ہے اس طالب اور امور منکرہ کے درمیان بوجہ من الوجوہ خواب میں یا بیداری میں حیلولت واقع ہوجائیگی یا اس طریق سے کہ حق جل وعلا بلاتوسط یا بہ واسطہ ملائکہ یا ارواح مقدسہ کے بہ سبب برکت توسل قرآن کے اس طالب کی حفاظت کرے گا۔

دوسرا افادہ۔ جبکہ طالب راہ نبوت نے مقام توبہ میں رسوخ حاصل کرلیا تو اسے لازم ہے کہ ذکر ایمانی اور مراقبہ صمدیت میں قدم ہمت راسخ کرے اور ذکر ایمانی کا طریق یہ ہے کہ اول قرآن مجید اور اذکار منقولہ اور ادعیہ ماثورہ کے معانی لغویہ کی تحقیق کرے۔ اگر خود فنون عربیت کا عالم ہے تو بہتر ورنہ اس امر کو اس فن کے محققین سے جو صاحبان اعتبار اور اولو الایدی والابصار ہوں انکو دریافت کرے اور معانی لغویہ کے حاصل کرنے میں عرب اول کی لغت کے سوا اور کسی کی طرف التفات نہ کرے اور فنون ادب کے متعمقین کی موشگافیوں پر جو جنہوں نے فضیلت نمائی کیلئے اپنے آپ کو محققین عربیت سے قرار دیا ہے اور اکثر اہل اسلام پر مقصود کا راستہ گم کردیا ہے، فریفتہ نہ ہو کہ وہ بدعت محض اور لہو ولعب میں عمر کا ضائع کرنا ہے۔ بیت

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

بعد ازاں خلاصہ ان معانی کا اور تفصیل ان مضامین کی جس طرح پہلے باب میں مذکور ہوئی ہے ملاحظہ کرے اور اسکو تہ دل میں مستحکم کرے اور اس ملاحظہ کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار اور ادعیہ ماثورہ کا زبان سے بین الجہر والاخفا[1] اکثر اوقات میں پڑھنا شروع کرے و لیکن جہر مفرط

[1] یعنی نہ بہت پکار کر پڑھے اور نہ بہت آہستہ بلکہ بین بین۔

اور اخفائے مفرط پس وہ بعض بعض اوقات میں مفید ہوتا ہے اور اسکی عادت کر لینا چنداں مفید نہیں اور جہر مفرط کی حد مثل اذان اور تلبیہ سے سمجھنی چاہیئے اور اخفا مفرط کی حد کان[1] سے تصور کرنی چاہیئے اور وسط کی حد کو اس کلام پر قیاس کرنا چاہیئے جو لوگوں کی آپس میں اہل ادب کی محفلوں اور ارباب تمیز کی مجلسوں میں واقع ہوتی ہے اور معلوم کرنا چاہیئے کہ ذکر ایمانی سے مقصود صرف کثرت ذکر کی یا مجاہدہ نفس کا یا صرف ضبط اوقات نہیں بلکہ مقصود اس سے اسی حالت کا پیدا کرنا ہے لیکن بدون تحقق اس حالت کے اس ذکر کو منجملہ ریاضات نفسانیہ کے شمار کرنا چاہیئے الغرض ذکر ایمانی میں اتنی کثرت نہ کرنی چاہیئے کہ ذاکر کی طبیعت اکتا کر ملول اور جلد ہو جائے بلکہ بتدریج نفس کو اسکا عادی کرنا چاہیئے ولیکن مراقبہ صمدیت پس جاننا چاہیئے کہ اس مراقبہ کی اصل مبادی جسطرح کہ پہلے اور تیسرے باب میں مذکور ہوئے ہیں وہ حضرت حق سبحانہ وتعالی کے انعامات اور اس قادر مطلق کے عجائبات قدرت کا ملاحظہ ہے لیکن خوشی اور فرحت کا ہیجان اور اپنے قصور اور احتیاج کا ظہور اور حضرت حق کی عظمت کا انکشاف اور اس حکیم مطلق کی حکمت کا اذعان جو مراقبہ صمدیت کا اصل ٹھکانا ہے وہ ابتدائے احوال میں نعم مشترکہ اور تاثیرات عادیہ کے ملاحظہ کے سبب سے حاصل نہیں ہوتا مثلاً مینہ برسانا اور کھیتوں کا اگانا اگرچہ بہت بڑی نعمتوں میں سے ہے لیکن چونکہ اس نعمت میں تمام افراد انسانی شرکت رکھتے ہیں لہذا اس امر کے ملاحظہ سے ایک عامی شخص کو حالت مرقومۃ الصدر نہیں پیدا ہوتی اور اسی طرح آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور اجرام نیرہ فلکیہ کا موجود کرنا اگرچہ قدرت کے ظاہرہ کے اعظم آیات اور حکمت باہرہ کے آثار اور عظمت قاہرہ کے علامات سے ہے لیکن چونکہ یہ امور مذکورہ اکثر اوقات انسان کے سامنے رہتے ہیں اس وجہ سے ان امور کے ملاحظہ سے اسکے ذہن کو کمالات حضرت حق کی طرف انتقال واقع نہیں ہوتا اسی لئے طالب پر لازم ہے کہ ان خاص نعمتوں کا ملاحظہ کرے جو اس کے اپنے نفس یا اس کے امثال کے شامل حال ہیں اور ان عجائب قدرت کا ملاحظہ کرے جو برخلاف عادت میں ظہور میں آئے ہیں اور جو قصص ایسے مضامین پر شامل ہوں انکو مکرر سہ کرر گوش ہوش سے سننے اور انکو بار بار اپنی بصیرت کے منہ کے سامنے حاضر کرے اور دمبدم اپنے آپ کو اس عظیم بالاستحقاق کی عظمت کے سمندر میں غرق اور منعم علی الاطلاق کے انعامات کے بادیہ میں متحیر کرے تاکہ مراقبہ صمدیت کا سر رشتہ ہاتھ میں

[1] یعنی جو کان سے نہ سنائی دے وہ اخفائے مفرط میں داخل ہے۔

آئے اور جب مراقبہ صمدیت اس طریق پر کہ باب اول اور باب ثالث میں مذکور ہوا ہے اسکے ذہن نشین ہو جائے تو اسے ذکر ایمانی سے مخلوط اور ممزوج کرے اگر ممکن ہو تو ذکر ایمانی کے اثنا میں مراقبہ صمدیت کرے ورنہ بعض اوقات ذکر اور بعض اوقات فکر میں مصروف کرے اور ابتدائے حال میں فکر کو ذکر سے اہم جانے اور ذکر ایمانی اور مراقبہ صمدیت میں سے ہر ایک کیلئے بعض امور تائید کرتے ہیں ان موائدات کے سبب سے ذکر و فکر کو رونق ہوتی ہے اور اسکے آثار قوت اور جلدی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور بزرگ ترین موئدات سے خدمت خلق ہے خصوصاً یتیموں اور مسکینوں اور مفلسوں کی خدمت اور اہل حوائج کی حاجات کا پورا کرنا اور مریضوں اور بیماروں کی خبر گیری کرنا غرض ان لوگوں کے حق میں سعی کرنا جو اپنی حاجتوں کے حاصل کرنے سے عاجز و درماندہ ہوں اور حصول مطالب کے دروازے انکے منھ پر بند ہو گئے ہوں (اعلی درجہ کا موئید ہے) آخر کلام یہ ہے کہ جب ذکر اور فکر پر مداومت اور مواظبت کریگا تو سعادت دارین یعنی حُبِّ ایمانی کے خزانوں کی کنجی اسکے سپرد ہو جائیگی اور اسی حب کا پیدا ہونا ذکر اور فکر کے کامل کرنے کی علامت ہے یعنی اس حب کے پیدا ہونے کے سبب سے معلوم ہو جائیگا کہ ذکر اور فکر اپنے کمال کو پہنچ گیا ہے۔ تیسرا افادہ۔ جب حب ایمانی اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اسوقت طالب کی ہمت کا بلند پرواز طائر اس راہ کے مشہور ترین نشان اور اس طریق کے واضح ترین علامات پر جسکا نام فنائے ارادت ہے پہنچ جائیگا۔ چنانچہ باب اول میں اسکا مذکور ہو چکا ہے اور اسی کمال کا حاصل ہو جانا حُبِّ ایمانی کے مکمل ہونے کی علامت ہے واضح ہو کہ نفس کا ارادہ سے خالی ہو جانا راہ نبوت میں بمنزلہ شغل نفی کے ہے راہ ولایت میں کیونکہ یہ دونو شغل ان دونوں طریق کے اصل الاصول ہیں بیان اسکا اسطرح ہے کہ سلوک راہ نبوت کا کمال یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کا کمال درجہ مطیع و فرمانبردار ہو جائے اور رابطہ عبودیت نہایت مستحکم اور مضبوط ہو جائے اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو پتھر اور لکڑی کی طرح اپنے مولیٰ کے ہاتھ میں تصور کرنا اور اپنے نفس کی لوح کو ارادوں اور عزیمتوں کے نقش سے پاک صاف کر دینا پورے طور سے کامل انقیاد اور استحکام علاقہ عبودیت کا قوی ترین مرتبہ ہے ہاں بعض اوقات بعض فرمانبردار بندے اپنے عقل و تدبیر کی مداخلت کے سبب اپنے مولیٰ کے دربار میں وجاہت حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس وجاہت کا حاصل کرنا اسی صورت میں متصور ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ سے بڑھکر عقلمند ہو پس مولیٰ کسی چیز کا امر فرماتا ہے اور یہ خیر خواہ بندہ اپنی ہوشیاری کے سبب جانتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل میں

مولیٰ کے کارخانوں میں سے کوئی کارخانہ برباد ہوجائیگا پس اگر یہ غلام اس وقت میں بھی تعمیل فرمائش پر اکتفا کرے اور اپنی عقل اور سمجھ کو دخل نہ دے تو بیشک ملامت اور عتاب سے وہ بالکل بری اور معذور ہے اور اگر اپنے عقل اور فہم کے مطابق کسی قدر مداخلت کرے اور اس مداخلت کے سبب سے کوئی معاملہ معاملات مولیٰ سے خراب نہ ہو پس اگرچہ شرعًا عتاب اور ملامت کا محل ہوگا لیکن اصلاح معاملات مولیٰ میں کوشش کرنیکے سبب جو خیر خواہی کی علامت ہے اپنے مولیٰ کے حضور میں ایک قسم کی وجاہت حاصل کریگا اور جب یہ معاملہ عبودیت کا جاہل اور نادان غلام اور مولائے حکیم علی الاطلاق اور عالم السر والخفیات کے درمیان ہو پس اس جگہ سوائے فرمانبرداری اور تعمیل حکم کے کسی اور راستہ میں چلنا اپنے آپ کو ہلاکت اور گنہگاری کے خطرہ میں ڈالنا ہے اور اس جگہ ایک نکتہ ہے جسکا جاننا نہایت ضروری ہے اور وہ ارادہ سے خالی ہونیکے اقسام کا بیان ہے پس جاننا چاہیئے کہ ارادہ سے خالی ہونا تین قسم پر ہے قسم اول اور وہ سالکین راہ ولایت کی مقصود ہوتی ہے وہ عبادت ہے خواہش اور ارادہ کے بطلان سے بیان اسکا اس طرح ہے کہ انسان کو مقام فنا میں رسوخ حاصل ہونے کے سبب سے ہر شے کی خواہش اور رغبت باطل ہوجاتی ہے اور توحید افعالی کے انکشاف کے سبب سے عزم اور ارادہ کی بیخ کاٹی جاتی ہے اور اپنے آپ کو تقدیر کے ہاتھ میں بس اس طرح سمجھتے ہیں جیسے لکڑی پتھر اور جماد بیجان کی طرح اپنے آپ سے گئے گذرے ہوتے ہیں اور گویا اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہیں۔ دوسری قسم اور وہ راہ نبوت کے ابتدائی سالکوں کے نصیب ہوتی ہے اور وہ اپنے ارادہ کو مرضی مولا کے ارادہ کا تابع کر دینا ہے بیان اسکا اس طرح ہے کہ یہ لوگ خواہش اور رغبت اور ارادہ اور شہوت سے خالی نہیں ہوتے اور انکی عزم و ارادت بالکل باطل نہیں ہوتی امور مرغوبہ کی طرف شوق اور مکروہ چیزوں کے پیش آنے سے نفرت انکے دل سے جوش مارتی ہے لیکن اپنے مولیٰ کی رضا جوئی کے لیئے اس خواہش اور رغبت اور کراہت اور نفرت کو بدون اجازت مولیٰ کے جاری نہیں کرتے اور اپنے ارادہ کو موافق اقتضائے طبیعت کے ہرگز استعمال نہیں کرتے اور یہ سب کچھ اپنے مولیٰ کی رضا پانے کیلیئے اپنے اوپر بند کرتے ہیں۔ تیسری قسم اور وہ ان لوگوں کا حصہ ہے جو طبقہ نبوت کے عالی منصبوں پر پہنچے ہوئے ہیں اور وہ اپنے مولیٰ کی طرف کے امر کے صادر ہونیکی انتظار میں اپنے ارادہ کو معطل اور بیکار کر دینا ہے۔ بیان اسکا اس طرح ہے کہ چونکہ اس راہ سے بلند منصب والوں

پھر رحمت ربانی اور حکمت حقانی منکشف ہوجاتی ہے یعنی اپنے تہ دل سے اس امر کو جان لیتے ہیں کہ جو کچھ انسب و اولیٰ ہے حکمت الہٰی اسی کا تقاضا کرتی ہے اور کسی اولیٰ اور انسب کو حکمت خداوندی فروگذاشت نہیں کرتی اور ہم جیسے فرمانبردار بندوں کو رحمت الہٰی ہرگز مہمل اور معطل نہ چھوڑیگی بلکہ ہم بندوں کے حق میں جو کچھ اولیٰ اور انسب ہے اسی کام میں ہم کو لگادیگی اور اسی کام کا ہمیں حکم دیگی اس لئے اپنے عقلوں اور ارادوں کو کارخانجات الہیہ میں دخل دینا محض لغو اور بیفائدہ کام ہے پس جو شخص اس مولائے حکیم و رحیم و علیم کے بندوں کے زمرہ میں منسلک ہو اسکا کام یہی ہے کہ اپنے عقل و ارادہ کو اسکے کارخانہ میں مطلق دخل نہ دے بلکہ اپنی نظر کو اپنے مولیٰ کے چہرہ کے برابری کر اسکے حکم کا منتظر ہو اور اپنے مولیٰ کی خدمتوں میں سے کسی خدمت معینہ کو اپنی رائے سے اپنے اوپر لازم نہ کرے اور وہ خاص خدمت اپنا شعار نہ بنائے بلکہ خدمت حاضر باشی اور دوام ملازمت کو اپنا شعار بنائے اور اپنے مولیٰ کی اوضاع و اطوار سے اسکی مرضی کو پہچان کو ہمیشہ اسکی نظر کے روبرو اپنے آپ کو حاضر رکھے اور ہر وقت اسکے حکم کے صادر ہونیکا منتظر رہے تاکہ جو حکم اسکے مولیٰ کی طرف سے صادر ہو اسی کام میں اپنے آپ کو کمال چستی اور چالاکی سے لگائے۔

**چوتھا افادہ**۔ جب فنائے ارادہ اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اسکی علامت یہ ہیکہ طالب محدثین اور شہداء کے زمرہ میں داخل ہوجائے اس وقت مراقبہ عظمت شروع کرے بیان اسکا اس طرح ہے کہ جسطرح سالکان راہ ولایت پہلے ملکۂ یادداشت کے حاصل کرنے میں کوشش کرتے ہیں یعنی ہمیشہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف دل کی توجہ لگی رہنا اور بعد اسکے کہ یادداشت کا ملکہ انکے نفس کی صلب میں راسخ ہوجاتا ہے اس وقت اسکو بعض صفات کیساتھ ممزوج کرتے ہیں جیسے اس ذات منبع البرکات کا تمام کائنات پر احاطہ کرنا یا مظاہر متعددہ میں ظاہر ہونا یا کثرت کونیہ کا اس ذات سے صادر ہونا یا اس طالب کی نسبت اس ذات کا قرب اور معیت وجودیہ اسی طرح اس طالب یعنی طالب راہ نبوت کو چاہیئے کہ بعد حصول ملکۂ یادداشت کے صفت سلطنت اور حکومت کو ضم کرے اور مضمون آیت۔ لَهُ[1] مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ وَلَهُ[2] مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ وَهُوَ اللّٰهُ[3] فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ کو ملاحظہ کرے اور معیت اور قرب علمی

---

[1] یعنی اسکا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں [2] اور اسی کا ہے جو بستا ہے رات میں اور دن میں [3] اور وہ اللہ ہو آسمانوں میں اور زمین میں جانتا ہے تمہارے چھپے اور کھلے کو۔

کو اپنے پیش نظر رکھے اور اسکی سلطنت اور حکومت کا انبساط آسمان اور زمین پر اور خشکی اور سمندر اور آبادی
اور ویرانہ اور بسیط اور مرکب اور اپنے اندر اور باہر ہر جگہ مساوی اور برابر سمجھے پس جو حرکت اور سکون کہ اس
سے یا اسکے غیر سے صادر ہو صرف اس حرکت یا سکون کے صادر ہونے سے یہ مضمون اسکے تہ دل سے اٹھ کھڑا
ہوتا ہےکہ اسکو حق تبارک و تعالیٰ جانتا ہے اور دیکھتا ہے اور آپ اپنے کو خلوات[1] اور جلوات بلکہ تمام
حالات میں اکیلا اور تنہا نہ سمجھے بلکہ اسکا حال اس آدمی کے حال کی طرح ہوتا ہےکہ اسکے ہمراہ ہمیشہ ایک ایسا
شخص لگا رہتا ہےکہ اسکو اس آدمی کے ساتھ علاقہ ابوت کا بھی ہے اور علاقہ تربیت کا بھی اور علاقہ
ولایت کا بھی ہے اور علاقہ سلطنت کا بھی اور علاقہ آقائی کا بھی اور استادی اور پیری کا بھی اور علاقہ
محبت اور محبوبیت کا بھی اور یہ سالک صرف قرب وجودی پر اکتفا نہ کرے یعنی محض اس قدر جان لینا
کہ وہ شخص میرے ساتھ موجود ہے اس راہ میں کفایت نہیں کرتا بلکہ یہ بھی جانے کہ وہ شخص دیکھتا بھی ہے
اور سنتا بھی ہے اور مطیع کی اطاعت اور مخلص کا اخلاص قبول فرماتا ہے اور اس پر تحسین اور آفرین
کرتا ہے اور آخرت میں ثواب جزیل اور دنیا میں قرب اور وجاہت اس پر عطا فرماتا ہے اور اسکو
اپنے خاص غلاموں کے گروہ سے شمار کرتا ہے اور گنہگار کی نافرمانی کو رد کرتا ہے اور اس پر لعنت
اور نفرین بھیجتا ہے اور آخرت میں عذاب شدید اور دنیا میں دوری اور خواری اسکے نصیب ہوتی
ہے اور اسکو کافر نعمتوں کے زمرہ سے شمار کرتا ہے اور بڑے بڑے گناہ جو انکو پہلی سی طاعتوں کے سبب جو
کمال اخلاص اور نہایت فرمانبرداری سے ملی ہوئی ہوں معاف کر دیتا ہے اور بڑی بڑی بندگیاں
چھوٹے چھوٹے گناہوں کے سبب سے جو خباثت نفس اور مخالفت حق سے ملے ہوئے ہیں حبط
اور برباد کر دیتا ہے غرض کہ نکتہ گیری اور نکتہ نوازی اسکی شان ہے یہ مت سمجھنا کہ مقصود اس
کلام سے یہ ہےکہ طالب راہ نبوت کو لازم ہے کہ اس مضمون کو تفصیل اور اپنے ذہن میں تصور کرے
ماشاءوکلا تصورات عقلیہ سے کیا کام نکلتا ہے بلکہ مقصود یہ ہےکہ حال اس طالب کا اپنے تمام احوال
میں اس شخص کے حال کی طرح ہو جائے کہ جو ایسے شخص کا ملازم ہو جسکے اوصاف پہلے مذکور ہو چکے ہیں
اور اسی طرح حضرت حق سبحانہ کی سلطنت کے تمام کائنات پر انبساط کے ملاحظہ سے صرف یہی مقصود
نہیں کہ اسکو اپنے ذہن میں تصور کرے فقط اذعان عقلی کرکے بلکہ مقصود یہ ہےکہ جس طرح آفتاب
ریگستان کے فضلات میں سے ہر ذرہ میں اضطراب خاک کی امواج میں سے ہر موج میں چمکتا ہے اور

[1] خلوات جمع خلوت بمعنی تنہائی، جلوات جمع جلوت بمعنی ظہور۔

دیکھنے والے کے خیال میں اس طرح گذرتا ہے کہ ایک نور کا دریا موج زن ہے اسی طرح فیض رحمان کی تمہیر واحد جو تمام کائنات پر مبسوط ہے جہان کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں جلوہ گر ہو اور تمام علویات اور سفلیات میں بلحاظ مجموعی و فرادی نمایاں ہو جائے مثلاً زمین کے جس قطعہ پر اور آسمان کے جس حصہ کے نیچے کھڑا ہو اس کا حال اس شخص کے حال کی طرح ہو جسکا ہاتھ پکڑ کر ایک شخص نے دریائے زخار کے مخافات میں زمین اور آسمان کے درمیان لٹکا رکھا ہو پس اگر وہ دریا کو دیکھتا ہے تو اس کو اس قابل نہیں دیکھتا کہ اسکا بوجھ اٹھا سکے اور اگر ہوا کو دیکھتا ہے تو اسکو بھی ایسا ہی جانتا ہے اور اگر آسمان کو دیکھتا ہے تو وہاں تک اپنا پہنچنا محال سمجھتا ہے پس اپنے ثابت رہنے کا سبب اس شخص کے سوا کوئی دوسری چیز اسکے ذہن میں نہیں آتی ۔ پس اپنے پختہ یقین سے جانتا ہے کہ جب تک اس شخص نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے کسی چیز کی مضرت مجھے نہیں پہنچ سکتی خواہ بحر زخار کی موجیں ہوں یا ہوا کے جھونکے یا آندھیاں اور اگر وہ شخص میرا ہاتھ چھوڑ دیگا تو تمام جہان میرے لئے ہلاکت گاہ ہے کیونکہ دریا کی جس موج پر گرونگا دیں ڈوب جاؤنگا اور اس امر میں (یعنی میرے غرق کرنے میں) امواج دریا میں سے کسی موج کی خصوصیت نہیں اور یہ ملاحظہ اسکے ذہن میں اسقدر مستحکم ہو کر بیٹھ جائے کہ اگر شیر درندہ یا مست ہاتھی اس پر حملہ کرے یا اسکا دشمن ننگی تلوار اسکے گلے پر رکھدے اس حالت کے اثنا میں وہ طالب یقیناً جانتا ہے کہ جبتک حضرت حق سبحانہ نے قدرت کا ہاتھ میری محافظت سے نہیں اٹھایا تب تک ان امور سے کچھ ضرر مجھے نہیں پہنچیگا اگرچہ ظاہر حال قطعی الوصول ہوں اور جسوقت اس حافظ مطلق نے محافظت کا ہاتھ میرے سر پر سے اٹھالیا اس وقت ہر چیونٹی پائمال اور ہر مگس بیکس میرے ہلاک کرنے میں کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اس طریق کے پیشواؤں نے جو اس مراقبہ کے خلاصہ سے کامیاب ہوئے ہیں جیسے انبیاء کرام اور انکے وارثان اعلام بڑے بڑے زبردست بادشاہوں کے ساتھ باوجود قلت انصار داعوان کے بے پرواہ مقابلے کئے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ مشہور و معروف ہے یہ نہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام سے یہ ہے کہ اس طالب پر بسبب قرب اسباب ہلاکت کے خوف اور انکے بعد کے سبب سے اطمینان ہرگز نہیں طاری ہوتا کیونکہ یہ امر تو لوازم بشریت سے خالی ہونیکے حکم میں ہے اور لوازم بشریت سے خالی ہونا اور دنیا میں خصوصاً راہ نبوت کے طالبوں کے حق میں جنکا خلاصہ تکمیل فطرت انسانی ہے ممکن نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اسباب مہلکہ کے قرب و بعد کے سبب سے خوف اور اطمینان جو

جو دل سے صادر ہو اور شغل اور ہوش کو پراگندہ کرے اس طالب پر طاری نہیں ہوتا بخلاف خوف اور اطمینان طبعی کے اور اس امر غامض کی توضیح یعنی خوف قلبی اور طبعی کے درمیان امتیاز کرنا ایک مثل کے بغیر حاصل نہیں ہوتا پس ہم کہتے ہیں کہ جس طرح کوئی شخص ایک لکڑی ہاتھ میں لیکر اپنے بیٹے کی آنکھ کی طرف متوجہ کرے اور کہے کہ میں یہ لکڑی تیری آنکھ میں ہرگز نہ ماروں گا میرا مقصود صرف تیرا امتحان لینا ہے پس جبتک وہ لکڑی اسکی آنکھ سے دور ہے کچھ تغیر اس لڑکے کے حال میں راہ نہیں پاتا اور جب وہ لکڑی آنکھ سے قریب ہو جاتی ہے ایک قسم کا تغیر اسکے شامل حال ہوتا ہے اسی لئے بے اختیار اسکی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں حالانکہ اسکے دل یقین میں اس لکڑی کے نزدیک اور دور ہونے میں کچھ فرق نہیں کیونکہ وہ یقینًا جانتا ہے کہ اس لکڑی کا ضرر مجھے ہرگز نہیں پہنچے گا خواہ قریب ہو خواہ بعید اسی لئے اسکے دل میں پریشانی اور بیقراری راستہ نہیں پاتی اور سانحہ ہونے کا خوف اسکے ذہن میں نہیں گذرتا پس اسی طرح یہ طالب صادق تمام کائنات کو حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں لکڑی اور پتھر کی طرح جانتا ہے اور تمام موجودات کو اسکی عظمت کا مقہور سمجھتا ہے اگرچہ خوف و اطمینان طبعی امور ضارہ اور نافعہ کے قُرب و بُعد کے سبب سے اس پر طاری ہو جاتا ہے کیا تونے حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ قرآن مجید میں نہیں سُنا کہ آنجناب نے باوجود اپنی کلاں سالی اور اپنی بی بی کے بانجھ ہونے کے جناب واہب العطیات جل جلالہ سے سعادت مند بیٹے کی درخواست اور استدعا کے طلب میں آپ کو باوجود موانع کے بیٹے کے پیدا ہونے سے کچھ کسی قسم کا استبعاد عارض نہ ہوا ورنہ انکی دعا جو کہ دل سے صادر ہوئی ہے آپ سے متصور نہ ہوتی اور جب غیب سے فرزند کے پیدا ہونیکی بشارت ملی اس وقت حصول ولد کے استبعاد کا کلمہ آپکی زبان ہدایت نشان سے صادر ہوا کہ فرمایا رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ۔ یعنی اے میرے رب میرے کیونکر بیٹا ہوگا حالانکہ میری بی بی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے سے نہایت کلاں سالی کو پہنچ گیا

**پانچواں افادہ**۔ جب مراقبہ عظمت اپنے کمال کو پہنچ جائے اور اسکے کمال کی علامت یہ ہے کہ دل کی روح جو کہ باب اول میں مذکور ہوئی ہے اسکے ساتھ لگ جائے اور بعض ارباب کمال اس مقام میں نوافل خدمات میں بھی داخل ہو جاتے ہیں اسوقت مراقبہ الوہیت کو شروع کرے اسکی تصویر یہ ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ کے شیون بے شمار ہیں منجملہ انکے شان حکم کی ہے کیونکہ باوجود مخالفین کے سنت مخالفت

کرنیکے انکے مواخذہ اور پاداش میں جلدی نہیں فرماتا اور منجملہ انکے شان عفو ہےکیونکہ ہر چند گنہگار لوگ فاحش ترین قبائح اور بزرگ ترین معاصی کے مرتکب ہوجاتے ہیں لیکن جب نیاز کی پیشانی نہایت انکسار کے ساتھ اسکی دہلیز پر آرگڑتے ہیں اور اخلاص دل سے توبہ کرتے ہیں توالبتہ وہ رحیم مطلق انکے گناہوں سے درگزر کرکے اس تائب کو اپنی کنف رحمت میں کمال عنایت اور مہربانی سے پرورش کرتا ہے اور اس ناشائستہ گناہ کو نسیا منسیا کردیتا ہے اور عذاب کو انعام سے بدل دیتا ہے اور منجملہ انکے شان فیض عموم کی ہے جیسے بارش کا برسانا اور کھیتوں کا اگانا وغیرہ وغیرہ کہ کامل اور ناقص اور مطیع اور عاصی اور محب اور معاند اور مکلف اور غیر مکلف اسمیں شرکت رکھتے ہیں اور اس کے دریائے رحمت نے سب کو گھیر لیا ہے اور آیت وَرَحْمَتِی وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اس عموم رحمت کے بیان سے ایک حرف ہے اور منجملہ شیون الٰہی کے شان وسعت ہےکہ نفس کاملہ انسانیہ میں وسعت حوصلہ اسکا ایک نمونہ ہے بیان اسکا یہ ہےکہ جس طرح بعض نفوس کاملہ بشریہ وسعت صدر میں نہایت اعلیٰ درجہ پر واقع ہوتے ہیں کہ مختلف امور کے ہجوم اور رنگارنگ معاملات کے درپیش ہونے اور طرح طرح کے کارخانوں کے اہتمام سے تنگدل اور پراگندہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ ہر ہر امر کی طرف توجہ مبذول رکھتے ہیں اور ہر ایک معاملہ کو بخوبی سرانجام دیتے ہیں اور ہر ایک کارخانہ کو اسی حد پر رکھتے ہیں جو اسکے ساتھ سزاوار ہے نہ اس قدر افراط کرتے ہیں کہ تمام ہمت سے ایک ہی کارخانہ کے اہتمام میں غرق ہوجائیں اور دوسرے کارخانہ کو برباد کردیں یا ایک کارخانے والوں کو اتنا تسلط دیدیں کہ دوسرے کارخانے والے رعایا کی طرح انکے ہاتھ میں مقہور ہوکر اصل مالک کارخانہ کو فراموش کردیں نہ اتنی تفریط کریں کہ کارخانہ بالکل بے رونق ہوجائے اور اس کارخانہ کے کارندے ذلیل وخوار ہوکر گمنام اور بیکار بیٹھ رہیں اور اسیطرح لوگوں کے ساتھ میل ملاقات کرنے میں بڑی وسعت رکھتے ہیں کہ ہر ایک مزاج اور استعداد والے اور ہر قسم کی غرض اور حاجت والے کے ساتھ اس وضع سے پیش آتے ہیں کہ انکے مناسب حال ہے اور اس قسم کا معاملہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس شخص کی استعداد کلیۃً لبریز ہوجاتا ہے اور اسکے ذہن میں اسطرح بیٹھ جاتا ہےکہ جو خصوصیت مجھے انکے ساتھ حاصل ہوگی کسی دوسرے کو اگرچہ خدمت اور مرتبہ میں مجھسے اعلیٰ اور افضل ہو حاصل نہیں ہوئی الغرض اس کلام کے مغز کو دریافت کرکے وسعت حوصلہ کے معنی کو خوب ذہن نشین کرنا چاہیئے بعد ازاں سمجھنا چاہیئے کہ جسقدر کارخانہ

ع۱ اور میری رحمت میں ہر چیز کی سمائی ہے ۱۲

خلائی اور ان نفوس کاملہ میں فرق ہے اسی قدر وسعت الہیہ اور ان بزرگوں کے وسعت حوصلہ میں فرق ہے اور
جس کسی نے وسعت الہیہ کا معنی خوب سمجھ لیا وہ جس قدر رنگارنگ کارخانوں اور گوناگوں معاملات پر اطلاع
پائیگا اسی قدر انبساط وسعت الہیہ اسکے ذہن میں قرار پکڑ لیگا اور بعض شیون الہیہ کے دشمنوں کی دشمنی کی پروا
نہ کرنا ہے کیونکہ حضرت حق کے دشمن اور اس جواد مطلق کے کافر نعمت اس منعم حقیقی کی مخالفت اور اس
مالک حقیقی کے اوامر کی نافرمانی اور اسکے احکام شرعیہ کے مقابلہ اور انبیا علیہم السلام کی تحقیر میں کس
قدر کوشش کرتے ہیں اور وہ جواد مطلق اپنی بخشش اور جود کا دروازہ ان بدبختوں پر بند نہیں کرتا اور
اپنی ولایت اور کفالت کی حفاظت سے انکو نہیں نکالتا بلکہ اگر بطریق تادیب کے ایک طرح سے ان پر
مواخذہ کرتا بھی ہے تو اور ہزاروں طریق سے بیشمار نعمتوں کا ان پر فیضان کرتا ہے خلاصہ کلام یہ کہ دنیا میں
اسکا مواخذہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے جیسے مہربان باپ اپنے نافرمان بیٹے کو ادب سکھلاتا ہے کہ اگرچہ وہ
بظاہر وہ مہربان باپ بمقتضائے حکمت و حکومت عاق بیٹے کی سزا پر اقدام کرتا ہے لیکن عین اسی تادیب
اور سرزنش میں اسکی خیرخواہی اور شفقت پدری مستور ہے اور بالکل اسکو برباد کرنا نہیں چاہتا اگرچہ
خود یہ تادیب بھی از قسم لطف و تربیت ہے لیکن مقصود اس مقام میں یہ ہے کہ وہ تادیب ایسی وجہ
پر نہیں کرتا کہ وہ عاق بیٹا محض برباد ہو جائے بلکہ ہر مواخذہ اور ہر ملامت میں اسکی خلاصی کا راستہ
بھی ملحوظ رکھتا ہے کہ اگر وہ کافر اپنی خلاصی کا راستہ اس مواخذہ سے ڈھونڈے اور اپنی نمک حرامی
سے پچھتا کر باز آئے تو البتہ اس ہلاکت سے نجات کا راستہ اس پر ظاہر ہو جائے اور ان تمام شیون
کی اصل علو ذاتی ہے کہ اسکا پرتو نفوس کاملہ پر پڑ جاتا ہے اور علو ہمت کے نام سے نامزد ہوتا ہے کیونکہ
جو شخص علو ذاتی میں اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا ہوا ہوتا ہے اور وہ ان امور خسیسہ دنیاوی کی اتنی لیاقت نہیں سمجھتا
کہ ان امور کے ہجوم کے سبب سے اسکے دل میں تشویش اور پریشانی راہ پاوے یا اسکے معاملات
میں تزلزل واقع ہو اسی لئے کمینوں کے گالم گلوج سے عالی ہمت بادشاہوں کے دل میں غصہ اور
کینہ کشی کا خیال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ وہ بزرگ ان کمینوں کو غبار اور خس و خاشاک کی طرح جانتے ہیں
اور بدلہ لینے کے لائق نہیں سمجھتے غرض ہم اس علو ذاتی الہی کا شیون مرقومۃ الصدر کی شرح کے لئے
سے اور عالم امکانی میں مطابق قانون حکمت کے انکے آثار کے ظہور کے اعتبار سے الوہیت نام رکھتے
ہیں پس الوہیت کو ایک درخت کی شکل تصور کرنا چاہئے اور علو ذاتی کو اس درخت کا تخم قرار دینا

چاہیئے اور شیون مذکورہ کو شاخوں اور پتوں کے جا بجا سمجھنا چاہیئے اور عالم امکانی میں ان کے آثار کے ظہور کو قائم مقام پھل کے پس طالب راہ نبوت کو بعد ظہور تمامتر مراقبہ عظمت کے لازم ہیکہ مراقبہ الوہیت کا شغل اختیار کرے اور مراقبہ الوہیت سے صرف یہ مقصود نہیں کہ الوہیت کے معنی کا تصور کرے بلکہ مقصود یہ ہیکہ اس کمال کو تصور کر کے اپنے نفس کے آئینہ میں اسکے انعکاس کی خواہش کرے کہ تخلقوا باخلاق اللہ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور جب معاملات مذکورہ میں سے کوئی معاملہ اس کو پیش آئے مثلاً کسی قوم کی ریاست اسکے سپرد ہو یا مختلف قسم کے معاملات اس پر ہجوم کریں یا کوئی مخالف اس کی مخالفت میں زور لگائے تو اس معنی الوہیت کو سوچ کر بمقتضائے اسی شان الٰہی کے معنی تشبہا باللہ معاملہ کرے غرض کہ اس کا حال اس شخص کے حال کی طرح ہو جسے محبوب کی وضع نشست و برخاست اور زی و لباس وغیرہ ہر معاملہ میں اسکے عقل و خیال کو مالا مال کر کے اسکے تمام بدن میں سرایت کر جائے مثلاً جب کسی سے کلام کرتا ہے تو وہی محبوب کا سا لہجہ اس سے جلوہ گر ہوتا ہے اور جب چلتا ہے تو وہی محبوب کی سی رفتار اس سے صادر ہوتی ہے اسی طرح اخلاق الٰہیہ صاحب اس مراقبہ کی صلب نفس سے صادر ہوتے ہیں اور اسکی تمام قوتوں میں سرایت کر جاتے ہیں۔ فائدہ۔ مخفی نہ رہے کہ مراقبوں کے آثار تین طریق پر ظاہر ہوتے ہیں اول یہ کہ جس چیز کا مراقبہ طالب حق کرتا ہے اسی چیز کے لوازم اس کے نفس میں ظاہر ہوتے ہیں اس کی مثال اسطرح ہیکہ کوئی شخص کریم ایک لطیف غذا کھا رہا ہو اور ایک بھوکے مفلس نے سوال کی آنکھ اس غذا پر لگائی ہو اور نہایت طمع کیساتھ اسے تاک رہا ہو تو ضرور ہیکہ وہ کریم النفس اس غذا کا ایک آدھ لقمہ اس مفلس کو دیگا اسی طرح جب طالب حق اپنی بصیرت کو نہایت خواہش اور کمال طلب کیساتھ شیون الٰہیہ میں سے کسی شان پر جیسے عظمت یا الوہیت یا معاملات سبحانیہ میں سے کسی معاملہ پر جو اس کریم مطلق اور اس کے خاص بندوں کے درمیان گزرتے ہیں جیسے خلت اور محبوبیت لگائے رہتا ہے تو البتہ اس شان کے لوازم اور اس معاملہ کے آثار میں سے کچھ حصہ طالب کی استعداد کے اندازہ پر اس کے نفس کے آئینہ میں جو تمام تر تجلیات حق کے زنگ سے مصفا ہے منعکس ہوتا ہے مثلاً اگر مراقبہ عظمت کیا ہو تو اسے ملا اعلیٰ میں ایک قسم کی وجاہت حاصل ہو جاتی ہے اور بعض کائنات پر ایک قسم کی سلطنت اور حکومت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر اس نے مراقبہ الوہیت کا کیا ہو تو اسکو وسعت حوصلہ اور بدی کا مقابلہ نیکی کے ساتھ اور عفو اور حلم کا ملکہ ہاتھ آجاتا ہے اور اگر مراقبہ خلت

کا کیا ہے تو اس پر بعض معاملات کا جیسے مکالمہ اور مسامرہ ظاہر ہو جاتا ہے اور دوسرا طریق اس طالب کو مقبولیت عامہ کا حاصل ہو جانا ہے اور ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل اور ارواح مقدسہ اور قلوب صلحاء بنی آدم میں اسکا ہر دلعزیز ہو جانا اور یہ امر باب اول میں ثمرات حب ایمانی کے ذکر میں مفصل لکھا جا چکا ہے تیسرا طریق نوافل عطایا ہے جیسی طرح کسی مفلس نے ایک منعم کے لذیذ طعاموں اور مزیدار میووں اور عمدہ پوشاکوں کی طرف آنکھ لگائی ہوئی ہو اور ان چیزوں میں سے کسی قدر کے حاصل ہونیکا امیدوار ہو پس ان چیزوں کا مالک قدرے ان چیزوں سے بھی اسے بخشدے اور کوئی اور چیز بھی جو اس مفلس کے مناسب حال ہو اگرچہ اشیاء مذکورہ کی جنس سے نہ ہو اسکو عطا کرے مثلاً مفلس نے طمع کی آنکھ غذا پر لگائی ہوئی تھی اور اسمیں سے کسی قدر کے حاصل ہونیکا امیدوار تھا تو اس طعام کے مالک نے غذا میں سے بھی ایک لقمہ اسکو بخشدیا اور کچھ نقد بھی اسے دیدیا تاکہ اپنے حوائج ضروریہ اس نقد کی بدولت پوری کرے اور بعض اوقات میں اسطرح اتفاق پڑتا ہے کہ وہ مفلس اس شے کی لیاقت نہیں رکھتا جس پر اس نے طمع کی آنکھ لگائی ہوئی تھی مثلاً وہ بیمار ہے اور لذیذ میووں کے حاصل ہونیکی طمع رکھتا ہے پس ان میوہ جات کا مالک بحکم ضرورت اس مفلس کو کوئی ایسی چیز جو جنس فواکہ سے نہ ہو جیسے ٹوپی یا قبا دیگر اس کی تسلی کر دیگا اور ان بخششوں کو جنکے حاصل ہونیکی امید نہ تھی نوافل عطایا کہتے ہیں اسیطرح طالب حق حب شیون الٰہی میں سے کسی شان یا معاملات ربانیہ میں سے کسی معاملہ کا مراقبہ کرے تو کبھی تو نوافل عطایا سے بہرہ یاب ہوتا ہے باوجود حصول ثمرات اس مراقبہ کے یا بدون حصول ان ثمرات کے۔ اور یہ نوافل عطایا کسی قاعدہ اور قانون میں جسکو عقول بشریہ ادراک کر سکیں ضبط نہیں ہو سکتے کیونکہ اس عطیہ نافلہ کی تعیین اس مراقبہ کے آثار کی مناسبت پر منحصر نہیں بلکہ اس طالب کی استعداد کی مناسبت پر موقوف ہے مثلاً کوئی شخص ابتداء سے فطرت میں ذکی الاصل نہایت تیز ذہن پیدا ہوا ہے اور طالب راہ نبوت کے وقت میں اس مراقبہ عظمت کی مشق کی پس اسکے آثار مرتب ہوئے یا نہ ہوئے لیکن اعلیٰ درجہ کی ذکاوت ذہنی اور علوم دقیقہ حقہ میں نہایت تیز فہمی اسکو نصیب ہو جائیگی اور اسیطرح جو شخص طہارت فطرت پر پیدا کیا گیا ہو عبادات حقہ کی توفیق اور بہ نیز تمام دین کا ملکہ حاصل ہو جائیگا اگرچہ امور مذکورہ مراقبہ عظمت کے آثار سے بالکل کچھ مناسبت نہیں رکھتے یہی سبب ہے کہ اکثر سالکین راہ حق اس طریق کے اشتغال اور اعمال کی مزاولت کرتے ہیں۔ اور جب انکے آثار کا ظہور اپنے آپ میں نہیں پاتے تو محرومی کی صدا اور یاس اور نہ

نا امیدی کے کلمے انکی زبان سے صادر ہوتے ہیں حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ممکن ہے کہ ان ہی اشغال و اعمال کی برکت سے کوئی اور امر ان امور سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہیں انکو حاصل ہو گیا ہو اگرچہ ان اشغال و اعمال کے آثار کی جنس سے نہ ہو اور ان اشغال و اعمال ان امور کے درمیان مناسبت نہ ہونیکی وجہ سے انکی عقل حقیقت حال پر واقف نہ ہوئی ہو اور اسیطرح اس راہ کے بعض طالب جو گذشتہ اہل کمال کے قصے سنتے ہیں کہ فلاں شخص کو فلاں شغل اور عمل کے سبب فلاں کمال حاصل ہوا تھا۔ پھر خود وہ شغل اور اعمال بجا لاتے ہیں اور اس کمال کا کچھ اثر اپنے آپ میں نہیں پاتے تو تعجب اور حیرانی کے دیرانہ میں سرگشتہ ہو جاتے ہیں پس کبھی تو ان قصوں کو جھٹلانے لگتے ہیں اور کبھی اس عمل کے شروط و ارکان میں شک کرنے لگتے ہیں کہ شاید یہ عمل اس عمل کا غیر ہو جو اس بزرگ سے صادر ہوا تھا۔ حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ کمال جنس نوافل عطایا سے تھا نہ اس عمل کے آثار کے قبیل سے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی طَرِیْقِ الرَّشَادِ۔

چھٹا افادہ۔ جب مراقبہ اُلوہیت اپنے کمال کو پہنچا اور اسکے آثار بیش از بیش ظاہر ہوئے اور کمال تکمیل کا مقام اسکے سپرد ہو گیا۔ اور خلافت عن اللہ کا مرتبہ اسکو نصیب ہوا بعد ازاں بعض کاملوں کو ایک ایسا مقام ظاہر ہوتا ہے کہ تحریر اور تقریر کی خلعت اسکی تصویر کے قد پر کوتاہ اور نازیبا ہے۔ اور یہ مقام مقام انکشاف وجہ اللہ کا ہے۔ اور آیت وَاصْبِرْ نَفْسَکَ[1] مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ اس معنی کی طرف ایک باریک سی رمز ہے ہر چند واضح کرنا اس مقام کا تقریر اور کلام سے متصور نہیں۔ مصرع۔ لذت مے نہ شناسی بخدا تا نچشی، لیکن اسکا خیال میں لانا اگرچہ تخیل ناقص ہی ہو۔ ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے۔ بیان اسکا اسطرح ہے کہ ہر امر کا ادراک خواہ وہ امور محسوسہ سے ہو یا امور غیبیہ سے اسکی مثل کے واسطہ سے ہو سکتا ہے مثلاً احساس انوار شہادیہ کا نور بصر سے ہوتا ہے اسی طرح تمام عوارض جسمانیہ محسوسہ کا ادراک آلات جسمانیہ ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے جنکا نام حواس رکھتے ہیں۔ اسیطرح ادراک عالم مثال کا قوت خیال کے ساتھ ہوتا ہے جو اس عالم کا نمونہ انسان کے بدن میں رکھا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس ان امور کا ادراک جو بین التجرد والتعلیق ہیں یعنی نہ تو بالکل مادہ سے مجرد ہیں۔ اور نہ پوری طرح سے مادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ قوت واہمہ کیساتھ ہوتا ہے جو بین العقل والحواس ہے اور اسیطرح کلیہ عقلیہ اور جزئیات مجردہ کا ادراک قوت عاقلہ سے ہوتا ہے جو تجرد اور بساطت میں ان امور کے مشابہ اور مماثل ہے۔ اور اسی قیاس پر ہیں تمام لطائف انسانیہ فقط

[1] اور روک اپنے نفس کو ساتھ ان لوگوں کے کہ پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام ... [illegible]

تجلی اعظم اور حقائق ملاءِ اعلیٰ کا ادراک لطیفہ سر کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور وجود منبسط کا ادراک لطیفہ خفی سے جو کہ حقیقت جامعہ انسانیہ کا لب لباب ہے۔ اور اسکا نام قلب رکھتے ہیں۔ پس یہیں سے سمجھنا چاہیئے کہ دریافت کرنا اس ذات بے کیف و بیچون و بیچگون و بے شبہ و بے نمون کا جو کہ تمام تجلیات سے برتر ہے۔ حتیٰ کہ وجود منبسط سے بھی جو تمام تجلیات کی اصل ہے اور وہ ذات والاصفات جو تمام تنزلات سے معرا ہے۔ حتیٰ کہ وجود منبسط سے بھی جو تمام تنزلات میں سے شامل تر ہے۔ اور وہ ذات پاک جو تمام موجودات کی مماثلت سے کسی صفت میں صفات منزہ ہے یعنی ذات کے اس مرتبہ کا دریافت کرنا جسکو مجہول مطلق اور ممتنع التصور قرار دیتے ہیں سوائے نور قدسی الٰہی کے کسی اور چیز سے ممکن ہے چنانچہ اس حدیث شریف میں کہ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِیْ ظُلْمَةٍ فَاَلْقٰی عَلَیْهِمْ مِّنْ نُّوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ اهْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاهُ ضَلَّ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے پس اسی نور قدسی کو ابتدائے آفرینش سے سعادتمندوں کی عقل میں ودیعت رکھا ہے پس وہ نور حق کا ایک قطرہ نور بصری کے قائم مقام ہے جو مجمع النور میں پوشیدہ ہے اور چنانچہ ابصار دیکھنے کا سبب فی الحقیقت وہی نور ہے۔ اور آنکھ کے تمام پردے بلکہ خود آنکھ کا جرم اس نور کے قالب ہیں اور تمام ظاہری نور جیسے چراغ کا نور اور شمع کا نور اور آفتاب اور ماہتاب کا نور اسکے مؤیدات سے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ نور بصری مجمع النور میں ودیعت رکھا ہوا نہ ہوتا۔ تو البتہ وہ شخص اندھوں کے گروہ میں سے شمار کیا جاتا ہوتا۔ اور اندھے آدمی کو آنکھ کے جسم اور ظاہری نوروں سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ پس عوام الناس اگرچہ ظاہر حال میں ایسا خیال کرتے ہیں کہ آنکھ کی بدولت یا آفتاب کی روشنی کے ذریعہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر حقیقت امر میں تامل کریں۔ تو البتہ سمجھ لیں کہ ابصار کا آلہ فی الحقیقت وہی نور بصری ہے لیکن چونکہ وہ نور آنکھ کے راستے سے باہر آتا ہے اسلئے سببیت کو آنکھ کی طرف بھی منسوب کر سکتے ہیں اور چونکہ انوار ظاہرہ اسی نور بصری کے مؤید ہیں۔ اس سبب سے ان انوار کو بھی ابصار کہہ سکتے ہیں حالانکہ حقیقت میں خود ان ادراک کا اسی نور کے طفیل سے ہوتا ہے چہ جائیکہ دوسرے امور کا ادراک اسی طرح ادراک ذات بحت اور توجہ الی اللہ کا سبب وہی قطرۂ نور قدسی کا ہے۔ جو ابتداء کے ظہور ارواح کے اہل سعادت کو نصیب ہوا تھا اور ابدان کی پیدائش کے بعد لطیفہ عقل کی تہ میں پوشیدہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت کو ایک ظلمت میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنے نور میں سے کچھ نور ڈالا۔ تو جس شخص کو وہ نور پہنچا اس نے ہدایت پائی اور جس کو وہ نور نہ پہنچا وہ گمراہ ہوا۔

کی گئی۔ اور اسکے شعاع لطائف باطنہ انسانیہ میں طرح طرح کے اقسام اور گوناگوں رنگوں کیساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔ جیسے آفتاب کا شعاع بسیط مختلف رنگوں اور طرح طرح کی شکل والے شیشوں میں اور وہ نور قدسی انوار قاہرہ غیبیہ کیساتھ جیسے آسمانی کتابوں کا نازل ہونا اور انبیاء کرام اور علماء ذوی الاحترام اور اولیاء عظام کا وجود انبساط اور انشراح پاتا ہے یہ معنی نہیں کہ یہ انوار غیبیہ انسان کے نفس میں اس نور قدسی کے پیدا ہونے کے سبب ہو جاتے ہیں۔ بلکہ وہ نور قدسی تو ازل الآزال سے نفوس کے اندر ودیعت رکھے ہوا ہے۔ اور یہ انوار غیبیہ اسکے انبساط اور انشراح کا سبب ہو گئے ہیں پس اگرچہ سالکان راہ ولایت اور طالبان راہ نبوت ابتدائے احوال میں ایسا خیال کرتے ہیں کہ حق جل وعلا کا ادراک لطیفہ قلب یا لطیفہ سر یا لطیفہ خفی یا انکے امثال سے ہمکو حاصل ہوا ہے یا بہ سبب نزول کتب سماویہ کے اور وجود انبیاء اور اولیاء کے ہمیں توجہ الی اللہ نصیب ہوئی ہے لیکن اگر حقیقت کار کا کھوج لگائیں۔ تو البتہ جان لیں کہ توجہ الی اللہ کا حقیقی سبب وہی نور قدسی ہے جو ازل الآزال میں انکو نصیب ہوا ہے اور تمام لطائف باطنہ کو اسی نور نے رونق بخشی ہے اور کتب سماویہ اور انبیاء علیہم السلام کی حقیقت بھی اسی نور کے سبب انکے ذہن میں قرار پکڑ گئی ہے اسی لئے جو شخص ازل الآزال میں اس نور سے محروم رہا۔ جیسے ابوجہل اور ابولہب انکے حق میں یہ انوار قاہرہ عظیمہ اور لطائف باطنہ انسانیہ کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے۔ اور مادر زاد اندھے کی طرح روز روشن میں ہلاکت کے گڑھوں میں گرتے جاتے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اسی نور قدسی کا شعاع لطائف انسانیہ کے رنگ میں ظہور فرماتا ہے اور اختلاف لطائف کے انداز سے ... اختلاف عظیم راہ پاتا ہے اور ہر لطیفہ میں توجہ الی اللہ کی ایک قسم اور تجلیات ربانیہ میں سے ایک قسم کی تجلیات کا انکشاف اور معارف حضرت حق سبحانہ وتعالی کے اسرار میں سے ایک قسم کے اسرار جو اس لطیفہ کے مناسب ہوتے ہیں ظاہر کرتا ہے اور دوسرے لطیفہ میں ان امور مذکورہ کی ایک اور نوع ظاہر فرماتا ہے اور اس لطیفہ نورانیہ کو ہم جبریت کے نام سے ملقب کرتے ہیں پس جبریت کو عقل کے جگر میں اس چراغ کی طرح تصور کرنا چاہیئے جو مختلف رنگ والے شیشوں کے پردہ میں روشن کیا ہوا ہو جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا پس جاننا چاہیئے کہ جس طرح اجرام علوی جو رات کے وقت نمودار ہوتے ہیں۔ اگرچہ انکا نور وہی آفتاب کا نور ہے جو ان ستاروں کے صیقلیہ اجرام میں منعکس ہو کر مختلف رنگوں اور گوناگوں لباسوں میں ظاہر ہو کر دیکھنے والے کی نظر میں جلوہ گر ہو گیا

ہو۔ لیکن جب آفتاب افق سے طلوع کرتا ہے تو تمام مختلف انوار آفتاب کے نور بسیط میں محو ہو جاتے ہیں۔ اور ایک نورانی چادر یک رنگ تمام علویات اور سفلیات کے انبساط پر تانی جاتی ہے اور حقیقت اسکی یہ ہے کہ مراتب انعکاسیہ آفتاب کے اسی نور آفتاب کے اصلی مرتبہ میں محو و منطمس ہو جاتے ہیں اور سب فرع اور اصل یک رنگ ہو جاتے ہیں۔ اسیطرح جب نفس کا کام بحر محبت کے مرتبہ میں بے پہنچ جا پڑتا ہے اور اپنے لطائف باطنہ کے تمام لباس اُتار دیتا ہے۔ تو بحر محبت سے ایک متقدس شعشعہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور لطائف کو اپنا ہمرنگ بنالیتا ہے۔ اور تمام باطن اس سالک کا سر سے پاؤں تک بحر محبت ہو جاتا ہے اور اسکی مثال اس شخص کی سی مثال ہے جسکے تمام بدن میں تمام نور بصری سرایت کر جائے اور اسکا سارا بدن مثل نرگس کی طرح آنکھ ہی آنکھ ہو جائے ماورد یہ حال اس حال کا غیر ہے جو سالک راہ ولایت کو ابتدائے سلوک میں طاری ہوتا ہے کہ انکا دل وسعت پکڑ جاتا ہے اور تمام بدن انکا اسمیں گم ہو جاتا ہے۔ پس انکا تمام وجود گویا قلب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ حال بحر محبت کے انبساط کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہیں رکھتا۔ جو ایک قطرہ کو دریائے محیط کیساتھ ہوتی ہے کیونکہ نہایت اس حال کی یہ ہے کہ تمام وجود سالک کا تجلی قلبی کے ادراک کا آلہ ہو جاتا ہے اور اسکا حال کا مآل یہ ہے کہ اس صاحب کمال کا تمام باطن ذات محبت کے ادراک کا واسطہ ہو جاتا ہے اور ان دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ جس شخص کا تمام وجود قلب ہو گیا وہ اس شخص کے سامنے جسکا تمام باطن بحر محبت ہو گیا کیا رتبہ رکھتا ہے۔ اور جب کوئی شخص کامل اس مرتبہ پر پہنچتا ہے۔ تو جو امور دوسرے لوگوں کیلئے باعث کدورت اور موجب قبض ہوتے تھے۔ اس شخص کے باطن میں مطلق کوئی اثر نہیں کرتے۔ مثال اسکی ایسی ہے کہ کوئی شخص علوم دقیقہ کی مشق و مزاولت کرتا ہے۔ اور اسکا تمام کاروبار قوت عاقلہ سے تعلق رکھتا ہے تو جو امور حواس ظاہرہ کی کدورت کیلئے باعث ہوتے ہیں۔ جیسے آنکھوں کے سامنے پردہ پڑ جانا یا کان کے سوراخ میں روئی دیدینا وہ انکے کام میں کسی طرح خلل انداز نہیں ہو سکتے۔ یہ ہے وہ مضمون جو اس مقام کی تصویر میں احاطہ تحریر اور میدان تقریر میں گنجائش رکھتا ہے ولیکن کنہ اس مقام کی سو وہ ورا الورا ثم ورا الورا ہے۔

فائدہ۔ جاننا چاہیے کہ طالبین راہ نبوت کے دلوں کی لوحیں حب ایمانی کے غلبے اور فنائے ارواح کے رسوخ کے سبب سے خواہشوں اور آرزوؤں کے نقشوں سے صاف اور مصفا ہو جاتی ہیں جہانتک کہ بجز طلب رضائے حق کسی امر کی طلب اور دو جہان کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی رغبت انکے تہ دل میں قرار پکڑتی۔ اور دنیاوی مرغوب اور اخروی نعمتوں میں سے کسی چیز کی طرف التفات انکے صمیم قلب سے ظاہر نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ایک بار اللہ جل شانہ کا مبارک نام جو انکی زبان پر جاری ہوا۔ اگر اسکے مقابلہ میں دونوں جہان کی نعمتیں اسکو بخش

دیں۔ اور تھوڑی سی اطاعت کو دو جہان کی نعمتوں سے زیادہ کر دیں تو البتہ ان کے حق میں سب کچھ منظم کی جا بجا ہو گا۔ الغرض اس حال کا صاحب تمام اعمال صرف حضرت ذو الجلال کی رضامندی کیلئے بجا لاتا ہے اور بس اور آیت مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ انہیں لوگوں کی شان کا بیان ہے۔ اور جب اس طریق والے سکر محبت کے مقام سے تجاوز کر جاتے ہیں اور بلند درجوں پر ترقی کر جاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے منصبوں پر جا پہنچتے ہیں۔ تب انکے دل میں امور طبیعت کی طرف از جنس مرغوبات کو نہیں رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور طبیعت کی ناپسند چیزوں سے از قسم مکروہات وارین نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن نہ اس وجہ سے کہ اپنی طاعات کے مقابلہ میں کسی مرغوب چیز کی درخواست یا کسی مکروہ چیز کے دور ہونیکی خواہش کرتے ہیں حاشا وکلا کیونکہ یہ بزرگوار لوگ اپنے اعمال کو ایسی چیز نہیں سمجھتے تاکہ انکے مقابلہ میں کسی چیز کے امیدوار ہوں۔ بلکہ انکی مثال ایسی ہے کہ ایک بادشاہ عالی جاہ کے درباریوں میں سے کسی شخص نے بادشاہ کی رضاجوئی کی خاطر بڑی مدت حیران اور سرگرداں رہکر اور خدمت سلطانی کے مناصب مثلاً جیسے سپہ گری اور معماری وغیرہ اشتغال اور تبدیلیاں کر کے آخر الامر قبولیت اور رضامندی سلطانی کے مقام میں پہنچکر کفالت و وکالت شاہی کا عالی منصب حاصل کیا۔ اور اسکا لقب محبوب خاص رکھا گیا۔ پس اس حالت میں اسکو یہ مرتبہ حاصل ہو گیا کہ جو عمدہ چیزیں اسکے مولیٰ کے زیر حکومت اور اسکی سلطنت کے اندر موجود ہیں انکی خواہش کرے۔ اور جو نفیس چیز بادشاہی خزانوں میں موجود ہے انکی درخواست کر سکتا ہے اس وجہ سے اس چیز کو اپنے علاقہ خدمت کا بدلہ جانتا ہے یا اپنی ادائے خدمات کی جزا سمجھتا ہے کیونکہ اس قسم کی طلب اسکے حق میں ایک قبیح عیب ہے کہ اپنے آپ کو بلند مرتبے سے نیچے گرا کر مزدوروں کے شمار میں داخل کرتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اس علاقہ کا مقتضا یہی ہے کہ اپنی تمام حاجات کو جنکے منجملہ طلب مرغوبات اور مکروہات سے پناہ مانگنا ہے اپنے مولیٰ ہی سے طلب کرے اور بس اسی طرح یہ ارباب کمال جب مرتبۂ اصطفا اور اجتبا اور قبولیت اور محبوبیت پر کامیاب ہوتے ہیں۔ اور تمام مقعد صدق میں رسوخ قدم انکو نصیب ہو جاتا ہے اور درجۂ شمول رفیق اعلیٰ سے فائز ہو جاتے ہیں۔ اور بندۂ خاص اور عبد باختصاص انکا لقب ہو جاتا ہے اس وقت البتہ انکے دل میں امور مرغوبہ دارین کی طرف میلان ہو جاتا ہے اسلئے وہ امور اپنے مولیٰ کے خزانوں میں موجود ہیں اور بسبب اس بات کے کہ مقام قبولیت میں راسخ القدم ہو چکے ہیں انکو کسی چیز کی طلب سے اگرچہ بہت رفیع اور بدیع ہو۔ رکاوٹ نہیں۔ اسلئے ان چیزوں کو طلب نہیں کرتے۔ کہ ان امور کو اپنے اعمال کی جزا سمجھتے ہیں بلکہ اسلئے کہ علاقہ عبودیت کو زیادہ تر رونق ہو جائے یہی وجہ ہے کہ حظوظ نفسانیہ

ملہ یعنی [illegible] پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام [illegible] اسی کا منہ [illegible]

کا طلب کرنا انکے حق میں زیارت قرب کا موجب ہوتا ہے۔ نہ بعد اور دوری کا سبب۔ نظم

موسیٰ اندر درخت آتش دید — سبز تر میشد آن درخت از نار

شہوت و حرص مرد صاحب دل — ہمچنین دان و ہمچنین انگار

القصہ جب اس کمال کے صاحب اس مقام و حال میں پہنچتے ہیں تو بسبب اختلاف استعداد جبلی کے تین فریق ہو جاتے ہیں ایک قوم تو اپنے منصب میں کمال علو اور مقام قبولیت میں نہایت راسخ القدم ہونے کی وجہ سے دونوں جہان کے مرغوبات اور مکروہات کو اور دارین کے مصائب و مشکلات کو نہایت ادنیٰ اور خسیس امور سے سمجھ کر طلب مرغوب کی طرف اور مکروہ سے بھاگنے اور ازالہ مخافات اور استحلال مشکلات کی طرف جو کچھ ذرہ التفات انکے تہ دل سے صادر نہیں ہوتی۔ نہ بسبب ہجوم سکر محبت کے اور مکروہ اور مرغوب میں تمیز اور فرق نہ کرنے کے سبب سے بلکہ انکے منصب کے کمال اعلیٰ ہونے اور ان امور مذکورہ کے نہایت ادنیٰ ہونیکے سبب سے الحق کہ انکا مرتبہ ان سے بہت بلند ہے کہ۔ ایسے امور کی طرف انکے دلوں میں التفات اور میل پیدا ہو۔ اور انکا اپنے مناصب اور مراتب کے ساتھ خوش و خرم ہونا اس سے اعلیٰ ہے کہ کوئی اور خوشی طلب کریں اگرچہ اس حد تک انکو عرض حاجات کا رتبہ حاصل ہو گیا ہے۔ کہ نظر عنایت ربانی اور کفالت رحمانی کے سبب ان کی دعا واجب الاجابت اور انکا تعوذ واجب القبول ہو گیا ہے۔ اور دوسری قوم عرض حاجات اور دعائے حل مشکلات اور طلب مرغوبات اور دعائے دفع مکروہات اور شفاعات میں سعی کرنے میں بنا بر استحکام علاقہ عبودیت اور اظہار حاجت کے جو بندہ ہونیکا شعار ہے۔ اور اہل اضطراب اور ارباب حاجات پر رحمت اور شفقت کرنے کیلئے چست و چالاک اور سرگرم ہوتے ہیں اور تیسری قوم بھی فریق ثانی کے ہم مشرب ہوتے ہیں کہ انکے دل میں طلب مرغوبات اور استحلال مشکلات اور شفاعت ذوی الحاجات کی خواہش پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن بسبب کمال ادب کے اور کفالت حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ پر اعتماد کرکے باوجود کمال اس اعتقاد کے کہ علم ازلی تمام اشیاء کے اسرار اور ان کے باطن کو محیط ہے زبان حال پر اکتفا کرکے اکثر اوقات زبان قال کو کام میں نہیں لگاتے کہ مقولہ حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ[1] عِلْمُهٗ بِحَالِیْ اسی قسم کے بزرگوں کی شان کا بیان ہے۔ ورحق جل و علا شانہ انکی دعا حالی قبول فرماتا ہے۔ اور انکی دلی حاجات روا فرماتا ہے۔ بایں طور کہ انکے مقتضائے دلی کو خود بخود بلا تقریب ظاہر کر دیتا ہے۔ اور انکو بلکہ تمام بزرگان محفل قرب کو اس امر پر مطلع فرماتا ہے کہ اس امر کا ایجاد محض انکی رضامندی اور ان کی دلی خواہش کے پورا کرنے کیلئے ہوا ہے۔ اور یہ امر انکے زیادت اعتبار اور کمال افتخار کا باعث

[1] یعنی مجھ کو میرے سوال سے یہی کافی ہے کہ وہ (حاجت روا) میرے حال کا عالم ہوتا ہے۔

ہوتا ہے۔ اور اس معاملہ کے سبب سے اپنے اقران و امثال میں انکو بہت بڑی وجاہت حاصل ہوتی ہے۔ فائدہ۔ اگرچہ ان تین فرقوں میں سے ایک گروہ کو دوسرے دو گروہ پر من جمیع الوجوہ فضیلت دینا غلط محض اور خطائے صریح ہے۔ ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست۔ لیکن لا اعلیٰ بہ زیادتی اعتبار اور وجاہت پر نظر کرکے تیسری قوم کو دوسری پر ایسی فضیلت حاصل ہے جو اہل فطانت میں سے کسی پر مخفی نہیں۔ اسی طرح بدیں لحاظ کہ قوم ثانی کیلئے علاقہ عبودیت کے مقتضیات ظاہر ہیں۔ اور انکی سعی و سفارش سے عام لوگوں کو فیوض غیبیہ پہنچتے ہیں۔ رب اور خلقت کے درمیان انکو وسیلہ ہونے کا مقام حاصل ہے قوم ثانی کو قوم اول پر فضیلت حاصل ہے۔ جو کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں۔

والعلم عند اللہ۔ **خاتمہ**۔ بیان میں بعض معاملات اور واردات کے جو حضرت سید احمد صاحب قدس سرہ کو دونوں طریق یعنی طریق سلوک نبوت اور طریق سلوک ولایت کے اختتام سلوک میں پیش آئے ہیں اگرچہ خود یہ کمالات ہدایہ آیات کہ یہ کتاب مستطاب انپر مشتمل ہے اپنی حقیقت پر دلیل قاطع اور برہان ساطع ہیں۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ قال کو حال سے پہچانتے ہیں۔ نہ حال کو قال سے۔ یعنی انکے نزدیک کمال کی خوبی اور معتبر ہونا بسبب اس اعتقاد کے ہوتا ہے جو اس کلام کے قائل کی نسبت تقلیداً انکو حاصل ہو حالانکہ عقلمندوں کو متکلم کا اعتقاد کلام کے سبب سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلئے اس کتاب مستطاب کے ذیل میں کسی قدر ایسے کلام کرنیکی ضرورت پڑی۔ جو اس کے ماخذ مضامین کا حال بیان کرے۔ تاکہ ان مضامین کے ناظرین کو بہ سبب اطلاع پانے کے اس امر پر کہ آنحضرت نے ان مضامین کو کہاں سے حاصل کیا۔ اور کسی شخص سے انکا استفادہ کیا اطمینان حاصل ہو جائے۔ پس جاننا چاہیئے کہ آنحضرت کی جبلت ابتدائے فطرت سے کمال طریق نبوت پر اجمالاً مجبول تھی۔ اور اس طریق کے آثار یعنی مناجات کی لذت پانا خصوصاً نماز میں اور شرع شریف کی تعظیم کرنا اور اتباع سنت کی کمال رغبت اور بدعت کے ساتھ آلودہ ہونے سے کمال نفرت اور طاعات کی طرف طبعی میلان اور معاصی اور گناہوں سے جبلی کراہت سن خردسالی میں آپ پر ظاہر باہر تھی۔ القصہ جبلی طہارت کے آثار آپکی طبیعت کی تہ میں ظاہر تھے۔ اور سعادت ازلیہ کے انوار آپ کی جبین مبارک میں روشن تھے۔ چنانچہ سعادت کے خزانوں کی کنجی جسکی مدد سے ہر دو طریق یعنی طریق نبوت اور طریق ولایت کے بند دروازے کھل جائیں۔ آپ کے ہاتھ آگئی۔ اور وہ کنجی کیا تھی۔ یعنی ملازمت جناب ہدایت مآب قدوۃ ارباب صدق و صفا زبدۃ اصحاب فنا و بقا سید العلما سند الاولیا رحمت اللہ علی العالمین وارث الانبیاء والمرسلین مرجع ہر فضیل عزیز مولانا و مرشدنا شیخ

عبد العزیز متع اللہ المسلمین بطول بقائہ وادام عزتاو سائر المسلمین بجدہ وعلائہ کی اور آپکو آنجناب
کے ساتھ طریقہ نقشبندیہ میں بیعت حاصل ہوئی اور حصول بیعت کے یمن اور آنجناب کی توجہات
کی برکت سے آپکو نہایت عجیب عجیب معاملات ظاہر ہوئے کہ انہیں وقائع عجیبہ کے سبب طریق
نبوت کے کمالات جو آپکے فطرت میں مجملاً مندرج تھے ۔ انکی اب تفصیل اور شرح کی نوبت
پہنچی ۔ اور مقامات طریق ولایت بھی اچھی وجہ پر جلوہ گر ہوئے ۔ ان سب معاملات سے اول
اور بہتر یہ ہے ۔ کہ آپ نے جناب رسالت مآب صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور
اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین عدد چھوہارے اپنے ہاتھ مبارک سے آپ کو
کھلائے اس طرح سے کہ ایک ایک چھوہارا اپنے ہاتھ مبارک سے لے کر حضرت سید صاحب کے
منھ میں رکھتے تھے اور بعد ازاں کہ آپ بیدار ہوئے ۔ اس رویائے حقہ کا اثر ظاہر باہر اپنے
نفس میں پاتے تھے ۔ اور اسی خواب کی بدولت ابتدائے سلوک نبوت حاصل ہوگیا ۔ بعد
ازاں ایک دن جناب ولایت مآب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا
رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا ۔ پس جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے ہاتھ مبارک سے غسل دیا اور
آپکے بدن کو خوب اچھی طرح سے شست وشو کی جس طرح والدین اپنے بیٹوں کو نہلاتے اور شست
وشو کرتے ہیں ۔ اور جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے نہایت عمدہ اور قیمتی لباس اپنے ہاتھ مبارک
سے آپکو پہنایا ۔ پس اس واقعہ کے اسباب سے کمالات طریق نبوت نہایت جلوہ گر ہوئے ۔ اور جو جناب
ازلی جو کہ ازل الآزال میں پوشیدہ تھی ۔ منصہ ظہور پر جلوہ گر ہوئی ۔ اور عنایات رحمانی اور
تربیت ربانی بلا واسطہ آپکے حال کی متکفل ہوئی ۔ اور پے در پے معاملات اور بے شمار واقعات
ذریعہ میں آئے ۔ یہاں تک کہ ایک دن حضرت حق جل وعلیٰ نے آپکا داہنا ہاتھ خاص اپنے دست
قدرت میں پکڑ لیا ۔ اور کوئی چیز امور قدسیہ سے جو کہ نہایت رفیع اور بدیع تھی ۔ آپکے سامنے
کر کے فرمایا کہ ہم نے تجھے ایسی چیز عنایت کی ہے ۔ اور اور چیزیں بھی عطا کریں گے ۔ تا اینکہ
ایک شخص نے آپکے پاس حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کی ۔ اور چونکہ آپ ان ایام میں علی العموم
بیعت نہیں لیا کرتے تھے ۔ اسلئے اس شخص کی درخواست کو قبول نہ فرمایا ۔ جب اس شخص نے
نہایت الحاح اور اصرار کیا ۔ تو آپ نے اس سے فرمایا کہ ایک دو روز توقف کرنا چاہیئے ۔ بعد
ازاں جو کچھ مناسب وقت ہوگا ۔ اس پر عمل کیا جائیگا ۔ پھر آپ اجازت اور استفسار کے لئے
جناب حق میں متوجہ ہوئے ۔ اور عرض کیا کہ بندگان درگاہ سے ایک بندہ اس امر کی درخواست

کرتا ہے کہ مجھ سے بیعت کرے۔ اور آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔ اور اس جہان میں جو کوئی
کسی کا ہاتھ پکڑتا ہے ہمیشہ دستگیری کی پاس کرتا ہے اور حضرت حق کے اوصاف کو اخلاق مخلوقات
کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ پس اس معاملہ میں کیا منظور ہے اس طرف سے حکم ہوا کہ جو شخص تیرے
ہاتھ پر بیعت کریگا۔ اگرچہ وہ لاکھوں ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے۔ القصہ اس
قسم کے وقائع اور ایسے معاملات سینکڑوں پیش آئے تا آنکہ کمالات طریق نبوت اپنی نہایت بلندی
کو پہنچے۔ اور الہام اور کشف علوم حکمت کے ساتھ انجام پذیر ہوئے یہ ہے طریق استفادہ کمالات
راہ نبوت و لیکن کمالات راہ ولایت کے استفادہ کا طریق پس اول سمجھ لینا چاہیئے کہ اولیاء اللہ
کے طریق میں سے ہر طریق میں سے مجاہدات اور ریاضات اور اشغال و اذکار اور مراقبات معین
کئے ہوئے ہیں۔ اور ان امور میں سے ہر ایک امر طالب کے نفس میں ایک قسم کا اثر پیدا کرتا ہے
اور مراقبات اشتغال کے توارد کے سبب سے ایک امر مستقر[1] طالب کے نفس میں پیدا ہو جاتا ہے کہ اس
امر کے سبب سے طالب کا عالم قدس سے ارتباط ہو جاتا ہے اور یہی امر حضرت حق جل و علی کیساتھ
طالب کے تعلق کا موجب ہوتا ہے۔ اور وہ امر ہمیشہ طالب کے نفس میں موجود رہتا ہے خواہ اس امر
کی طرف طالب کو ملاحظہ ہو یا نہ ہو۔ ہاں اس امر کی طرف ملاحظہ کے سبب سے اس کے آثار ظاہر ہوتے
ہیں ورنہ بجوہر نفس میں پوشیدہ رہتے ہیں اور اس امر کو عرف قوم (صوفیہ) میں نسبت کہتے ہیں مثال
اس کی یہ ہے کہ ایک شخص معقول کی کتابوں کی مزاولت کرتا ہے۔ یا دوسرے صنائع ہیں۔ جیسے
موسیقی یا آہنگری یا زرگری کی مشق کرتا ہے تو البتہ کچھ مدت کے بعد ایک امر مستقر[1] حادث ہو جاتا ہے
کہ اس کو ملکہ صناعت کہتے ہیں اور وہ ملکہ اس شخص کے نفس میں مستقر رہتا ہے خواہ وہ شخص اس
ملکہ کی طرف التفات کرے یا نہ کرے۔ ہاں البتہ جب یہ شخص اس ملکہ کی طرف التفات کرتا ہے۔ اور اس
کو ظاہر کرتا ہے تو اسکے آثار ظاہر ہوتے ہیں ورنہ پوشیدگی کے پردہ میں مخفی رہتے ہیں۔ جب اس مقدمہ
کی تمہید ہو چکی تو جاننا چاہیئے کہ اگرچہ عادۃ اللہ اس قانون پر جاری ہے کہ کتاب و سنت کے مضامین
کتب عربیہ اور فنون ادبیہ کی تحصیل کرنیکے بعد حاصل ہوتے ہیں لیکن بعض نفوس کاملہ کو بطریق خرق
عادت پہلے ہی ان مضامین لطیفہ پر اطلاع بخشتے ہیں اور اس کو اصطلاح قوم میں علم لدنی کہتے ہیں
اور فنون ادبیہ بعد اسکے ثانیاً انکو میسر ہوتے ہیں بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مبادی کے حاصل
کرنے میں دوسرے بتدریج ثمرات فن کے استادوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی مبادی
سے عاری ہی رہ جاتے ہیں القصہ حضرت سید صاحب کو تینوں طریقوں یعنی قادریہ چشتیہ نقشبندیہ

[1] یعنی ایسا امر جو طبیعت میں راسخ ہو جاتا ہے۔ اور ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔

کی نسبت مبادی راہ سے پہلے ہی حاصل ہو گئی۔ لیکن نسبت قادریہ اور نقشبندیہ کا بیان تو اس طرح ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ العزیز کی بیعت برکت اور آنجناب ہدایت مآب کی توجہات کے یمن سے جناب حضرت غوث الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی روح مقدس آپ کے متوجہ حال ہوئیں اور قریبا عرصہ ایک ماہ تک آپکے حق میں ہر دو روح مقدس کے مابین فی الجملہ تنازع رہا۔ کیونکہ ہر ایک ان دونوں عالی مقام اماموں میں سے اس امر کا تقاضا کرتا تھا کہ آپ کو تمام اپنی طرف جذب کرے تا آنکہ تنازع کا زمانہ گزرنے اور شرکت پر صلح کے واقع ہونے کے بعد ایک دن ہر دو مقدس روحیں آپ پر جلوہ گر ہوئیں۔ اور قریبا ایک پہر کے عرصہ تک وہ دونوں امام آپکے نفس نفیس پر توجہ قوی اور پرزور اثر ڈالتے رہے پس اسی ایک پہر میں ہر دو طریقہ کی نسبت آپکو نصیب ہوئی۔ دیگر نسبت چشتیہ پس اسکا بیان اس طرح ہے کہ ایک دن آپ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کی مرقد منور کی طرف تشریف لے گئے اور انکی مرقد مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ اس اثنا میں انکی روح پر فتوح سے آپکو ملاقات حاصل ہوئی۔ اور آنجناب یعنی حضرت قطب الاقطاب نے آپ پر نہایت قوی توجہ کی کہ اسی توجہ کے سبب سے ابتدا حصول نسبت چشتیہ کا ثابت ہو گیا۔ پھر جس واقعہ سے ایک مدت کے گزرنے کے بعد مسجد اکبر آبادی واقع شہر دہلی حرسہا اللہ تعالیٰ عن آفات الزمان میں آپ اپنے مستفیدوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ کاتب الحروف بھی اس محفل ہدایت منزل کے آستانہ بوسوں کی سلک میں مندرج تھا اور سب حاضرین مجلس مراقبہ کی گریبان میں سر ڈالے ہوئے تھے۔ اور آپ تمام مستفیدوں پر توجہ فرما رہے تھے اس مجلس کے اختتام کے بعد کاتب الحروف کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آج حق جل وعلیٰ نے محض اپنی عنایت سے بلا واسطہ کسی کے نسبت چشتیہ کا اختتام ہمیں ارزانی کیا ہے بعد ازاں طریقہ چشتیہ کی تعلیم اور تلقین میں باز روئے ہمت حصولا اور اشغال کی تجدید فرمائی۔ بالجملہ یہ کتاب مستطاب مشتمل ہے ان سب طریقہ استفادہ تینوں نسبتوں کا لیکن باقی نسبتوں کا فائدہ جیسے نسبت مجددیہ اور نسبت شاذلیہ وغیرہ پس جاننا چاہیئے کہ کمالات راہ نبوت ارباب کمال کی اکسیر تو تھوڑی مدت سے سرعت تاک کر دیتے ہیں اور کامل قدسی سبب انکی بصیرت کا نور عدالت اور تیزی قبول کرتا ہے اور انکی بصیرت قدسی آئینہ کی طرح کھل جاتی ہے تاکہ وہ جس چیز کی طرف التفات کرتے ہیں اس چیز کے حقائق اور دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق کما حقہ دریافت کر لیتے ہیں پس گویا راہ ولایت کی تمام نسبتیں راہ نبوت کے کمال میں مندرج ہو گئی

ہیں صرف اتنی بات ہے کہ کسی چیز کی طرف ادنیٰ سی توجہ منعطف ہوئی تو اس چیز کی حقیقت اپنی تمام شرح وبسط کے ساتھ ان کی بصیرت کے سامنے حاضر ہو جاتی ہے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ اس کلام سے اہل طرق ولایت پر سالک راہ نبوت کو فضیلت دینا مقصود ہے بلکہ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ سالک راہ نبوت کے نفس میں ایک نور قدسی پیدا ہو جاتا ہے کہ اس نور کے سبب سے ہر صاحب نسبت کی نسبت کو اگرچہ اس سے افضل اور اعلیٰ ہو ادراک کر سکتا ہے جس طرح جمیع النور میں قوت باصرہ رکھی ہوئی ہے کہ اسی قوت کے سبب سے ہر نورانی جسم کو تیزی اور کمزوری کے مقدار پر ادراک کر سکتا ہے اگرچہ اس کا جسم کا افتراق نور بصری سے اعلیٰ اور اقویٰ ہو۔ واللہ اعلم ۔ لیکن مبادا کہ اتفاقاً کرنا پس جاننا چاہیئے کہ اشتغال اوراذکار اور مجاہدات اور مراقبات کا مقرر کرنا فی الحقیقت تشریع کا ظل ہے اور بوجود صاحب قرب فرائض کے مقام میں قائم ہو جاتے ہیں اگر یہ بزرگ از قسم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہونگے تو ضرور ہے کہ شریعت جدیدہ کے صاحب ہوں گے نہیں تو طرق موصلہ الی اللہ کے اوضاع کا معین کرنا فوارہ کی طرح ان کی طبیعت سے جوش مارتا ہے اس میں تعلیم اور تعلم کو گنجائش نہیں۔

**فائدہ**۔ ان چند کلمات میں جو حضرت سید صاحب کے معاملات اجمالی اشارات پر مشتمل ہیں بڑے بڑے فائدے ہیں اور بڑی منفعتیں ہیں منجملہ ان فوائد کے ایک ۔ فائدہ تو وہ ہے جو شروع میں مرقوم ہو چکا اور منجملہ ان کی ہی تحدیث بنعمۃ اللہ (یعنی نعمت الٰہی کا اظہار) کہ امر واما بنعمۃ ربک فحدث کی تعمیل اس میں منصور ہو سکتی ہے اور منجملہ ان فوائد کے غافلین کا بیدار کرنا کہ جو شخص حق جل وعلیٰ کا طالب ہو اور حضرت کی حق طلب صادق اس کے دل سے پیدا ہوئی ہو اس کو اپنے مطلب یابی کے مقام کی طرف ہدایت ہو جاتی ہے اور منجملہ ان کے زمانہ کے جاہلوں کی تنبیہ کرنا ہے کہ انہوں نے ولایت ربانی کو ممتنعات عقلیہ سے شمار کر کے اوائل امت پر اسے منحصر سمجھ کر انقطاع نبوت کی طرح ولایت کے انقطاع کے قائل ہو گئے ہیں۔ فقط

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا وَّ
صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ ۔

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]

معبود نہیں سوائے تیرے سب جانتے ہیں

اے خدا تیری خدائی سب مانتے ہیں

حضور ﷺ ہیں آخری نبی تیرے

انکی نبوت سب جانتے ہیں!

Mohammed Hanif. Meeraasaheb. NAKKARCHI.

Near. Pashah-Dewdi, Near juma-masjid.

BIJAPUR-586104.



۱۱۸ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں خیال کے متعلق دیوبندی تبلیغی جماعت کا

ص ۵۵ علم غیب معلوم کرلینا

ص ۵۹ مسئلہ توسیلہ ہے

۷۲ ایصال ثواب

Phone-No- 9886677732

محمد حنیف - جمیر الے صاحب نقارچی